بانو سرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ

Bano Sartaj ki Adabi Khidmat ka Tanqeedi Jaiza

A THESIS

Submitted for the Award of Ph.D.Degree of

Mohanlal Sukhadia University

in the

Faculty of Humanities

By

GULSHAN PINJARA

Under the Supervision of

Dr.Sarwatunnisa khan

(Deppt of Urdu)

Govt.Meera Girls College ,Udaipur (Raj)

MOHANLAL SUKHADIA UNIVERSITY UDAIPUR (RAJ)

(2020)

بانوسرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ

Banu Sartaj ki Adabi Khidmat ka Tanqeedi Jaiza

تحقیق مقالہ

برائے پی ایچ ڈی (اردو)

نگراں:

ڈاکٹر ثروت انساء خان

پیش کردہ:

گلشن پنجارہ

شعبۂ اردو

گورمنٹ میرا گرلس کالج، اودے پور، راجستھان

موہن لال سکھاڑیا یونیورسٹی، اودے پور، راجستھان

2020

بھی جانی پہچانی جاتی ہیں ۔اس مقالہ میں ڈاکٹر بانو سرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے اور اُردو ادب میں ان کا مقام متعین کرنے کی سعی کی گئی ہے جس کی وہ مستحق ہیں ۔

بانوسرتاج انہیں کامیاب تخلیق کاروں کی کہکشاں کا درخشاں ستارہ ہیں جواردو ادب اطفال کے افق پر اپنی ضیاء سے ہمارے ننھّے ستاروں کو ذہنی ،فکری ،اخلاقی اور روحانی ترقی دینے میں کوشاں ہیں اور انکی جگمگاہٹ کو اجاگر کرنے میں اپنا بیش قیمتی تعاون دے رہی ہیں ۔

ڈاکٹر بانوسرتاج ہندی ،اور ،مراٹھی ،انگریزی دیگر زبان میں اپنے قلم کے ذہر بکھیرے ہیں ۔ وہی وہ اُردو ادب کو بھی اپنی تخلیقات سے مالا مال کر رہی ہیں ۔بانوسرتاج نے ادب پر اب تک تقریباً پینتس (۳۵) سے ذائد کتابیں تصنیف کی ،جن میں نظمیں ،کہانیاں ،ناول ،ڈرامہ کارٹون ،سائنسی ایجادات کرنے والوں کے کرشائی کردار ،زندگی کے مختلف شعبوں کے کامیاب ترین اشخاص کے کارنامے دلچسپ انداز میں پیش کیے ،جانباز خواتین کی کارکردگیا اوران کے رنگ وروپ کی بہترین عکاسی ڈاکٹر بانوسرتاج کی تخلیقات کی خصوصیات ہیں ۔ان کتب میں تین چار برس کی عمر کے بچوں سے لے کر پندرہ سولہ برس تک کی عمر کے بچوں کے لئے بہترین تحریریں ہیں ۔جن سے ان کی فکری وذہنی نشو ونما میں مدد ملتی ہے ۔ان کی صلاحیتوں کو پرواز ملتی ہے ۔ان کی نفسیاتی اور جسمانی قوّتوں کو حوصلے ملتے ہیں ۔ان میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔انٹرنیٹ میڈیا کی چکاچوندھ سے پرے ایک ایسا جہاں ملتا ہے ،جس سے کتابوں کو پڑھنے کی طرف بچّے کی رغبت پیدا ہوتی ہے ۔انٹرنیٹ اورٹی وی کے اس جگمگاتے دور میں پرنٹ میڈیا اور تہذیبی ثقافتی نظام کا اہم ستو کتابیں ہیں ۔اورانہیں پڑھنے میں دلچسپی پیدا کرنا ادبِ اطفال کے تخلیق کاروں کے سامنے ایک بڑا چیلنج ہے ۔دورِ حاضر میں ڈاکٹر بانوسرتاج نے اس چیلنج کو بہ خوبی نبھایا ہے ۔اور پچھتر (۷۵) سال کی عمر کے باوجود مسلسل نبھائے جارہی ہیں بلاشبہ آپ نے اُردو ادب اطفال کو بہترین علمی سرمایہ بخشا ہے ۔وہ ایک اعلیٰ فنکار ہیں ۔جنھوں نے اپنی تخلیقات میں بچوں کے ادب کی تمام فکری میلانات ،رجحانات انکی روحانی وجسمانی تربیت کے مابین ایک معلوماتی دنیا سے روبرو کرانے کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے ۔اردو ادب میں ڈاکٹر بانوسرتاج بچوں کی ادیبہ کے علاوہ ایک افسانہ نگار ،ناول نگار ،نقاد کی حیثیت سے

کسی بھی زبان کا ادب اس وقت تک اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس میں ادبِ اطفال کا بہترین سرمایہ موجود نہ ہو، کیونکہ دنیا و کائنات ملک و قوم اور معاشرہ کی تہذیب و تمدن کا دارو مدار اگر اقتصادی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی حالات کے بہتر نظام پر منور ہے تو اس نظام کی باگ ڈور اس ملک و قوم کے افراد کی فکری و ذہنی صلاحیتوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی ہے۔ فکری و ذہنی صلاحیتوں کی نمو بچہ کی تربیت میں پوشیدہ ہے۔ تربیت کے بہت سے بہترین عناصر میں کتابوں کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ بچہ نفسیاتی، فکری و ذہنی سطح کو ہموار کرنے اور اس کے ارتقاء اور رہنمائی کے لئے معیاری ادب اس قدر ہی ضروری ہے، جس طرح بہترین پیداوار کے لئے پودے کی سینچائی کے ذریعوں میں سے ایک ذریعہ جسے ہم ڈراپ سسٹم کہتے ہیں۔

ادبِ اطفال کا ایک سبق، ایک ایک کہانی، نظم اور دیگر اصناف بچہ کے ذہن کو اشتیاق، جستجو، تازگی، زندگی، انکشاف اور جمالیات سے لبریز کر دیتا ہے۔ اسے زندگی کے اُن رُموز سے آشنا کرواتا ہے جو روز مرہ یا کسی اور ذریعے سے ممکن ہی نہیں۔ بچوں کے شعور و ادراک اس کے روحانی واخلاقی رویّوں کو نمو دینے کا بہترین ذریعہ معیارِ ادب ہی ہے۔ یہ ایک مشکل فن ہے، کیونکہ ادبِ اطفال کا تخلیق کار اگر پچاس سے اسی (۸۰) برس کی عمر کا بھی ہوگا تو وہ چار سے پندرہ سالہ سن کی ذہنیت اور فکری بہاؤ کا سامان اکٹھا کر کے اسے ترتیب دیتا ہے، مصنوعی انداز سے خاکہ تیار نہ کر کے فطری اور بے ساختگی پن سے اس تخلیق کو جنم دیتا ہے، جس کا اس کی عمر اس کے شعور ادراک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، حالانکہ دل اس کا بچہ ہوتا ہے۔ لیکن سب کا دل بچہ نہیں ہوتا ہے۔ اور سب ادبِ اطفال تخلیق نہیں کر سکتے۔ یہ سب کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔ بچہ کی ذہنی و فکری ارتقاء کی رفتار کو گرفت میں لینا اور اس کے ساتھ اس کی دلچسپی اس کے ذوق اور اس کی جستجو کو برقرار رکھنا ادب اطفال کے تخلیق کار کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔

اُردو ادب میں چیلنج کو بڑے بڑے ادیبوں نے قبول تو کیا مگر کامیاب کم ہی ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر

تلخیص

ABSTRACT

تحقیق کا موضوع

Topic Of Research

بانو سرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ

Banu Sartaj ki Adabi Khidmat ka Tanqeedi Jaiza

زیرِ نگرانی ***(Research Guide)*** - ڈاکٹر ثروت النساء خان ***(Dr. Sarwatunnisa Khan)***

پیش کردہ ***(Research Scholar)*** - گلشن پنجارہ ***(Gulshan Pinjara)***

موہن لال سکھاڑیا یونیورسٹی اودے پور (راجستھان)

Mohanlal Sukhadia University Udaipur (Raj.)

(Accredited "A" Grade by NAAC)

राजस्थान RAJASTHAN

AW 574038
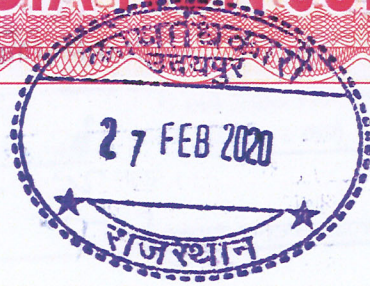
DECLARATION

I, GULSHAN PINJARA D/o MUBARAK HUSSAIN resident of EC-67, Sajjan Nagar, A-block, Udaipur (Raj.) 313001 hereby declare that the research work incorporated in the present thesis entitled "BANO SARTAJ KI ADABI KHIDMAT KA TANQEEDI JAIZA" is my work and is original. This work (in part or in full) has not been submitted to any University for the award of a degree or a diploma.

I have properly acknowledged the material collected from the secondary sources wherever required and I have run my entire thesis o the ant plagiarism software namely, "Plag Scan".

I solely own the responsibility for the originality of the entire content.

Place: Udaipur

Date: 20.03.2020
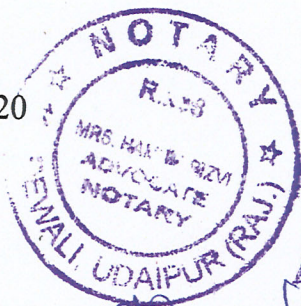
(Signature of the candidate)

ATTESTED

MRS. HAMIDA RIZVI
NOTARY
UDAIPUR (RAJ.)

20 · 3 · 2020

Ph. 0294-2470143, Ext. Fax : 0294-2413350
DEPARTMENT OF URDU
UNIVERSITY COLLEGE OF SOCIAL SCIENCES & HUMANITIES
MOHANLAL SUKHADIA UNIVERSITY, UDAIPUR (RAJ.)

DR. HADEES ANSARI
HEAD
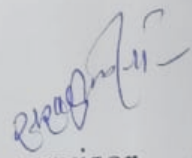
CERTIFICATE

I Feel Great pleasure in certifying that the thesis entitled "Banu Sartaj Ki Adabi Khidmat Ka Tanqeedi Jaiza" by Gulshan Pinjara under my guidance. She has completed the following requirement as per Ph.D. regulations of the University

(a) Course work as per the university rules.

(b) Residential requirements of the unversity.

(c) Regularly submitted six monthly progress report

(d) Presented her work in the departmental committee

(e) Published/accepted minimum of one research paper in a referred research journal,

I recommend the submission of thesis.

HEAD
DEPARTMENT OF URDU
UNIVERSITY COLLEGE OF SOCIAL
SCIENCES & HUMANITIES
M.L. SUKHADIA UNIVERSITY, UDAIPUR

Supervisor

Supervisor
Dr. (Mrs.) Sarwatun-Nisa
Lecturer (Urdu)
Govt. Meera Girl's College
UDAIPUR (Raj.)

فہرست

تمہید

کسی بھی زبان کا ادب اس وقت تک اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس میں ادبِ اطفال کا بہترین سرمایہ موجود نہ ہو، کیونکہ دنیا و کائنات ملک وقوم اور معاشرہ کی تہذیب وتمدن کا دارو مدار اگر اقتصادی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی حالات کے بہتر نظام پر منور ہے تو اس نظام کی باگ ڈور اس ملک وقوم کے افراد کی فکری وذہنی صلاحیتوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی ہے۔فکری وذہنی صلاحیتوں کی نمو بچہ کی تربیت میں پوشیدہ ہے۔تربیت کے بہت سے بہترین عناصر میں کتابوں کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ بچہ نفسیاتی ،فکری و ذہنی سطح کو ہموار کرنے اور اس کے ارتقاء اور رہنمائی کے لئے معیاری ادب اس قدر ہی ضروری ہے،جس طرح بہترین پیداوار کے لئے پودے کی سینچائی کے ذریعوں میں سے ایک ذریعہ جسے ہم ڈراپ سسٹم کہتے ہیں۔

ادبِ اطفال کا ایک سبق ،ایک ایک کہانی ،نظم اور دیگر اصناف بچہ کے ذہن کو اشتیاق ،جستجو ،تازگی ،زندگی ،انکشاف اور جمالیات سے لبریز کر دیتا ہے۔اسے زندگی کے اُن رُموز سے آشنا کرواتا ہے جو روزمرہ یا کسی اور ذریعے سے ممکن ہی نہیں۔بچوں کے شعور وادراک اس کے روحانی واخلاقی رویّوں کو نمو دینے کا بہترین ذریعہ معیارِ ادب ہی ہے۔یہ ایک مشکل فن ہے، کیونکہ ادبِ اطفال کا تخلیق کار اگر پچاس سے ایسی (۸۰) برس کی عمر کا بھی ہوگا تو وہ چار سے پندرہ سالہ سن کی ذہنیت اور فکری بہاؤ کا سامان اکٹھا کر کے اسے ترتیب دیتا ہے،مصنوعی انداز سے خاکہ تیار نہ کر کے فطری اور بے ساختگی پن سے اس تخلیق کو جنم دیتا ہے،جس کا اس کی عمر اس کے شعور ادراک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، حالانکہ دل اس کا بچہ ہوتا ہے۔لیکن سب کا دل بچہ نہیں ہوتا ہے۔اور سب ادبِ اطفال تخلیق نہیں کر سکتے۔ یہ سب کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔ بچہ کی ذہنی وفکری ارتقاء کی رفتار کو گرفت میں لینا اور اس کے ساتھ اس کی دلچسپی اس کے ذوق اور اس کی جستجو کو برقرار رکھنا ادب اطفال کے تخلیق کار کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔

اُردو ادب میں چیلنج کو بڑے بڑے ادیبوں نے قبول تو کیا مگر کامیاب کم ہی ہوئے ہیں۔ڈاکٹر

بانوسرتاج انہیں کامیاب تخلیق کاروں کی کہکشاں کا درخشاں ستارہ ہیں جو اردو ادب اطفال کے افق پر اپنی ضیاء سے ہمارے ننھّے ستاروں کو ذہنی ،فکری ،اخلاقی اور روحانی ترقی دینے میں کوشاں ہیں اور انکی جگمگاہٹ کو اجاگر کرنے میں اپنا بیش قیمتی تعاون دے رہی ہیں۔

ڈاکٹر بانوسرتاج ہندی ،اور ،مراٹھی ،انگریزی دیگر زبان میں اپنے قلم کے ذہر بکھیرے ہیں۔ وہی وہ اُردو ادب کو بھی اپنی تخلیقات سے مالا مال کر رہی ہیں۔ بانوسرتاج نے ادب پر اب تک تقریباً پینتس (۳۵) سے ذائد کتابیں تصنیف کی ،جن میں نظمیں ،کہانیاں ،ناول ،ڈرامہ کارٹون ،سائنسی ایجادات کرنے والوں کے کرشمائی کردار ،زندگی کے مختلف شعبوں کے کامیاب ترین اشخاص کے کارنامے دلچسپ انداز میں پیش کیے ،جانباز خواتین کی کارکردگیا اور ان کے رنگ وروپ کی بہترین عکاسی ڈاکٹر بانوسرتاج کی تخلیقات کی خصوصیات ہیں۔ ان کتب میں تین چار برس کی عمر کے بچوں سے لے کر پندرہ سولہ برس تک کی عمر کے بچوں کے لئے بہترین تحریریں ہیں۔ جن سے ان کی فکری وذہنی نشوونما میں مدد ملتی ہے۔ ان کی صلاحیتوں کو پرواز ملتی ہے۔ ان کی نفسیاتی اور جسمانی قوّتوں کو حوصلے ملتے ہیں۔ ان میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ میڈیا کی چکاچوندھ سے پرے ایک ایسا جہاں ملتا ہے ،جس سے کتابوں کو پڑھنے کی طرف بچّے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ انٹرنیٹ اور ٹی وی کے اس جگمگاتے دور میں پرنٹ میڈیا اور تہذیبی ثقافتی نظام کا اہم ستو کتابیں ہیں۔ اور انہیں پڑھنے میں دلچسپی پیدا کرنا ادبِ اطفال کے تخلیق کاروں کے سامنے ایک بڑا چیلنج ہے۔ دورِ حاضر میں ڈاکٹر بانوسرتاج نے اس چیلنج کو بہ خوبی نبھایا ہے۔ اور پچھتر (۷۵) سال کی عمر کے باوجود مسلسل نبھائے جارہی ہیں بلاشبہ آپ نے اُردو ادب اطفال کو بہترین علمی سرمایہ بخشا ہے۔ وہ ایک اعلٰی فنکار ہیں۔ جنہوں نے اپنی تخلیقات میں بچوں کے ادب کی تمام فکری میلانات ،رجحانات انکی روحانی وجسمانی تربیت کے مابین ایک معلوماتی دنیا سے روبرو کرانے کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اردو ادب میں ڈاکٹر بانوسرتاج بچوں کی ادیبہ کے علاوہ ایک افسانہ نگار ،ناول نگار ،نقاد کی حیثیت سے

بھی جانی پہچانی جاتی ہیں۔اس مقالہ میں ڈاکٹر بانوسرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے اور اُردو ادب میں ان کا مقام متعین کرنے کی سعی کی گئی ہے جس کی وہ مستحق ہیں۔

میرے تحقیقی مقالہ کا موضوع بانوسرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ ہے۔اس کو چھ ابواب میں تقسیم کرکے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱....اُردو زبان میں ادبِ اطفال کی روایت

۲....بانوسرتاج کے سوانحی حالات:۔

(i) سوانحی کوائف

(ii) ادبِ اطفال اور بانوسرتاج

۳.... بانوسرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی مطالعہ:۔

i) بانوسرتاج کی افسانہ نگاری

ii) بانوسرتاج بہ حیثیت ناول نگاری

iii) بانوسرتاج کی ڈرامہ نگاری

iv) بانوسرتاج کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

v) بانوسرتاج بہ حیثیت محقق

۴.... بانوسرتاج کی دیگر کاوشات

۵.... اُردوادب میں بانو سرتاج کا مرتبہ

۶.... خلاصۂ بحث

کتابیات

۱...... پہلا باب ۔اُردو زبان میں ادبِ اطفال کی روایت کے ذیرِعنوان ہے ۔قدیم زمانہ سے لیے کر دورِ حاضر تک مرد اور خواتین بچوں کے ادب کی تخلیق کے لیے کس کس مرحلہ سے گزر کر ادبِ اطفال کی شاخوں کو مضبوت کرنے میں اپنا تعاون دیا اس کا ذکر اس ابواب میں بہ خوبی ملتا ہیں۔

آزادی کے بعد سے ادبِ اطفال کی تخلیق کا کام شروع ہونے لگا مکتوب مدرسوں میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہونے لگا۔اور آج تک یہ دور جاری ہیں ۔بچوں کے لیے نظم ڈرامے، ناول چھوٹی چھوٹی کہانیاں جسے بچے پڑھنا پسند کرتے ہیں وہی ادبِ اطفال کی نفسیات اور ان کو کیسا ادب فراہم ہو اس کا ذکر اس ابواب میں کیا جائے گا۔

۲.... باب دوم ''بانو سرتاج کے سوانحی حالات'' ہے اس کو دو ذیلی حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔پہلے حصّہ کا عنوان ''سوانحی کوائف'' ہے ۔جس کے تحت ان کی سنِ پیدائیش ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء بمقام (پانڈھرکوڈا) ضلع ایوت محل مہاراشٹرا ہے ۔پھر ان کے والد مرحوم سید شاہ محمد ابراہیم حسامی الا فاروقی فریدی (ڈپٹی کلرک ایوت محل) اور والدہ مرحومہ ڈاکٹر میمونہ خاتون شاہ میڈیکل آفسر (ایوت محل) کے سلسلۂ نسب پر روشنی ڈالی جائے گی ۔اس کے بعد ڈاکٹر بانو سرتاج کی ابتدائی تعلیم سے پی ۔ایچ ڈی کرنے تک کے حالات اور واقعات تفصیلی حقائق رقم کیے گئے ہیں مذید ان کی ادبی کاوشاتوں کا زکر بھی اس باب میں کیا جائے گا۔

دوسرے حصہّ ادبِ اطفال اور بانوسرتاج ہےاس کےتحت بانوسرتاج نے ادبِ اطفال کے لیے کیا کوششے کی اور کن کن مرحلو سے کزر کر اپنےفنِ کمال کی تکمیل کی ۔اس کا ذکر تفصیل سے کیا جائے گا۔

۳... تیسرے ابواب میں بانوسرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہیں ۔اس کو پانچ ذیلی حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(i) حصہّ اوّل:۔بانوسرتاج کی افسانہ نگاری

اردوادب میں بانوسرتاج کے چارافسانے ملتے ہیں پہلا دائروں کےقیدی،اس کے لئے ، ذراسی کمی ،اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا میزان ان افسانوں کواُردوا کادمی مہاراشٹر اانعامات سے بھی نوزاہ جاچکا ہیں ۔بانوسرتاج ادب کی دنیا میں افسانوں کے دروازے سے داخل ہوئی تھی ۔خواتین کےمسائل پران کے کہانیاں مختلف رسائل میں وقتاًفوقتاً شائع ہوتی رہی ہے۔ان کےافسانوں کے مجموعے’’ذراسی کمی‘‘اور’’اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا میزان‘ادبی دنیاں میں نشانات چھوڑے ہیں ۔ ان کی کہانیاں اگر چہ کے بیانیہ انداز کی ہوتی ہیں مگران کا مشاہدہ اور تجربہ ساتھ ہی کرداروں کی تخلیق کا جوجادوں ہے وہ قاری کے سر چڑھ کر بولتا ہے ۔کہانی کی شروعات اسی انداز سے ہوتی ہے مانو وہ آپس میں ہم کلام ہیں ۔انداز اس قدر سادہ ہے کہ لگتا ہے وہ کوئی گزرا ہوا واقعہ بیان کررہی ہوں ۔

(ii) حصہّ دوم:۔بانوسرتاج بہ حیثیت ناول نگار

ڈاکٹر بانوسرتاج نے اُردوادب کودواہم ناول دیے جوبچوں میں بھی دلچسپی کوشاداں کرتا ہیں ۔ اور بڑے بھی اس کالطف لیتے ہوئےنظر آتے ہیں ۔ناول’’جنگل میں منگل‘‘اوردوسراناول’’پکیا اور پری چھم‘‘ یہ دوناول بانوسرتاج کے کامیاب ناول ہے۔ناول’’جنگل میں منگل‘‘ کےکردار جنگل میں

رہ کر زندگی کی رنگینوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں پلاٹ کو بارہ ابواب میں تقسیم کر کے معصوم قارئین کی دلچسپی کو مفید کیا گیا ہے۔ناول کی زبان روزمرہ کی بول چال کی زبان ہے۔ جملے چھوٹے چھوٹے اور رواں دواں ہے۔مجموعی طور پر اس ناول کو میں بچوں کے ادب میں ایک قیمتی اضافہ تصور کرتی ہوں اور بچوں کا بہترین ناول کرار دیتی ہوں۔

یہی خوبی ان کے دوسرے ناول ''پکپا اور پری چھم'' میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔یہ ناول بڑے بچوں کے لئے ۲۰۱۲ میں شائع کیا گیا۔دونوہی ناول قابلِ تعریف ناول ہیں۔

(iii) حصّہ سوم:۔بانو سرتاج کی ڈرامہ نگاری

ڈاکٹر بانو سرتاج کئی زبانوں کی مستند ادیبہ ہیں۔ان کے ڈرامے میں بچوں کی تفریح اور تربیت دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔زبان آسان اور پیرایۂ بیان ایسا ہے ڈرامہ بچے مزے لے کر پڑھ سکتے ہے۔ ان کے ڈرامے دلچسپی اور افادیت سے بھر پور ہیں۔ڈرامے ''مجھے شکایت ہے'' ''وطن کے لئے'' آئی برسات آئی'' ''جب جاگے تبھی سویرا'' ''شواجی کا انعام'' وغیرہ کا جائزہ اس باب میں کیا جائے گا۔

(iv) حصّہ چہارم:۔بانو سرتاج کی نظم نگاری کا تنقید جائزہ

ڈاکٹر بانو سرتاج نے بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیوں اور نثری مضامین کے علاوہ دلچسپ ،شوخ اور چلبلی نظموں کی تخلیق پر بھی اپنی توجہ دی۔بچوں کے معیار و مزاح سے ہم آہنگ ان کی پیاری پیاری نظمیں بچوں کے رسائل وذائد میں اکثر توجہ کا باعث بنی ہے۔اپنی ان نظموں کو یکجا کر کے ''مرغے میاں کی ککڑوں کوں'' عنوان کے تحت زیر نظر مجموعہ شائع کر کے بانو سرتاج نونہال قوم وملت کی ایک اور بنیادی ضرورت کی تکمیل کا فریضہ انجام دیا ہیں۔

(v) حصہ پنجم :۔بانو سرتاج بہ حیثیت محقق

اس ابوب میں ڈاکٹر بانو سرتاج کے تحقیقی مقالہ کو پیش کران کا جائزہ لیا گیا ہیں۔ادب ایک مطالعہ''

اُردو شاعر ی اور قومی یکجہتی ،'مآل' 'ہندوستان میں جنگِ آزادی میں خواتین (تاریخ)''ہندوستان کی جنگِ آزادی میں مسلم خواتین (تاریخ)''ہندوستان کی ۱۴۱ اوّل خواتین (مختلف شعبہ حیات میں) حالانکہ یہ تصنیف تاریخی ہے مگر جس کاوش کا مظاہرہ کر کے موصف نے دنیا کی اہم اور بڑی خواتینوں کا احاطہ کیا ہے۔وہ کوئی عام ادب نواز نہیں کر سکتا بلکہ یہ کام کوئی محقق ہی کر سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کو موصف کی تحقیقی کتابوں کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔

(۴)ابواب چہارم......''بانو سرتاج کی دیگر کاوشات'' ہے اس باب میں بانو سرتاج کی ان تمام تصانیف کا جائزہ لیا گیا ہے جو ادب میں ادبِ اطفال کو اہم معلومات فراہم کرتی ہیں جسے بچہ کچھ اچھی اچھی معلومات کو حاصل کر اپنی زندگی کو بہتر بنا سکے۔مثلاً بچوں کے لیے لوک کہانیاں ایک کی گیارہ ،دو کی بارہ ،تین کی تیرا کہانیاں ،چار کی چودہ کہانیاں ،تیرا ممنوں ہوں ،خطرے کا الا رام،ممیّ نابولی بچوں کے لیے کہانیاں ،بڑا مزا اس ملاپ میں ہے! کہانی میں کہانی پیڑوں کی کہانی (ماحولیات)وغیرہ تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا ۔

(۵)ابواب پنجم :۔اُردو ادب میں بانو سرتاج کا مرتبہ''اس عنوان کے تحت بانو سرتاج کی اُردو ادب میں ایک اہم مقام متیین کرنے کی سعی کی گئی ہیں۔ڈاکٹر صاحبہ نے چھوٹے بچوں سے لے کر بڑے بچوں تک کے ادب کو ان کی زندگی کی جستجو کو اپنی صنف میں جگہ دی اور ادب کو ایک بڑا خزانہ عطا کیا۔اور ادب کے ذریعے ایک پیغام دیا کی عورتوں کو آزادی نہیں بلکہ آزادی کے نام پر دھکا ملا ہے اور مل رہا ہے۔وہ ایک ایسی ادیب ہیں۔جنھوں نے اپنی تخلیقات سے بچوں کے ادب کی تمام

فکری وذہنی باریکیوں کا خیال رکھ کران کی نفسیات ان کی معصومیت ان کے میلانات رجحانات ان کی روحانی وجسمانی تربیت کے مابین ایک معلومات دنیاں سے روبروکرانے کا پوراپورا خیال رکھا۔

اس طرح بانوسرتاج نے ادب کی جوخدمات کی اسے کوئی فراہم نہیں کرسکتا۔ڈاکٹر بانوسرتاج اُردوادب کا وہ ستارہ ہے جوادبِ اطفال کی تخلیق کے بائث ہمیشہ چمکتی رہے گی۔ جہاں ادبِ اطفال کا ذکر ہوگا وہاں بانوسرتاج کا نام سرِفہرست ہوگا۔

٦) ابواب ششم بعنوان خالاصۂ بحث پر مشتمل ہے جس میں پورے مقالے کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اس کا نچوڑ پیش کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالہ کا بے حساب شکرادا کرتی ہوں جس کے فضل وکرم سے میں اس لائق ہوئی۔ بعد اپنے مشفق استاد ڈاکٹر ثروت النساء خان صاحبہ کی بے حد ممنوں ہوں جن کی رہنمائی کے بغیر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہچانہ غالباً میرے لیے ممکن نہ تھا۔میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ڈاکٹر ثروت النساء خان لکچر شعبۂ اردو گورنمنٹ میراگرلس کالج اودے پور سے جیسی استاد اورنگراں میّسر ہوئی۔انہوں نے کسی بھی مرحلے پر میری ہمت کوٹوٹنے نہیں دیا۔ڈاکٹر صاحبہ زبان وادب پر جس قدر مکمل عبور رکھتی ہیں اس بات سے سبھی واقف ہیں۔مگر آپ اپنے شاگردوں سے برابری کی سطح پر ایک دوستانہ تعلق بھی استوار کرنے میں دیر نہیں کرتی ڈاکٹر صاحبہ کی بےلوث محبت اور شفقت کے اسی رشتے میں یہ مقالہ مکمل کیا جا سکتا تھا۔ورنہ شاید ابھی تک میں کہیں راستے کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہی ہوتی۔اس ضمن میں ڈاکٹر بانوسرتاج کا بھی تحہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے میری قدم قدم پر مدد کی۔ انہوں نے مجھے کتابیں فراہم کی جس سے میں دستیاب ہوں سکوں اور میری تحقیق کے لیے یہ کتابیں کافی مددگار ثابت ہوئی۔ان سے میری فون کے ذریعے بات چیت ہوتی رہی جہاں جہاں مجھے مشکلات پیش ہوئی وہاں پر میری رہنمائی کی۔اورخط کے

زریعے بھی میری حوصلہ افزائی کی۔

مجھے خوشی ہے کی میں نے ڈاکٹر بانو سرتاج کی ادب سے بھری زندگی کو جانہ پہچانہ اور اپنی تحقیق کا موضوع بنایہ اور ان تمام حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے میرے تحقیقی مقالہ میں میری مدد کی اور حوصلہ افزائی کی۔

گلشن پنچارہ

باب اول

اردو زبان میں ادب اطفال کی روایت

اردو زبان میں ادب اطفال کی روایت

دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اردو ادبِ اطفال کی روایت بھی ان درسی کتب کی شکل میں ملتی ہے یہ کتب بچوں کی تعلیم وتربیت کی ضرویات کے پیش نظر لکھی گئیں تھیں۔ جس کی تعلیم انہیں گھر یا مدرسوں میں دی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کے درمیان ہندوستان میں تعلیم وتربیت کا واحد وسیلہ مدرسے ہی تھے۔ ہندوستان میں اس سے قبل تعلیم کا تصّور امراء، حکمراں طبقہ اوران کی پیروی کرنے والے متوسط طبقہ تک ہی محدود تھا۔

عوام کی غالب اکثریت پس ماندہ اور جاہل تھی۔ حکمراں اوراعلیٰ طبقہ نیزان کے ہم نوا متوسّطہ طبقے کے شرفاء اپنے گردو پیش کی اکثریت کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے تھے، ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل سماجی نظام کچھ ایسا تھا کہ عوام کے بچوں کی تعلیم کی ضرورت کا احساس حکمراں طبقہ کو قطعی نہیں تھا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں پر فارسی اورعربی کے اثرات پڑنے لگے۔ نو واردقوم ہندوستان کی مقامی زبانوں مثلاً سنسکرت اور پالی سے نا آشنا تھی۔ فاتح اور مفتوح قوموں کے باہمی ارتباط کے نتیجے میں عربی، فارسی، سنسکرت، پالی اور ہندوستانوں کی دیگیر زبانوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اثرات قبول کئے اورایک نئ زبان وجود میں آئی جس کو ابتدا میں ''ہندوی'' اور ''ہندوستانی'' نام دیا گیا۔ بتدریج ارتقاء پزیر ہوتے ہوئے یہ زبان آگے چل کر ''اُردو'' کہلائی۔

اُردو کی درسی کتب کی تاریخ میں 'ابوالنصر فراہی' کی تصنیف ''نصاب الصبیان'' کا نام سر فہرست ہے۔ ''نصاب الصبیان'' سے کچھ پہلے مذہبی رسائل اور حکایت رائج تھیں۔ اس ضمن میں مولانہ مجوہ صدقی لکھتے ہیں۔ ''غالباً گزشتہ صدی کے آخر میں بچّوں کو پڑھانے کے لئے چھوٹی اور

آسان زبان میں کتابیں لکھنے کی ضرورت کا احساس ہوا۔اس سے پہلے فارسی زبان میں کتابیں کبھی کبھی اس مقصد سے لکھی جاتی تھی کی ان میں ہی ایک صنف نصاب کہلاتی تھی ۔نصاب کے معنی تھے۔نظم میں چھوٹی سی لغت کی کتاب جس سے دوسری زبان سیکھنے میں آسانی ہواور شعر کی وجہ سے الفاظ کے معنی جلد یاد ہو جائیں۔اس قسم کی قدیم کتابوں میں ابوانصر فراہی کی کتاب ''نصاب الصبیان'' بہت مشہور ہے اور عرصہ تک رائج رہی ہے۔اس میں عربی کے الفاظ فارسی اشعار میں بتائے گئے ہیں۔'' [۱]

اردو کی پہلی درسی کتاب حضرت امیر خسرو کی خلق باری (۱۳۲۵ھ۔۱۲۵۳ھ) کو مانا جاتا ہے۔

''خالق باری'' بھی دراصل ایک مختصر لغت ہے جو نظم کی ہیئت میں ہے۔اور اس نظم میں مختلف اجراءمختلف ''خلق باری'' کو بچّوں کی پہلی درسی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

''خالق باری'' کی تقلید اسی میں اسی اسلوب و پیرائے پر بچوں کے لیے بہت سی نصابی کتب ترتیب دی گئیں۔ایسی کتابوں میں عبّاس رفعت بھوپالی کا ''عباس نامہ'' اور عبدالصمد بیدل کی ''حمد باری'' قابلِ ذکر ہیں۔اٹھارویں صدی عیسوی میں فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا۔ یہ کالج ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کو ہندوستانی زبانیں سکھانے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔فارسی اور عربی کی کتابوں کے اردو تراجم کروائے گئے۔اور نصابی کتب کی کامیابی کو کسی حد تک حل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اردو کی درسی کتب میں مرزا اسداللہ غالبؔ کا نام بھی لائقِ ذکر ہے، غالبؔ کا ''قادر نامہ'' اردو کی درسی کتب میں اہمیت کا حامل ہے۔''قادر نامہ'' امیر خسرو کے ''خلق باری'' کی طرز پر لکھی گئی ہے۔اس کی سب سے بڑی خوبی اس کا دل نشین اسلوب ہے یہ کتاب مثنوی کی صورت میں بحرِ رمل مسدّس میں ہے ''قدر نامہ'' مرزا غالبؔ نے اپنے بھتیجے زین العابدین عارف کے بیٹوں باقر علی اور

حسین علی کی درسی ضروریات کے پیش نظر لکھی تھی۔غالب کے''قادر نامہ'' کی طرز پر سر غلام علی فروغی نے قادر نامہ فروغی تیار کیا۔فروغی کو بچّوں کی درسی کتب لکھنے پر ملکہ حاصل تھا۔۱۸۵۷ء کی ناکامی جنگِ آزادی نے ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو استحکام بخشا۔اور ہمارا ملک براہِ راست حکمتِ برطانیہ کے زیرِ نگیں آ گیا اس زمانے میں انگریزوں کے زیرِ اثر ادب نَو کی تشکیل کا روجھان پیدا ہوا۔اس روجھان نے ہندوستان کی تمام زبانوں کے ادب پر مثبت اثرات مرتسم کیے۔۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہزار سالہ تہذیبی،فکری،علمی اور معاشرتی اقدار کا پورا عمل ریت کی دیوار ثابت ہوا۔

انگریزوں کے زیرِ اثر فروغ پائی جانے والی نئی روشنی سے استفادہ کرنے والوں نے پہلی بار بچّوں کی تعلیم وتربیت اور مستقبل میں ان کے کردار کی اہمیت کو محسوس کیا۔اور سر سیّد احمد خاں،محمد حسین آزاد،خواجہ الطاف حسین حالؔی،ڈپٹی نزیر احمد،شبلی نعمانی اور مولوی ذکاءاللہ وغیرہ نے اردو میں مختلف اصناف اور موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ان حضرات نے بچّوں کی درسی کتب کی طرف سنجیدگی سے توجہ کی۔ڈائریکٹر سرشتہ تعلیم کرنل ہالرائیڈ کی فرمائش پر محمد حسین آزاد نے بچّوں کے لیے درسی کتب مرتّب کی اور ان میں اضافہ کرنے کی غرض سے خود نے بھی بہت سی نظمیں اور نثری مضامین لکھے۔

آزاد کی مرتّب کردہ ریڈریں بچوں کی اخلاقی تربیت اور درس وتدریس کے مطالبات پورے کرنے کے ساتھ انھیں مادری زبان کی تعلیم دینے میں بے حد معاون ثابت ہوئی۔بچوں کے لیے درسی کتب ترتیب دیتے وقت محمد حسین آزاد کے ذہن میں یہ احساس موجود تھا کہ بچوں کے لیے ہلکی پھلکی شیریں زبان ہی نہیں بلکہ ایسے موضوعات بھی درکار ہیں جو اطراف کے ماحول کی ترجمانی کرتے ہوں۔اور بچّے اپنے وقت کے جانوروں،پودوں،درختوں اور ماحول سے اچھّی طرح واقف ہو سکیں۔یہی وجہ ہے کہ آزادؔ نے بچّوں کی درسی کتب میں خاکوں اور تصاویر کی شمولیت بھی

ضروری سمجھی۔ آزاد نے اس ضمن میں لاہور آرٹس کالج کے پرنسپل 'جان لاک وُڈ' سے بھی استفادہ کیا۔اس طرح محمد حیسن آزاؔد نے درسی کتب کو جدید تقاضوں کے مطابق منظّم کرنے کا ابتدائی معرکہ سر کیا۔

''ڈاکٹر اسلم فرخی اور اسد ادیب محمد حسین آزاد کو بچّوں کی درسی کتب کا بانی قرار دیتے ہیں۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ مولانہ محمد حسین آزاد سے بیشتر کئی دوسرے مصنفین نے درسی کتب مرّتب کیں۔ مثلاً قاسم بیگ کی ''تعلیم الا طفال'' (مطبوعہ ۱۸۵۶ء) اور ڈاکٹر واآکر پنڈت جے شنکر اور پنڈت مکّن لال کی مرتبہ: اُردو کی پہلی کتاب'' (مطبوعہ ۱۸۶۱ء) آزاد کی ریڈروں سے پہلے آ چکی تھیں۔ جبکہ آغا سلمان باقر کے بقول محمد حسین آزاد کی ریڈیں ۱۸۲۸ میں قلمبند کی گئی تھیں۔

اُردو کی ابتدائی درسی کتب کی ترتیب وتدوین کا فریضہ انجام دینے والوں میں منشی پیارے لال آشوب کا نام لائق ذکر ہے۔ جنھوں نے محکمہء تعلیم کے ڈائریکٹر جنرل کرنل ہالرائڈ کی فرمائش پر اُردو کی تیسری کتاب اور اُردو کی چوتھی کتاب مرتّب کیں۔ ''بقول ڈاکر حسن اختر'': ۔شروع میں مولانا کی طرح پیارے لال آشوؔب کی کتابوں پر ان کا نام نہ چھپتا تھا بعد ان کا نام شائع ہونے لگا [۲]

پیارے لال آشوؔب نے یہ کتب ۱۸۷۰ء کے آس پاس تیاّر کیں۔ سر سیدّ کے ادبی رفقاء میں ڈپٹی نزیر احمد نے ''خالق باری'' کی طرز پر ''نصابِ خرو لکھی یہ ۲۸ صفحات کی ایک نظم ہے جس میں عربی فارسی کے زیادہ استعمال ہونے والے الفاظ یاد کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولوی ذکاء اللہ نے اپنے قلم کو بچوّں کی درسی کتب کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اردو کے ساتھ ساتھ موصوف نے سائنس، سماجی علوم، معاشیات جیسے کئی مضامین پر مشتمل کتابیں انگریزی سے بچوں کے لیے اردو میں منتقل کیں۔

رام نابو سکسینہ لکھتے ہیں۔ ''ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، ادب، اخلاق، طبیعیات، سیاست وغیرہ

مطبوعہ کتابوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوگی۔ تصانیف کیفیت یہ ہے کہ زیادہ تر اسکولوں کے طلباء کے لیے لکھی گئی ہیں۔ [۳]

اردو کی درسی کتب میں اسماعیل میرٹھی کا نام آج بھی نہایت عزّت واحترام کا حامل ہے۔اسماعیل میرٹھی نے سرشتہ تعلیم مما لک متحدہ آگرہ،اودھ اور صوبہ جات بہار دواڑیسہ کی تجویز پر اردو زبان کا پہلا قاعدہ مرتّب کیا جو بہت مقبول ہوا۔۱۹۵۸ء تک اس کے ۱۱۲۵ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ بعدازاں اس سلسلے کی پانچ اور کتابیں ''اردو کی پہلی کتاب تا اردو کی پانچویں کتاب منظرِ عام پر آئیں۔ان میں سے'' اُردو زبان کا قاعدہ'' اور اُردو کی پہلی کتاب پہلی بار ۱۸۹۲ء سے تیاّر ہوئی تھیں،ان کی بقیہ چاروں کتابوں کی تصانیف اشاعت ۸۱۹۲ ء سے ۱۸۹۴ ء کے درعمل میں آئی ۔اسماعیل میرٹھی کی ان کتابوں کے بارے میں کسری منہاس رقم طراز ہیں۔''برصغیر میں اردو کی بہترین درسی کتابیں وہ ہیں جو اسماعیل میرٹھی نے بچوں کیلئے مرتب کیں۔اسماعیل میرٹھی نے اتنا ہی نہیں کیا کہ موزوں انتخابات بچّوں کی عمر کے لحاظ سے مرتّب کردیا۔ بلکہ انھوں نے محسوس کیا کہ اردو زبان میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ مختلف عمر کے بچوں کے لیے موزوں نظمیں موجود نہیں۔اس کمی کو خود انھوں نے پورا کیا۔ [۴]

۱۹۳۰ءاس میں انجمن حمایتِ اسلام لاہور، دارالاشاعت لاہور اور میز گلاب سنگھ لاہور نے اردو کی درسی کتب میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔انجمن حمایتِ اسلام لاہور اردو کی درسی کتب میں خاطر حواہ اضافہ کیا۔انجمن حیاتِ اسلام لاہور اردو کی درسی کتب میں سب سے زیادہ مقبول رہی۔مگر اس ادارے سے شائع ہونے والی یہ درسی کتب زیادہ تر ایک فرقے کے بچّوں کے لیے تھیں اس کے باوجود ان کتب سے درسی کتب کی تاریخ کے نئے باب کُھلتے ہیں۔انجمن حمایتِ اسلام کی شائع کردہ کتب کے بعد لاتعداد درسی کتب منظرِ عام پر آئیں۔۱۹۲۸ء میں دریہ عثمانیہ حیدرآباد نے بھی بچّوں کے لئے درسی کتب پیش کیں بعدازاں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بہت سے ناشرین کتب

نے اردو کی درسی کتب تیاّر کیں ۔اردو کی درسی کتب کی ترتیب وتدوین میں آزادیِ ہند سے قبل مکتبہ جامیہ نئی دہلی ،احباب پلبشر ز لکھنوں اراراہ فروغِ اردو لکھنوَ،رام نرائن لال بینی مادھوَ الہ آباداور انڈین پریس الہ آباد کے نام لائقِ ذکر ہیں۔منشی نول کشور لکھنوَ کا نام بھی اردو کی درسی کتب میں قابلِ ذکر ہے۔اس ادارے نے اردو کی درسی کتب اوران کتب کے لیے مواد فراہم کروانے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔تقسیمِ ہند نے ملک کو دوحصّوں میں بانٹ دیا جس کے نتیجے میں فیروزسنز لاہور، تاج کمپنی لاہور،شیخ غلام علی بُک ڈپو،لاہور اوردارالاشاعت لاہور جیسے ادارے جو بچوں کی درسی کتب کی ترویج واشاعت میں پیش پیش تھے' پاکستان کے ہوکررہ گئے۔زبان وادب فرقہ واریت کی بھیٹ چڑھ گئے۔،ہندوستان کو جدید مسائل کا سامانا کرنا پڑا۔۱۹۴۷ء میں ہندوستان مسلمان فرقہ واریت اس قدر بڑھی کہ دونوں قوموں کے درمیان ایک بڑا خلیج پیدا ہوگیا۔

رہنمایانِ ملک وقوم کے سامنے ہندوستان میں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ اتحاد کو بحال کرنے کا مسلہ کھڑا ہوگیا۔اس مقصد کے لئے درسی کتب میں قومی یکجہتی ،مساوات ،انسان دوستی اور حبّ الوطنی جیسے موضوعات پر زوردیا گیا اس اہم فریضے کو انجام دینے میں جامیہ ملّیہ اسلامیہ نئی دہلی کے اہلِ قلم جوخود بھی معلّم تھے پیش پیش رہے۔

انھوں نے اعلیٰ معیاری کتب تیاّر کیں۔جامعہ ملیہ اسلامیہ کی مرتّب کردہ یہ کتب ۴۰ برس گزر جانے کے بعد بھی اپنی نظر آپ ہیں۔ان کتب نے زبان وادب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچہ کی کردار سازی میں نمایاں رول ادا کیا۔ان کتب میں بچّوں کی ذہنی استعداد اور نفسیات کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

سرکاری سطح کے علاوہ نجی پلبشر ز نے اردو کی درسی کتب کی تربیت اوراشاعت میں اہم رول ادا کیا ہے۔پرائمری درجات سے ثانوی درجات تک اردو کی درسی کتب شائع کرنے والوں میں ادارہ

فروغِ اردولکھنؤ ،سری رام مہرہ، آگرہ،ایجوکیشنل بُک ہاوس،علی گڑھ،ادارہ بزمِ خضرِ راہ نئی دہلی،نہرو چلڈرن اکیڈمی نئی دہلی جُگل کشور اینڈ سن، دہرہ دون وغیرہ کے نام اہم ہیں۔صوبائی اردو اکادمیوں نے ماہرین تعلیم شعراءاورادباء کے تعاون سے درسی کتب تیاّر کروائیں۔اتر پردیش اردو اکادمی، مدھیہ پردیش اردو اکادمی، کے نام اس ضمن میں خصوصیت کے حامل ہیں۔اردو کی درسی کتب کی ترتیب وتدوتن میں این۔سی۔ای۔آر۔ٹی کا نام اہمیت کا حامل ہے۔اس ادرارے نے ماہرین تعلیم اوراساتزہ کے تعاون سے ''اردو کی پہلی کتاب''موسوم''اردو کی نئی کتاب'' مرتّبکرا کر شائع کیں۔ یہ کتب کسی بھی سرکاری ادارے سے شایع ہونے والی اردو درسی کتب میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔این۔سی۔ای۔آر۔ٹی سے شائع ہونے والی یہ تمام کتب جہاں زبان وادب کی تدریس کا کام انجام دیتی ہیں جوبچّوں میں جدید رجحانات کوفروغ دیتی ہیں نیز ہندوستان کے قومی تقاضوں کوبھی پورا کرتی ہیں۔اردو کی درسی کتب کا یہ موضوعیجا ئزہ اس خوش گوارحیثیت سے روشناس کراتا ہے کہ اردو کی درسی کتب موضوع،اسلوب،زبان ہراعتبار سے نہ صرف معیاری رہیں، بلکہ اردوزبان وادب میں ادبِ اطفال کی روایت کوقائم ودائم رکھنے کے باہم ادبِ اطفال میں جدید رجحانات کی نشوونُما اوران کی کردارسازی میں معاون بھی ثابت ہوئی ہیں۔

ان کتب میں جوزبانی اورتحریری مشق درج کی گئی ہیں وہ بچوں کی نفسیات اورذہنی رجحانات کے پیشِ نظر ہیں جوادبِ اطفال میں عمل کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔اس مستحکم روایت کے باوجوددرسی کتب کی صورتِ حال اطمنان بخش نہیں ہے۔کیونکہ درسی کتب کے معاملات میں سیاست کا اثر انداز ہونا مایوس کن بھی ہےاوربچوں کی ذہنی ونفسیاتی تربیت کے لئے نقصان دہ بھی۔اردو کی یہ درسی کتب نہ توبچّوں پرخوش گواراثر ڈالتی نظرآتی ہیں۔اورنہ ہی منفی اثرات کااحساس ہوتا ہے۔موضوعات کی بھرمار،ادبی عصمت کی شکاریہ کتابیں بچوں کوذہنی کشاکش،فکری اُلجھن اورنفسیات کی گتھیوں میں الجھانے کا کام زیادہ کررہی ہیں۔ثانودرجات میں توزبان وادب کی تعلیم کے مقاصد بھی پورے نہیں

ہورہے۔جدید موضوعات،نظریات اور خیالات سے کتابیں عاری نظر آتی ہیں۔درسی کتب تعلیم میں سب سے اہم رول ادا کرتی ہیں۔یہ جہاں بچوں کو تعلیم دیتی ہیں۔وہیں ملک وقوم کے لیے نوجوانو ں کی شخصیت اور سیرت کی تعمیر بھی کرتی ہیں۔ان کتابوں کے ذریعہ بچّوں میں الوطنی ، مساوات ،انسان دوستی ،اور بھائی چارے کے جزبے کو اُبھارا جا سکتا ہے۔یہ کتابیں قومی یک جہتی برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔اردوادب نے ہمیشہ ان نظریات کو فروغ دیا ہے۔اردو نے ہمیشہ درسی ،حب الوطنی اور اتحاد بنائے رکھنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔دراصل اردوخود ہی اتحاد کی زبان ہے اور یہ خوبیاں اردو کی درسی کتب میں فطری طور پر شامل ہیں۔ابتدائی درجات میں بچّے کو صرف زبان سکھائی جاتی ہے۔ادب سے کوئی تعلق نہیں ثانوی درجات میں بچہ ادب سے واقف ہوتا ہے۔ اورآزادانہ طور پر مطالعہ کرتا ہے۔بچہ وہ چیز پڑھنا چاہتا ہے جو اس کو پسند ہے۔بچہ کی عمر بڑے نازک دور سے گزرتی ہے۔اس نازک دور میں ہی اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔جو نظریات ، خیالات ،احساسات اس عمر میں فروغ پاتے ہیں وہ تاحیات رہتے ہیں۔جہاں تک اردو کی درسی کتب میں حبّ الوطنی کے جزبہ کو اُبھارنے کا معاملہ ہے اردو کی درسی کتب ہندوستان کی دیگر کتب کے مقابلے میں سب سے بہتر ثابت ہوئی ہیں۔ابتدائی درجات کی درسی کتب میں سب سے پہلے حمد دعا یا کوئی حب الوطنی کی نظم ہوتی ہے۔یہ روایت ابتدا سے ہی چلی آرہی ہے۔اردو کے مصنفین اور شعرءنے ہمیشہ اس روایت کو برقرار رکھا ہے۔عام طور پر کتب کے مرتّبین نے اردو کے مشہور شعراء اور ادباء کی تخلیقات کا انتخاب کیا ہے۔ان کتب کی ترتیب وتدوین کے وقت اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ ہم ان نظریات کے فروغ کے لیے ان اسباق کا انتخاب کررہے ہیں۔حب الوطنی ،قومی یک جہتی اور انسان دوستی کے نظریات تو فطری طور پر اردو کی ان درسی کتب میں شامل ہوتے آئے ہیں ۔درصل درسی کتب ہی ادبِ اطفال کی ابتدائی کاوشات کا ثمر ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ ادبِ اطفال کی نویف کیا ہے؟ اردو زبان وادب میں ادب اطفال کی نوعیت کس قسم ہے؟ادبِ اطفال کسے کہتے ہے؟ یہ ہے کیا؟ اس ضمن میں عالموں دانشوروں ،فلاسفروں ،ادبِ اطفال کے تنقید نگاروں

،ماہرینِ نفسیات ،سب نے الگ الگ طرح سے ادبِ اطفال کی تعریف اور وضاحت کی ہے۔ ''عبداللہ ولی بخش قادری اس تعلق سے فرماتے ہیں'' بچوں کے ادب کا اطلاق صرف ان کتابوں اورتحریروں پرنہیں ہوتا جو خاص طور پر بچوں کے یےمعرض وجود میں آئیں بلکہ ان میں وہ تمام کتابیں شامل ہیں جو کہ بچوں کے لیے موزوں قرار پاتی ہیں۔اوراپنے اندرادبی شان رکھتی ہیں۔'' ۵؎

شفیع الدین نیر کا بچوں کے ادب کے بارے میں کہنا ہے'' بچوں کے ادب سے مرادنظم ونثر کا وہ ذخیرہ ہے جو خاص طور پر بچوں کے لیےلکھا گیاہو یا اپنی مقصدیت اورافادیت کے اعتبار سے بچوں کے موزوں ہو یایوں سمجھے کہ جوادب چار پانچ سال کی عمر سے تیرہ چودہ برس تک کے بچوں لیے مخصوص ہوا ہو،ہم بچوں کے ادب سےتعبیر کر سکتے ہیں۔ان تحریروں میں خیال کی رفعت، جزبے کی صداقت ،زبان کی لطافت اور بیان کا حسن شامل ہوتا ہے۔''مختصر اً کہاجاسکتا ہے کہ وہ ادب جو بچوّں میں تجسّس ،فکراورعمل کوفروغ دے کر زندگی کے حقائق کوسمجھنے میں مددگار رہوتا ہے بچوں میں محبت ،انسانیت، بےغرض خدمت ،قومیت وغیرہ جذبات پیدا کرتا ہے،مشکلات اورآفات سےلڑنا سکھاتا ہے وہ ادبِ اطفال ہے۔نصابی کتابوں کے خشک اسباق کے خلاف جوادب دلچپ طریقے سےعلم مہیا کراتا ہےنصابی کتب کےعلاوہ رسائل اور کتابیں پڑھنے کے لیے راغب کرتا ہے۔بچوں کوتفریح مہیا کراتا ہے وہ ادبِ اطفال ہے۔''عبدالقوی دسنوی نے علامہ اقبال کے بچوں کے لیے لکھے گئے ادب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے''وہ (علامہ اقبال) بچّے کے ذہن کی تعمیر اس طرح کرنا چاہتے تھے جس سے وہ ایسا انسان بن سکے جو صداقت شعار ہو،حریت پسند ہو، ہمدردمجسم ہو، غرور وتکبر کی لعنت سے پاک ہو،محسن شناس ہو،خدمت گزار ہو،غریبوں کا مددگار رہو، کمزروں کا حامی ہو،وطن پرست ہو،انسان دوست ہو برائیوں سے پاک ہواور پیکرعمل ہو۔ ٦؎

اردو میں ادبِ اطفال اورنفسیات اطفال کا باہمی رشتہ:۔آزادی کے بعدراج گوپال آچاریہ

نے (۱۹۵۱ء) میں ایک خطہ میں پنڈت نہرو کو لکھا تھا ''ملک آزاد ہو چکا ہے، بہتر ہے کہ اب آپ ایک کونے میں بیٹھ کر ادبِ اطفال کے تخلیق کریں''۔

بچے کی شخصیت کا اس کی پیدائش کے قبل سے بلوغت کے ابتدائی عرصے تک کا سائینسی مطالعہ نفسیاتِ اطفال لے تحت آتا ہے۔نفسیاتِ اطفال انفرادی نشو ونما کے مطالعے سے تعلق رکھتی ہے ۔زمانہ حمل سے سنِ بلوغت تک کے نشو ونما کے مرحل کا مطالعہ بچوں کی مفسیات ہے۔''ادبِ اطفال اورنفسیات اطفال کے تعلّق سے ''شری سے ۔را۔یاتری'' کہتے ہیں ادبِ اطفال کی تخلیق آسان نہیں ہے کیوں کہ بچوں کی نفسیات میں تجسس اور تحریر کا بڑا دخل ہے۔ان کے عالم تجس اور قوتِ متخیّلہ کو بیان کرنا ہر ایک کے بوتے کی بات نہیں۔۔بچّوں کے یے لکھنا ایک بڑا چیلنج ہے۔جس نے ادبِ اطفال کی تخلیق کرلی سمجھ لو اس نے ادب کی تمام اصناف پر مہارت حاصل کرلی ہے۔

اس طرح ہم کہ سکتے ہیں کہ بچوں کی جسمانی اور ذہنی عمر،شخصیت انفرادیت ،دلچسپی ، خواہشات،تحیرّ خانۂ ادراک اکتسابی صلاحیت اور شخصیت کے مکمل فروغ کو دھیان میں رکھتے ہوئے جوادب تخلیق کیا جاتا ہے وہی اچھا ادبِ اطفال ہوتا ہے۔

اردوزبان میں ادبِ اطفال کی روایت:۔حکمت اور پیش کش۔ابتدائی میں ہی چند متفق علیہ نِکات پر گفتگو ہو جائے تو بہتر۔جسے بچّے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں، بچّے ملک وقوم کی بیش قیمت امانت ہوتے ہیں۔بچّے ملک وقوم کی آئندہ نسل کے بنیادی ستون ہوتے ہیں۔آج کے بچے کل کے رہونما اور رہبر ہوتے ہیں۔بچّوں کی مناسب،موزوں،مطلوبہ نگہداشت والدین اور سر پر ستوں پر لازم ہے۔وغیرہ اولاد کی تعلیم وتربیت،ان کی ذہنی نشو ونما اور تعلیم وعلمی ترقی کے لیے قران کریم،احادیث صحی اور اقوال کے حوالے سے والدین سر پرستوں اور اساتذہ کو ان کے فرئض اور ذمہ داری یوں کا احساس دلایا جاتا ہے اور ان کی ادا یگی اور تکمل کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔بچّوں

کے ادب کی اہمیت اور افادیت کے تئیں ہمارے بزرگ ادیب ،کن مضامین کی تعلیم دی جائے ، انہیں کس نوع کی تربیت اور نگہداشت کی ضرورت ہے،اس کا کتنا خیال رکھتے تھے؟اس کے لئے زمانہ قدیم کے استادوشاگردوں کے رشتے اور مدرسہ اورمکتب کی اہمیت پرایک طائدانہ نظرڈالی جائے تو یہ واقفیت حاصل ہوتی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں گروکل میں گروکی سرپرستی میں تعلیم دی جاتی تھی والدین دور دراز کا سفر کر کے کم عمر بچّوں کواستاد کے حوالے کر جاتے تھے۔اس تاریخی پس منظر میں مدرسوں،مکتبوں جامعات کا تصوّر کیجئے جہاں عربی کے ساتھ اردو،فارسی زبانوں کے زریعہ تعلیم میں اس نظام کو برقرار رکھا گیا۔فارسی کی گلستاں ،بوستاں اورآمدنامہ،قاسم نامہ کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے؟ یہ کتابیں جوبچّوں کومکتب ومدارس اور گھروں پراتالیق،سرپرست اوراساتذہ لازمی طور پرختم کراتے تھے۔بے حد محنت ومشقت کا کام تھا۔اورمحنت ومشقت کاصبرآزمایہ طویل دور بچّے ان مدرسوں مکتبوں میں گزارتے تھے حالانکہ نفسیاتی خطوط پرمتوازن شخصیت کی نشوونما کا تصوّر بعد کی بات ہےلیکن فکری طور پرمتوازن شخصیات کی تعمیر کے مقصد کے پیش نظران مدرسوں نے گذشتہ ادوار میں بڑی بڑی شخصیتوں کوجنم دیا۔مولوی محمداسمٰعیل میرٹھی،شفیع الدین نیّر وغیرہ کی اس سمت میں خدمات کونظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ بعد کے دور میں جب مختلف عمر اور درجات کے لئے نصابات کی باقاعدہ تدوین کا کام مرحلہ درپیش ہواتو اساتذہ کی تصنیفات میں سے عرق ریزی کے بعد انتخاب عمل میں آیاایک مدّت تک یہی نصابی کتب باخلوص زبان کی نصابی کتب ہمارےاسکولی نظام کا جزولانیفک رہیں۔

افسانہ،ڈرامہ،ناول کی اصناف میں شاگردی،سرپرستی نگہداشت کا واضح تصوّرروایت نہ بھی ہوتو۔استاداورشاگردوں کے حلقہ کی نہایت مستحکم روایت ہمارے سامنے شاعری میں آتی ہے جہاں باقدعدہ طور پرنوجوان زانوئے شاگردی تہہ کر کے اساتزہ کے ساتھ بیٹھتے تھے اور پھر اصلاحِ زبان اوراصلاحِ کلام کا طویل دورشروع ہوتا تھا۔کم وبیش انہیں نکات کے محورومرکز کے اطراف بچّوں کے

ادب یا ادبِ اطفال پر نشتوں ،محفلوں ،سیمناروں میں گفتگو اور بحث ہوتی ہے ۔پڑھے لکھے ،تعلیم یافتہ ،ماہرین تعلیم انہیں باتوں کا اعارہ کرکے ،انہیں کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں ۔لیکن کبھی کبھی یہ گفتگوں کچھ زیادہ ہی dealisti اور مثالیت پسندی کی ہوجاتی ہے؟اس کے علاوہ جس پر غور کرنا لازمی ہے... بچّوں کے لئے کچھ تحریری مقابلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔بچوں کے رسائل کے مدیران باقاعدگی سے ماہنامون اور periodicals کا اہتمام کرتے ہیں ۔کچھ کتابیں چھاپ کر ،کچھ رسائل کو پابندی سے جاری رکھ کر اور کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں بچوں کے لیے چھاپ کر اطمینان کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ہم اپنے فرائض سے عہدہ برہو گئے اور یہ ہم ادب اطفال کی جانب منسوجہ ہیں ، سنجیدہ ہیں ،بچوں کے ادب پر گفتگو ، بحث رائے مشورہ ،تجاویز لائحہ عمل ،مساعی اور جدوجہد کے خاکے یا منصوبے پیش کیا جانا معمولات میں شامل ہو گیا ہے ۔ایسا نہیں ہے کہ ان مساعی ،سرگرمیوں اور اقدامات میں اخلاص ، نیک نیّتی کی کمی یا فقدان ہے ، جوش وجزبہ کی کمی ہے ہرگز نہیں !لیکن جو بات میرے مطالعہ میں آئی ہے وہ ہے حکمت اور اسلوب کا فقدان ۔سارے اقدامات ومساعی حکمت کے فقدان کی وجہ سے دھرے رہ جاتے ہیں اور ان سے کم از کم وہ نتائج جدید دور میں باخصوص آزادی کے بعد کے دور میں صنعتی نظامِ ترقی ،کی ۔آبادی میں اضافہ ،اعلم کا دھماکہ ،علوم کی وسعت اور تیز رفتار ترقی نے ،مکتب مدرسہ کے نظام پر زبردست ضرب پہنچائی ہے ۔دورِ گذستہ میں مدرسے اور جامعات اور ودیا پیٹھ تعلیمی ،علمی اور تربیت کے لیے تنہا ذمہ دار تھے ۔جدید دور میں اسکولوں ، کالجوں ، یونیورسٹیوں تحقیقی مراکز کی روایت نے ان کی جگہ لے لی ان کی ضرورت بھی تھی ۔اب مخصوص عمر کے اور مخصوص درجات کے اطفال کے لئے جدید تحقیقات کے پیشِ نظر تدوین کردہ نصابی کتب اگرچہ ہیں اور خوب ہیں مگر زبان کی تعلیم کے لیے کسی مخصوص کتاب ، درسی کتاب ،نصابی کتاب پر اکتفا کرنے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا ۔یہیں سے غیر نصابی یا متعلق نصاب کتب اور ادب کی ضرورت و اہمیت کا احساس ہوتا ہے ۔یہ اصلاح بھی جدید دور کی دین ہے ۔اور ادبِ اطفال کی بھی دین ہے ۔خالص ادبِ اطفال میں کہانیوں ،مضامین یا ملی جلی کتابوں کی شمولیت بھی جدید دور کی دین

ہے۔اب تک نہ صرف ہر قسم کے موضوعات پر علاحدہ چھوٹی موٹی کتابیں دستیاب ہیں بلکہ رسائل نے بھی اس سمت میں خوب توجہ دی ہے۔۔ایک زمانہ تعاجب شمع کے ادارے کے رسائل ''کھلونہ '' کی شہرت بہت تھی۔ادب اطفال کے فروغ میں اس رسالے نے بہت مدد کی۔بجنور سے نکلنے والے''غنچہ'' کی اپنی ایک اہمیت تھی۔ان کے علاوہ بھی مختلف علاقائی سطحوں پر،مختلف رسالوں ''نور'' ''ھلال'' ''اُمنگ'' ''نرالی دُنیا'' ''سائنس کی دنیا'' ''پیامِ تعلیم'' نے اپنے قالب کو نئی ضروریات کے مطابق نئی شکل دی، نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔

سب سے اہم بات جو پہلے ''نور'' رسالہ نے اور بعد میں ''پیام تعلیم'' نے شروع کی وہ تھی رسالوں میں بچّوں کا participation ورنہ اولین دور اور متوسط دور کے تعلیمی نصاب کی طرح۔ جس میں صرف استاد کو اہمیت حاصل تھی، یہ رسائل صرف تلقین آمیز انداز میں بچّوں کے لئے ادب پیش کرتے تھے۔ان مین ارتباinteraction کی کوئی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی گئی تھی۔بچّوں کو کیا چاہیئے؟ بچّوں کے لیے کیا ضروری ہے؟اس کا تعّین مدیرانِ رسائل خود کیا کرتے تھے مگر حالیہ دور میں نور، پیام تعلیم وغیرہ تمام رسائل نے اس کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی گئی تھی۔بچوں کو کیا چاہیئے؟ بچوں کے لیے کیا ضروری ہے؟اس کا تعّین مدیرانِ رسائل خود کیا کرتے تھے مگر حالیہ دور میں نور پیام تعلیم وغیرہ تمام رسائل نے اس کی ضرورت کو محسوس کر کے Interacton participation اور communicanti کو بہت اہمیت دی ہے۔ رسائل اور تجرباتی اداروں نے بچّوں کے لئے کہانیوں اور بچّوں کی کتابوں کے سیٹ پیش کرنے شروع کئے اس روایت کی بنیاد بھی ''کھلونا'' نے ڈالی تھی۔اب متفرق کہانیوں کے سیٹ،سلسلہ وار بچّوں کے ناول،ڈرامے،نظموں کی کتابیں عام ہو چلی ہیں۔ درمیان میں comics کا سلسلہ بھی ایک اشاعتی گھر نے شروع کیا تھا لیکن کہیں موقف ہوا اور کہیں بہتر ہوا۔

یہ اور بات ہے کہ مدیران رسائل کی مجبوری بھی رہی ہے جو خالص ادبِ اطفال کی طرف توجہ

دینے والے ادباء وشعراء کی تعداد میں ایک Alarming کمی آئی ہے (زبان کی جدید دور میں ترقی اور آبادی کے تناسب کے پیشِ نظر اب بھی کم ہی ہے)ان مسائل کے علاوہ مدرسوں مکتبوں /اسکولوں کے سالانہ میگزن ہیں جن میں خانہ پری کا انداز نمایاں ہے ایک عجب بے دلی ہے اور اسی لئے یہ magzines رسمی کوشش زیادہ ہیں باقاعدہ منصوبہ بند کوشش کی مثال کم ۔موجودہ دور میں اردو دنیا اور اردو بولنے والوں کی آبادی کے تناسب کے پیشِ نظر بچّوں کے ادب کی طرف توجہ اور سرگرمیوں سے انکار اگر چہ مشکل ہے،لیکن ایک بات جو کھل کر سامنے آتی ہے اور جو بنیادی نکتہ ہے کہ اِن میں مجوعی طور پر انفرادی طور پر کسی مسلسل ،باقاعدہ منصوبہ بندی، منطقی ربطہ کا جو فقدان نظر آتا ہے وہ بجائے خود ہماری فوری توجہ کا مستحق ہے ۔جسے حکمت اور سمت کا فقدان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ہم چاہیں جو نام دے لیں اس ادب کو جو بچوں کے رسائل،اشاعتی اداروں کی جانب سے شائع کردہ کتابوں ناول ،ڈراموں اور نظموں کے مجموعوں وغیرہ کے واسطے سے سامنے آرہا ہے اور جسے بچے بے شک شوق سے پڑھ رہے ہیں۔ ،رسائل کا بے چینی سے انتظار کیا جاتا ہے۔اسکولوں ، مدرسوں اور لائبریریوں میں باقاعدی ان کے ذخیرہ میں اضافہ ہو رہا ہے ۔اور یہ مناسب طور پار قدروں کی تعمیر ،اصاف کی نشو ونما اور مجموعی طور پر شخصیت کی تعمیر میں حصہ بھی لے رہے ہیں ۔لیکن ساتھ ہی ان میں ایک بے ترتیبی ، بے ربطی اور الجھاؤ کی کیفیت نظر آتی ہے ۔ جسے بچے محسوس نہیں کر پاتے لیکن گہرائی سے دیکھیں تو بڑوں کے لئے یہ لمحۂ فکر کا باعث ہے ۔ کیونکہ فوری دلچسپی کے لئے یا فوری تاثر پیدا کرنے لئے بچّوں کو اکثر تحا ئف کا لالچ دیا جانے لگا ہے ۔جس کا انحصار اکثر دو باتوں پر ہے ۔اوّل تحفہ کے انتخاب کی نوعیت (افا نقطہ نظر سے)ضرورت اور دوّم تحفہ کی پیش کش (قرینہ انداز)جو اس کے پس پشت جزبہ کی ترجمانی کرتا ہو۔ابتدائی درجے کے ایک سات سالہ بچّے کو انسائیکلو پیڈیا کا تحفہ دیا جاتا ،دو سالہ بچّے کو قیمتی سائیکل یا گھڑی دیا جاتا ہے ۔دس سالہ بچے کو چابی کھلونا دیا جانا سب کتنا غیر متوازن ،غیر موزوں ، بے وقت اور غیر منطقی ہے ۔ دوئم ایک ہی شہر میں رہنے والے بچّے کو اس کی سالگرہ سے دو ماہی قبل خوبصورت تحفہ بھیج دیا جانا ،یا امتحان میں کامیابی

کے دو ماہ بعد،تنہائی میں تحفہ کا دیا جانا تحفہ کی وقعت اور پیش کش کے قرینہ میں بے ربطی اور عدم توازن کو ظاہر کرتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ ایسا تحفہ جو بے وقت بے موقو بلا ضرورت بے دلی سے رسمی طور پر دیا جائے یا بھیجا جائے ،اور جو تحفہ بچّوں کی پسند،عمر کی مناسبت سے ہم آہنگ نہ ہو، جو تحفہ ہند کے جذبہ اور اخلاص کی ترجمانی نہ کر پائے اس کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے؟ رسائل میں پیش کیا جانے والا مواد سبھی رسائل میں وقت اور بے موقع ہوتا ہے یہ تو نہیں کہا سکتا لیکن اِن میں زبان کی نشوونما،معلومات میں اضافہ زبان، و بیان کے وصف کی تعمیر شخصیت کی تعمیر کے نقطہءنظر سے ایک منقطی ربطہ اور تسلسل بھی ہو تو ان رسائل کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہوسکتا ہے اِن امکانات پر غور کرنے کی ضرورت ہے اب سوال یہ بھی ہے کہ یا منطقی ربطہ سے مراد کیا ہے؟علم و تعلیم کی وسعت میں بے پناہ اضافے اور زندگی کے ہر شعبہ میں تیز رفتار ترقی پیشِ نظر اس کی حدود متعیّن کرنا بھی بے حد مشکل ہے۔تاہم اس کی نوعت اور بتدریج تکمیل کے لئے سوچی سمجھی مشترکہ فکر،ہم آہنگ مساعی اور منصوبہ ہند اقدامات کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔لیکن اِس پیش رفت،سرگرمی اور مساعی کے پس پشت ماہرینِ تعلیم،بچوں کے ادب پر سنجیدگی سے غور وفکر کر کے کوئی لائحہ عمل ترتیب دینے والے جہاندیدہ، تجربہ کار بزرگوں کی سوچ کم اور اشاعتی گھروں کی مسابقت اور تجارتی نقطہءنظر زیادہ کارفرما ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ابتداء سے ہی کہانی سننے یا پڑھنے کی روایت کے زیرِ تحت ادبِ اطفال میں پریوں کے کرداروں کی کہانیوں نے بچوں میں زبردست دلچسپی تجسس اور حظ وانبساط کے تاثرات پیدا کئے ہیں ۔ادب اطفال کی روایت میں طلسمی دنیا کے کرداروں مثلاً پریاں، جن، دیوتا، طوطا وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔کیونکہ کہانی دنیا کی سب سے قدیم صنفِ ادب ہے۔تحریری اور زبانی شکل میں یہ دنیا کے ہر حصّے میں پائی جاتی ہے۔ ہر عمر کے لوگ اسے پڑھتے ہیں خصوصاً بچّوں میں بڑا اشتیاق دیکھا جاتا ہے ۔اسی لئے کہانی سب سے زیادہ دلچسپی اور مقبول صنف مانی جاتی ہے ۔کیونکہ اس کی مقبولیت کا سب سے بڑا سبب مفسیات ہے ۔ بچہ کسی بھی واقعہ کو اسی صورت میں قبول نہیں کر لیتا جیسا وہ اس کے سامنے آتا ہے وہ اس کے بارے میں ذیادہ جاننے

کی کوشش کرتا ہے۔بچہ کا یہ تجس کہ پھر کیا ہو؟ کہانی کی جان ہے۔بچّوں کے لئے کہانیاں لکھی جاتی ہیں وہ کئی طرح کی ہوتی ہیں جیسے طلسمی کہانیاں ،مذہبی کہانیاں ،اخلاقی کہانیاں ،تاریخی کہانیاں،بہادری کی کہانیاں ،جاسوسی کہانیاں ،سائنسی کہانیں ،پریوں کی کہانیاں ، جن،بھوت،جادوگر۔راکشوں کی کہانیاں ،وغیرہ۔کہانی کوئی بھی ہواس میں چند خصوصیات کا ہونا ضروری ہے جیسے:۔کہانی میں تحیّر اور تجسّس لازمی ہے۔کہانی میں بچّوں کی ذہنی استطاعت کا خیال رکھا جائے۔کہانی میں مثبت نظریہ فکر پر زور ہو۔کہانی بچّوں کی قوت مخیلہ کو مہمیز کرنے والی ہو کہانی کے واقعات بچے کی دماغی نشونما میں مدد کرنے والے ہوں۔۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔بچوں کے لئے لکھی جانے والی کیانیوں کی افادیت کے تعلق سے عالموں ،تعلیمی ماہرین ،ماہر نفسیات ، ادیب الاطفال وغیر کے خیالات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔جیسے:۔ایک حلقہ ادبِ اطفال میں سے راجہ رانی کی کہانیاں ہٹا دینا چاہتا ہے کیونکہ ان کے مطابق یہ سامراجی ذہنیت کی مظہر ہوتی ہیں۔وہ کہتے ہیں آج جب شہنشاہیت کا نظام ہی نہیں ہے تو اس نظام کو قلم بند کرنے سے کیا فائدہ؟ایک حلقہ، مذہبی کہانیوں کو ختم کر دینے کی حمایت کرتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ مذہبی کہانیاں مبہم اور مشکوک خیالات کو جنم دیتی ہیں اور بچّوں کے کچے اور نرم ذہن کو کچھ دقیانوسیت کی طرف مائل کرنے کا کام کرتی ہیں۔ایک خیال یہ بھی ہے کہ پریوں کی کہانیاں بے پر کی اڑاتی ہیں،خیالی دنیا میں لے جاتی ہیں۔اس زمانے میں ان کہانیوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔

☆ تاریخی کہانیاں ماضی کا راگ الاپتی ہیں جبکہ حال ماضی سے کہیں زیادہ اہم ہے۔اس پر توجہ دینا چاہئے۔

☆ بھوت پریت کی کہانیاں ضعیف الاعتقادی بڑاھتی ہیں جو اس سائنسی دور میں قابلِ قبول نہیں۔

☆ جاسوسی کہانیاصرف بحث اور مباحثے پر منحصر ہوتی ہیں ۔لوک کہانیاں من گڑھنت ہوتی ہیں ۔زمانے کے ساتھ ان میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ۔اصل متن کہیں غائب ہو جاتا ہے۔اب اگر خیالات اوراعتراضات کی روشنی میں ادب اطفال کی صیوں پرانی روایت کا جائزہ لیں تو ہمارا ادبی ذخیرہ مکمل طور پر خارج ہو جائے گا۔ظاہر ہے یہ مثبت قدم نہ ہوگا۔کیونکہ ماضی ،حال، مستقبل کے نیشب وفراز ہی زندگی کوشعور بخشتے ہیں ۔فہم عطا کرتے ہیں ۔زندگی کی رنگینیاں ،اچھائیاں اور برائیاں سب ہی انسان کے شعور ،تحت الشعور اور لاشعور کی نشو ونما میں اہم رول ادا کرتے ہیں ۔انسان کا باطن اسی قوسِ قزح سے رنگ اخذ کرتا ہے۔اور ادبِ اطفال میں اس قوسِ قزح کا ہونا ہر ملک کے ادب لئے فخر کی بات ہے۔درصل اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ پری اور جنوں کی کہانیاں غیر ملکی ادب کی دین ہیں ۔جبکہ ایسانہیں ہے ۔زبان وادب میں ملکی غیر ملکی خیالات ،جزبات احساسات ، واقعات ،فوک وغیرہ جیسے تصور کو فروغ دینا محدود دائروں میں سوچنے کے مترادف ہے ۔تخیل اور سجائیاں ، دلچسپیاں اور رنگینیاں ، جمالیات اور نفسیات ، کردار اور واقعات انسانی زندگی کے وابستہ ہونا ضروری ہیں ۔فن کی کسوٹی پر پورے اُترنا ضروری ہیں ۔ کیونکہ فکشن ہو یا نظم ۔حظ وانبساط کا تقاضہ دونوں کرتے ہیں ۔اور ہندوستانی ادبِ عالیہ میں پنچ تنتر کی کہانیاں اپنا ثانی نہیں رکھتی ۔چھٹی صدی عیسوی میں یہ لکھی گئی اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے شائع شدہ بچّوں کی کہانیاں اسی ''پنچ تنتر'' اور کتھا مسرّتِ ساگر سے ماخوذ ہے ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدیاں گزر جائیں ،زندگی کے تقاضے بدل جائیں ،لیکن بچّہ آخر بچّہ ہی رہے گا۔سائنسی دنیا ہو، ماڈرن زمانہ ہو،تکنیک کا راج ہو۔بچّوں کی دلچسپی اگر پریوں کی کہانیوں میں ہے تو روپ اور ہیت بدل کر انھیں فینٹسی اور سائنسی ایجادات پر مشتمل تحیر آمیز کہانیاں لکھ کر دینا ہوں گی ۔ بچے کی مفسیات زمانہ کو ہی نہیں دیکھتی ۔ بلکہ فن کے باہم جمالیاتی حسن کی ان دیکھی انجانی سی ڈگر پر چل کر اپنی دلچسپیوں کا سامان مہّیا کرنے کا اہتمام کرتی ہے ۔اسی لئے فینٹسی اور سائنسی کہانیوں کی بنیاد پری کہانیاں ہی مانی جاتی ہیں ۔اسی ضمن میں تصویری کہانیوں کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈالی جائے تو ان کے ابتدائی

خاکوں میں تصویری کہانیوں کے موضوع ملک کی تہذیبی وراثت، اخلاقی اقدار اور عمدہ تعلیم، تربیت تک محدود ہوتے تھے۔آج کی تصویری کہانیوں میں حب الوطنی، قومی یکجہتی کے علاوہ بہادری، ایمانداری، انسانیت کو فروغ دینے والے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔یہ کہانیاں مصیبت میں پھنسے لوگوں کی مدد کرنے اور مظلوموں کا ساتھ دینے کے لئے بچّوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔اچھی اور صحت مند تفریح میسر کرانا تو ان کا اولین مقصد ہے ہی۔تصویری کہانیوں کی تاریخ کا ابتدائی دور (۱۶۵۸سے۱۹۴۵تک) اور فروغ کے دور کو ۱۹۴۶سے آج تک کے دو خاص حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ابتدائی دور پھر ۱۹۵۸سے ۱۸۰۰تک اور ۱۸۰۱سے ۱۹۴۵تک منقسم ہوتا ہے۔دوسرا دور جس میں تصویری کہانیوں کو فروغ حاصل ہوا وہ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۰ اور ۱۹۷۱سے حالیہ دور تک تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۰ء تک کے دور میں رنگین تصاویر سے مزین کتابوں نے ادبی دنیا میں ہلچل مچادی تھی یہ کتابیں اتنی دلکشی ہوتی تھی کہ بچّے انہیں خریدنے پر مچل جاتے تھے۔پڑھ کر کتابوں کے دیوانے بن جاتے تھے ۱۹۵۰ء میں دی ٹوراڈس وہیری دی ہائلڈ ایگس آر، ۱۹۶۴ء میں بِگ بلیوآئی لینڈ ۱۹۶۵ء میں سٹی رائمز اور ۱۹۷۰ء میں اِن دی نائٹ کچن، کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں اور بچّوں تک پہنچیں۔انیسویں صدی کی چھٹی دہائی سے ہندوستان میں تصوریری کہانیوں کا آغاز ہوا۔دورِ حاضر میں بھی چھ برس سے کم عمر کے بچوں کو جو ادب دیا جاتا ہے وہ تصویری کتاب کی شکل میں ہوتا ہے اس میں تصویر اہم ہوتی ہیں۔تحریر اور الفاظ کو زرا کم اہمیت دی جاتی ہے۔کامکس کی کہانیوں کی بھی اپنی دنیاں ہے۔اہمیت ہے۔کوئی بھی کارٹون، تصویر یا تصویری کہانی جس میں مزاح ہو، جسے پڑھ کر ہنسی آئے وہ کامکس کے زمرے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ابتدائی میں صرف سماجی مسائل کامکس کے موضوع ہوا کرتے تھے، آج مزاح، اسرار، ایڈونچر، ڈرامہ وغیرہ کو سماجی مسائل پیش کرنے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔رنگین، بولتی ہوئی تصاویر کامکس کی خاصیت ہیں اس لئے انہیں تصویری

کہانیاں بھی کہا جاتا ہے تصاویر کے ساتھ غبارے کی شکل کے خانوں میں مکالمے ہوتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جسے یہ مکالمے کرداروں کے منہ سے نکل رہے ہوں اخباروں میں اولاً مزاحیہ کارٹون جس جگہ پر شائع کئے جاتے تھے۔جس صفہ پر یہ کارٹون ہوتے اسے ''کامکس پیج'' اور کارٹون جس جگہ پر شائع ہوتا تھا اسے' کامکس کارنز' کہتے تھے۔ کامکس ،اسٹرپ یا پٹی کی شکل میں ہوتے تھے۔ابتدائی میں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ کامکس یا کارٹون شائع ہوتے مگر جیسے جیسے ان کی مقبولیت بڑھتی گئی انہیں روزانہ شائع کیا جانے لگا۔سترہویں صدی میں ''پنچ اور جوڈی'' نام کتابیں جو کتابچہ کی ضرورت میں تھی بازاروں میں تقسیم کئے جاتے تھے وہیں سے کامکس کا آغاز مانا جاتا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں جرمن شاعر (جومصوربھی تھے)ول ھیگ بُش نے میکس اور مرنج یا مارٹیج نامی دورشروارتی کڑکوں پر ایک طویل نظم لکھی اور اس کے ساتھ تصاویر دے کر شائع کیا۔کچھ ایکسپرٹ اسے ہی دنیا کا پہلا کامسک مانتے ہیں۔۱۹۷۰ء کے بعد کامکس،میڈیا سے وابستہ ہو گئے اور یہ ان کا بڑا کارنامہ ہے۔آج کامکس تقریباً ہر ملک میں اور ہر زبان میں بڑی تعداد میں شائع ہو رہے ہیں۔

کارٹون کی کہانی پر روشنی ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ۔اُودھ پنچ،منشی سجاد حسین کی ادارت میں شائع ہونے والا اوّل باتصویر مزاحیہ اخبار تھا۔اُردو میں کارٹون شائع کرنے کی ابتدائی اسی اخبارار سے ہوئی ۔ماہنامہ اور روزنامہ اخبارات میں شگوفہ' انقلاب' سیاست' راشٹر یہ سہارا،اردو ٹائمز' قومی آواز' ملاپ' ہندوستان ایکسپریس' پرتاپ' کھلونا' وغیرہ میں کارٹون کو ہمیشہ اہمیت دی گئی۔ بچہ صرف سُن کر اتنی جلدی نہیں سیکھتا جتنا دیکھ کر سیکھتا ہے۔والدین اوراور گھر کے دوسرے افراد کو جو کرتا دیکھتا ہے ان کی نقل کر کے وہ سیکھتا ہے۔کلاس روم میں پڑھانے کے ساتھ استاد تختہ سیاہ پر جو کچھ لکھتا ہے اسے بچہ جلدی اپنے ذہن میں محفوظ لر لیتا ہے۔کیونکہ اوّل تو وہ لکھا ہوا اس کی نظروں کے سامنے زیادہ دیر تک رہتا ہے،دوئم لگا تار سننے سے کچھ لکھا ہو اسی کے لیے زیادہ پر کشش ثابت ہوتا ہے۔اسی طرح کارٹون کے چند الفاظ وہ اثر کر جاتے ہیں جو مکمل جملے نہیں کرتے اردو کارٹون کی

ویب سائٹ پر بلّو ،بگس بنی خرگوش ، جادوگر سرکار، شہ زور نقاب پوش ، ملانصرالدین ،میاں نٹ کھٹ اور چاچاچودھری کے علاوہ ٹام اینڈ جیری ، ڈونالڈک وغیرہ مقبول سیریز بھی پیش کی جاتی ہیں ۔خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان میں اس طرح کے پارک کے قیام پر غور کیا جارہا ہے ۔جلد ہی اس پر وجیکٹ پر کام شروع ہوگا ۔ پارک میں بین ١٠ ، پاور پف گرلس ، جانی برابواور گمبال جیسے مقبول کارٹون کیریکٹرس بچّوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے نظر آئیں گے ۔اس پارک میں پانی کے قدیم روایتی کھیلوں کے ساتھ ساتھ فلمی دیو پول ، ایڈونچر دور ، ریفٹ رائٹ رائیڈس کے ساتھ دُنیا کے سب سے بڑے پانی کے کھیل انڑا ایکٹیوواٹر پلے فانٹریس کا بھی اہتمام کیا جائے گا ۔مقصد صرف یہ ہوگا کہ والدین' کارٹون کیریکٹرس کو بچّوں کی جسمانی صحت کو نقصان پہنچانے والے اولین مان کر نہ رہ جائیں بلکہ ان کے ساتھ کھیل کود کر ان کی صحت کو بنانے میں مدد کرنے والے ہیروز کی طرح نظر آئیں ۔آج کا دور سائنس کا ہے ۔اس لئے سائنس فکشن بھی اروج میں ہے ۔سائنس فکشن معاشرہ کے لئے دورِجدید کا تحفہ ہے ۔ سائنیسی فنتاسی ہندوسان میں زمانہ قدیم سے پریوں ،راجاؤں ، چرندے ، پرندوں کی کہانیاں لکھی جارہی ہیں ۔پنچ تنتر کی کہانیوں کو دنیا کی اول فنتاسی ہونے کا اعزاز حاصل ہے ۔١٩٧۵ میں تخلیق کی گئی ڈینئل ڈوضوکی میں خلائی سفر کا بیان ہے ۔اسٹیونس کی تخلیق علم الادویات اور دوہری شخصیت کے راز آشکار کرتی ہے ۔ہینس اینڈرسن کی تھمبلنا ، برف کی رانی اور ماچس والی لڑکی بھی سائنس فنتاسی کے تحت آتی ہیں ۔لوری ، پالنے کے صبح کے گیت بھی بچّوں کی ذہنی نشو ونما میں اہم رول ادا کرتے ہیں ۔دنیاں کی ہر زبان کے ادب اطفال میں بچّوں کے لئے کئی اقسام کے گیت دستیاب ہیں ۔بچّہ تنہا ہوتا ہے تو گنگناتا ہے ۔دوسرے گاتے ہیں تو ان کے ساتھ سُر ہلاتا ہے ۔کھلتے کھاتے وقت تال دیتا ہے ۔خوشی میں بے ساختہ گیت کے بول دہراتا ہے چاہے وہ فلمی گیت ہی کیوں نہ ہوں ۔وہ ریڈیو، ٹی وی پر گیت کے بول دہراتا ہے چاہے وہ فلمی گیت ہی کیوں نہ ہوں ۔وہ ریڈیو، ٹی وی پر گیت سنتا ہے ، لائٹ میوزک ہو یا تیز موسیقی وہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ماں کی گود پہلا اسکول کہلاتا ہے ۔ماں نے اوّل معلّمہ کا اعزاز یوں ہی نہیں حاصل کیا شیر خوار بچّے کو نیند کی

وادیوں میں روانہ کرنے اور سویرو ہاں سے واپس لانے میں اسے کیسی کیسی کوششیں کرنی پڑتی ہیں یہ وہی سمجھ سکتی ہے۔لاڈ پیار،ڈلار سے کام لے کر ہار جاتی ہے تو لوری سنانے لگتی ہے۔بچّے کے ٹھاٹھ اس وقت دیکھنے کے ہوتے ہیں۔دنیا کے عمدہ سے عمدہ گدّے کیوں نہ ہو مگر ماں کی گود میں سکون ملتا ہیں۔اور ماں کے میٹھے ممتا بھرے بول اسے سکون پہنچاتے ہیں۔اور وہ اطمینان سے نید کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔لوری کو مختلف زبانوں میں مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔اردو ہندی میں لوری، مراٹھی میں انگائی، گجراتی میں ہال رنڈو،سندھی میں لولی، فارسی میں لالائی،انگریزی میں للاّ بائی وغیرہ وغیرہ لوری کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنا قدیم ماں اور بچّے کا رشتہ ہے۔جب پہلی مرتبہ کوئی بچہّ ماں کی گود میں مچلا ہوگا سونے کے لئے بے چین ہوا ہوگا تب اس کو تھپکی دے کر،اپنے ممتا بھر بول اس نے جس طرح جس انداز سے ادا کئے ہوں گے وہ لوری ہوگی۔لورہ میں نازک جزبات کی آسان وضاحت ہوتی ہے ممتا کی مٹھاس اور پیار کی خوشبو ہوتی ہے۔اپنے پن کا جادو ہوتا ہے لوری میں صداقت کی زمیں ہوتی ہے تو تخیل کا بے کراں آسمان ہوتا ہے۔۔مختصراًیہ کہ لوری جزبات کا لامحدود سمندر ہے۔لوری،ماں کی ممتا اور اس کی بے غرض محبت کی عمدہ اور بہترین مثال ہے۔اپنی نور چشم یا اپنے لختِ جگر کے تئیں اپنے ارمانوں کو موزوں الفاظ کا جامہ پہنا کر ماں انہیں لوری میں پیش کرتی ہے۔اپنی اولاد کے روشن مستقبل کے خواب بنتی ہے۔وہ 'بڑا ہوگا' اسکول جائے گا،پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنئے گا؟ چاندستاروں تک جائے گا۔وہ بچّے کی طویل عمر کے لئے دعا کرتی ہے۔دنیا کی تمام خوشیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دینے کا عزم کرتی ہے۔لوری،ماں کی ممتا کے گہرے سمندر میں چھپے آبدار موتیوں کی مظہر ہے۔جتنے گہرے پٹھیں گے اتنے ہی قیمتی موتی حاصل ہوں گے۔لوری کو بچّوں کے ادب میں اس لئے شامل کیا جاتا ہے کہ بچّوں کے لئے گائی جاتی ہیں۔بچّوں کے گیتوں میں اکثر بڑی بڑی باتیں نظم کی جاتی ہیں جیسے بچہ سننے، دوسروں کی مدد کرے، پڑھائی لکھائی میں دل لگانے کی نصیحتیں اردو کے شاعر ڈاکٹر الیاس صدیقی کی لوری میں نیند کو بلانے کو جو جتن کئے گئے ہیں وہ بے مثال ہیں۔بچّوں کے پیارے پرندوں، چاند تاروں سب کی مدد لی گئی ہے:۔

نندیارے،نندیارے،نندیارے

گڑیا کو میری تو آ کے سلا جا

تتلی گلابوں سے اڑ کے چلی

چڑیا مکانوں سے اڑ کے چلی

سورج ندی میں اترنے لگا

کویل بھی باغوں سے اڑ کے چلی

منّی کی پلکوں پہ سپنے سجا

نندیارے! نندیارے! نندیارے!

تاروں کی پلکیں جھپکنے لگیں

گل کو ہوائیں تھپکنے لگیں

چندا کا چہرہ چمکنے لگا

رَنیا کی سانسیں مہکنے لگیں

آنکھوں میں چپکے سے آ کر سما

نندیارے! نندیارے! نندیارے!

ادبِ اطفال کے گہرے سمندر میں لوریوں کے ہیرے موتی ،نیلم پکھراج بھرے پڑے ہیں اردو، ہندی، مراٹھی میں ہندولا گیت بھی دستیاب ہیں۔ بانو سرتاج نے اپنے افسانے میں گاؤں سے گھر کے کام کاج کے لئے لائی گئی کمسن لڑکی کو ہنڈولا گیت کاتے ہوئے پیش کیا ہے۔

''غلام نبی آتش، کشمیری فوک کے تعلّق سے لوری اور پنگوڑے کے گیتوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک بچّہ خودغوں غاں نہیں کرنے لگتا۔غوں غاں کی شروعات ہوتے ہی ماں اسے لوریاں سنا کر اس کو بھی ان کی گنگناہٹ کا عادی بنادیتی ہے ۔ڈاکٹر الیاس صدیقی کے

ہنڈولا گیت میں امّی ۔ابو کے راج دُلارے کا پلنا آہستہ ہستہ ہلاتے ہوئے زمین سے آسمان تک کی باتیں، چاند تاروں کی باتیں، پھولوں ہواؤں کی باتیں ہو رہی ہیں:۔

مُنّے کو میرے نندیا لگی رے
جھولا جھولاؤں میں دھیرے دھیرے
چندا کے پالنے میں بستر لگا ہے
سونے کے تاروں میں موتی جڑا ہے
جھولے میں تیرے چمکتے ہیں ہیرے
جھولا جھلاؤں میں دھیرے دھیر
امّی کی آنکھوں کا تارا بھی تو ہے
ابّو کا اپنے دُلارا بھی تو ہے
دنیا ہماری تجھی سے سجی رے
جھولا جھلاؤں میں دھیرے دھیرے
ٹھنڈی ہوا بھی وہ دیکھو چلی رے
جھولا جھلاؤں میں دھیر دھیر

اسی طرح اردو میں بچّوں کے ڈراموں کی اچھی مثالیں ملتی ہیں ۔ڈرامے انفرادی نہیں معاشرتی صنف ادب ہے ۔بچّے کے ساتھ والدین اور اسے دیکھنے والے اس کا لطف لیتے ہیں ،ڈرامہ ان سب کو جوڑنے والی کڑی ہے ۔آزادی کے بعد کے ریڈیو ڈراموں نے اردو کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ریڈیو کے پروگراموں میں ڈراموں نے اہم جگہ حاصل کر لی لکھنے والوں نے اچھے اچھے ڈرامے تخلیق کئے ۔لیکن چونکہ ریڈیو ڈرامے ،اسٹیج ڈراموں سے کافی الگ ہوتے ہیں،ان کی ضرورت الگ ہوتی ہیں اس لئے انہیں اسٹیج ڈراموں کے ضمن میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔

اردو میں ریڈیائی ڈراموں کی تعداد خاص ہے۔مگر انہیں اسٹیج پر پیش کرنے کے لیے ان میں مناسب تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔

''اخلاق اثر ریڈیو ڈراموں کی خصوصیات کے ضمن میں کہتے ہیں:۔

''ریڈیو ڈرامے میں مکالمے اور ان کی ادائیگی خاص اہمیت رکھتی ہے۔صوتی اثرات اور موسیقی ریڈیو ڈرامے کے جزب واثر میں اضافہ کرتی ہے۔لفظی اور صوتی اشارے سامعین کے تخیل کو متحرک کرتے ہیں۔اور وہ ان اشاروں اور آوازوں سے تخیل کی ایک دنیا آباد کرتے ہیں۔جس میں پل پل نئے جلوے، نئے مناظر سامنے آتے ہیں۔ڈرامہ نگاری اور ہدایت کار، ڈرامہ کے مسودے اور اس کی ادائیگی میں مخصوص مقامات اور حالات پیدا کرتے ہیں۔صداکار مکالموں اور ماحول میں روح ڈالتا ہے اور سامع اپنے تخیل میں ڈرامہ کی دنیا سجاتا ہے جو کسی اور حالت میں ممکن نہیں'' ۸؎

اسٹیج اور ریڈیائی ڈراموں کے علاوہ ادبی ڈرامے بھی ہوتے ہیں جو ادب کی دوسری اصناف کی طرح صرف پڑھنے کے لیے ہوتے ہیں۔''ڈاکٹر محمد حسن ان ڈراموں کے تعلق سے کہتے۔

''ادبی ڈرامے کتابی ڈرامے ہیں جو صرف پڑھے جاتے ہیں، کھلیے اور دیکھے نہیں جاتے۔وہ زندگی کی طرح متحرک اور حقیقی ہونے کی بجائے اس کی نقلی تصویر ہوتے ہیں'' ۹؎

'کتابی یا ادبی ڈرامے کے سلسلے میں 'میرزا ادیب' کہنا ہے:۔جب ڈراما پڑھا جاتا ہے تو قاری کا ذہن ایک قسم کا اسٹیج بن جاتا ہے۔مگر یہ ڈرامے کی وہ صورت ہے جسے کم قبول کیا گیا ہے۔ڈرامے کا اساسی تقاضا یہی ہے کہ اسے دکھایا جائے، اسے عملاً پیش کیا جائے، اسے کسی معروف میڈیا کے ذریعے سامنے لایا جائے۔ ۱۰؎

ٹیلی وِژن کا ڈرامہ وسیع کینوس کا ڈرامہ ہے۔اس میں مقام محدد نہیں ہوتے۔جس مقام پر چاہیں اس مقام پر واقعات کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ارسطو نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''بوطیقا'' میں ڈرامے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''نقالی انسانی جبلت میں شامل ہے۔اس کا آغاز بچپن سے ہوتا ہے۔اور ڈرامہ اس کا ارتقائے کمال ہے۔گویا نقل کر کے سیکھنا فطری عمل ہے اور دوسرے طریقوں کی بہ نسبت زیادہ آسان اور قابل قبول تھی۔درس وتدریس کے علاوہ بچے ڈراموں سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔اسکول میں بچوں کو مختلف مضامین، مختلف طریقوں سے پڑھائے جاتے ہیں۔جہاں تک طریقہ تعلیم کا تعلق ہے وہی طریقہ سب سے بہتر ہے جسے بچے پسند کریں۔بچّوں کی نفسیات اور ان کی ذہنی استعداد کو مدنظر رکھ کر تعلیم دینا مناسب بھی ہے اور ضروری بھی۔ہر بچہ چاہے سوال نہ کرتا ہو مگر اس کے دل میں یہ سوال ضرور موجود ہوتا ہے کہ اگر میں اس طریقے سے کچھ نہیں سیکھتا جس طریقے سے آپ مجھے سکھاتے ہیں تو آپ سمجھے اس طریقے سے کیوں نہیں پڑھاتے جس سے میں کچھ سیکھ سکوں، یعنی مشکل سمجھے جانے والے خشک ترین موضوع بھی اگر دلچسپ اور آسان بنا کر پیش کئے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بچّے پڑھائی میں دلچسپی نہ لیں۔درسی مضامین میں ادب اور تواریخ کے لیے تمثیل نگاری نہایت مناسب ہے۔ادبی شخصیات سے ادبی اور اسٹیج ڈراموں کے ذرویعے بچوں کو متعارف کرا یا جاسکتا ہے۔سماجی مسائل سے آگاہی اور ان کے حل کے لیے اسٹریٹ پلے کارآمد ہوسکتے ہیں۔اسٹیج ڈرامے ویسے ہر مضمون کا علم دینے کی اہلیت دکھتے ہیں۔اردو میں دوسری اصناف کے مقابلے ڈرامے کم لکھے گئے ہیں۔بڑوں کے لیے بھی اور بچوں کے لیے بھی لیکن بچون کے لیے لکھے جانے والے ڈراموں کی حالت پھر بھی اطمینان بخش ہے۔بڑوں کے لیے لکھنے والے اکثر ادیب بچوں کے لیے ڈرامے لکھ رہے ہیں مگر چند ادیب ایسے بھی ہیں جنہوں نے خود کو ادب اطفال اور خصوصاً ڈراموں کے لیے وقف کر دیا ہے۔یہ تمام ڈرامے یک بابی ہیں اور بچّوں کے لیے یک بابی ڈرامے

ہی ہونے چاہیں۔'' ڈاکٹر خوشحال زیدی یک بابی ڈراموں کی افاریت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''اسٹیج کے وسائل ظاہر ہے کہ بچوں کو محدود پیمانے پر دستیاب ہوتے ہیں۔ نیز طویل پلاٹ پر مشتمل ڈراموں کی ریہرسل وغیرہ میں بھی انہیں دشوار یاں پیش آسکتی ہیں۔کسی لمبی اور پیچدہ داستان کو ڈرامے کی شکل میں پیش کرنے کے لیے جس پیمانے پر ریہرسل کی ضرورت پیش آتی ہے ، لمبے چوڑے مکالموں کو یاد کرنے کے لیے جتنا وقت درکار ہوتا ہے وہ بھی بچّوں کے لیے مسلہ ہے کیونکہ اس طرح ان کی تعلیم متاثر ہوسکتی ہے۔ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بچوں کے لیے مختصر اور آسان پلاٹ پر مبنی چھوٹے موٹے قصوں کو ڈراموں کی شکل میں پیش کرنا زیادہ قرینِ مصلحت نظر آتا ہے۔ یہ بھی ہے کہ زیادہ دیر تک کھیلے جانے والے ڈراموں کو دیکھنے سے بچے اکتا بھی سکتے ہیں۔ نیز اس طرح ڈرامے کی دلچپسی اور تاثر میں کمی ہوسکتی ہے۔اس لئے موجودہ ڈراموں کے اختصار اور سیدھے سارے انداز سے بے اطمنانی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی،۔ [11]

آج کل بچوں کے لیے طبع زاد ڈرامے کافی تعداد میں سامنے آرہے ہیں۔ یہ ڈرامے دورِ حاضرہ کے مسائل پر خاصی گرفت رکھتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر حکایات،داستانوں کا کوئی حصہ یا لوک کتھاؤں پر مبنی ڈراموں کا ہے۔اس کے علاوہ دوسری زبانوں کی کہانیوں سے مرکزی خیال اخذ کر کے بھی ڈرامے لکھے جارہے ہیں ۔بعض ڈرامہ نگار خود اپنی یا مشہور مصنفین کی کہانیوں کو ڈرامے میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ براہ راست ترجمے بھی کئے جارہے ہیں۔بچوں کے ڈراموں کی تاریخ پرانی نہیں ہے۔

کیونکہ یہ نظریہ بعد میں پختہ ہوا کہ ڈرامہ بچّوں کے ذہن پر وہ مثبت اثر ڈال سکتا ہے جو پند و نصیحت سے ممکن نہیں۔اردو ڈرامے کے نامور محقق عشرت رحمانی نے اپنی کتاب ''اردو ڈرامے کا

ارتقا'' میں ایک باب '' نئے افق'' میں بچوں کے ڈراموں کے تعلق سے لکھا ہے:۔'' برصغیر میں بچّوں کے ڈراموں کا جائیزہ لیں تو ہمیں حصول آزادی سے پہلے کے دور پر نظر ڈالنا ہوگا تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ کب سے کب تک اس سلسلے میں کیا کیا کام ہوا؟ بچوں کے ڈراموں کے معاملے میں جامعہ ملیہ، دہلی نے پیش قدمی کی۔ڈاکٹر ذاکر حسین اور ڈاکٹر عابد حسین جیسے اہلِ علم اور ماہرین تعلیم نے خود ڈرامے لکھے اور ان کو اسٹیج کرنے میں خصوصی دلچسپی لی''۔۱۹۳۱ء میں لکھا گیا ڈاکٹر ذاکر حسین کا ڈارامہ 'دیانت' اردو کا پہلا ڈرامہ کہلانے کا حقدار ہے یہ ڈرامہ جامعہ کے یوم تاسیس کے موقع پر ۱۹۳۱ء میں اسٹیج کیا گیا۔اس کا بنیادی پلاٹ ایک کہانی سے ماخوز ہے۔ان کا دوسراڈرامہ 'کھوٹا سونا' بھی اردو کے ابتدائی ڈراموں میں سے ہے۔ان ڈراموں میں بچوں کو دیانت داری، محنت کرنے اور لالچ سے دور رہنے کا پیغام دیا گیا ہے۔ پلاٹ عمدہ ااور واقعات کا انداز پیش کش فطری ہے۔ برجستہ مکالموں نے ان ڈراموں کو دلچسپ بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر سید عابد حسین کا ڈارمہ ''شریرلڑکا'' بھی عمدہ ڈرامہ ہے۔اس کا موضوع جامعہ ملیہ کے مدرسے کی اقامتی زندگی سے ماخوز ہے اور اس کا فنی خمیر انہیں طالب علموں کی زندگی سے اٹھا ہے۔''محمد مجیب'' کے ڈراموں کا مجموعہ 'آؤ ڈرامہ کریں' خاصی اہمیت کا حامل ہے کیوں نکہ اس میں ڈرامے کے زریعے بچوں کو ڈرامہ پیش کرنے اور ڈرامے کے لوزمات سے واقف کرانے کی سعی کی گئی ہے۔۱۹۳۶ء میں ''سعدی مچھلی شہری'' کے ڈراموں کا مجموعہ 'بچے کا دل' شائع ہوا۔اس میں خوداری کی حفاظت، دانا پرتاپ سنگھ، ثریا، عقلمند قاضی، مہاتما بدھ، بغداد کا حجام اور بچے کا دل ڈرامے شامل ہیں۔ یہ ڈرامے تاریخی واقعات اور قدیم حکایات پر مبنی ہیں۔فن ڈرامہ کی تمام خصوصیات رکھتے ہیں اور قبولیتِ خاص، عام حاصل کر چکے ہیں۔

''عبدالغفار مدھولی' نے بچوں کا انصاف، کایا پلٹ، اسکول کی زندگی، محنت، قوم پرست طالب علم اور چورلڑکا بچوں کی عدالت میں، ڈرامے لکھے اور مقبولیت حاصل کی ''چورلڑکا بچوں کی

عدالت میں''مختصرطویل ڈرامہ ہے جس میں پانچ مناظر ہیں۔یہ تمام ڈرامے باآسانی اسٹیج کیے جا سکتے ہیں۔مکالمے چست درست اورزبان شائستہ ہے۔یہ ڈرامے اخلاقیات کا درس دیتے ہیں اور تفریح بھی مہیا کراتے ہیں۔

اظہرافسربچوں کے پیارے ادیب ہیں۔انہوں نے اپنے ڈراموں میں صرف پندونصیحت ہی پرزورنہیں دیا بلکہ بڑے فطری انداز میں ایسی اہم باتیں کہہ دی ہیں جو سیدھے دل میں اتر جاتی ہیں۔ایک تھا قاسم،ایک تھاعلی بابا،ندی کا بھوت،جل پری،پاپا اورشمو،سالگرہ کاتحفہ ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔''ایک تھا قاسم'ایک تھاعلی بابا ڈراموں کے پلاٹ''الف لیلیٰ''سے ماخوذ ہے۔حال ہی میں قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان نے اظہرافسر کے ڈراموں کا مجموعہ'بچوں کے ڈرامے'شائع کیا ہے۔اس میں بارہ ڈرامے شامل ہے دودوست''ڈرامے میں دوستی کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ مگرساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ برے وقت میں کوئی ساتھ نہیں دیتا،اچھا دوست بھی نہیں۔''مچھلی کا شکار''ڈرامہ میں جانوروں کو نہ ستانے،ان سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔اس ڈرامہ میں بھائی بہن کی معصوم محبت کو بھی دکھایا گیا ہے۔'ننھی سی لڑکی' میں مرکزی کردار سلیم قربانی اورانسانی ہمدردی کا پیکر ہے جو ننھی سی لڑکی کی مدد کے لیے خود کے جزبات کا خیال نہیں کرتا'۔موتی'ڈرامہ میں بھوت پریت پر یقین رکھنے والوں کے غلط اعتقاد کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''چنانچہ''ڈرامہ میں نیکی کا پھل ملنے کے یقین کو تقویت بخشی گئی ہے۔

'خدیجہ بیگم'نے نورجہاں،گوتم بدھ،شاہجہاں،ابوالحسن تاناشاہ وغیرہ ڈرامے لکھ کرادب اطفال میں گرانقدراضافہ کیا ہے۔سمندری جہاز،قم قم قما قیل،لاڈلا اکبراورشپی تارو،شجاع احمد قائد کے مشہور ڈرامے فن ڈرامہ پر کھرے اترتے ہیں۔میرزا ادیب بے استانی جی،ایک دفعہ کا ذکر ہے اورایک مسافرڈراموں میں بچوں کی شوخ فطرت اورشرارتوں کا بیان کرکے بچوں کو زبردست تفریح فراہم کی ہے۔یہاں بچوں کے لیے لکھے گئے دوادبی ڈراموں کا ذکر نا گزیر ہو جاتا ہے۔ڈاکٹرمحمد

حسن نے نظیرا کبرآبادی اور جگن ناتھ آزاد نے ڈاکٹر اقبال کی شخصیت اور شاعری اوران کی نظموں میں حب الوطنی کے جزبات سے بچوں کوڈراموں کے زریعے دلچسپ اورآسان طریقوں سے واقف کرایا ہے۔مظفرحنفی نے بچوں کی نفسیات ،ان کی ضروریات اور ذہنی استعداد کو مدنظر رکھ کرتاج کی درگت ،تو ہم پرستی سے دوراور مچھلی کا شکارڈرامے تخلیق کئے۔ان کے علاوہ وہ عشرت رحمانی ،بیگم قدسیہ زیدی،حبیب تنویر،لطف فاروقی نظر زیدی،عزیز اثری ،ابوالحسن نغمی ،فاروق علی خان ،راجہ امین الرحمٰن ،میاں لطیف الرحمٰن ،کمال احمد رضوی وغیرہ بچوں کے ڈراموں کے سلسلے میں جوکوششیں کیں ان سےاردوڈراموں میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

دورحاضرہ میں ضیاءالاسلام ،اقبال نیازی ،نورالحسنین ،مہررحمٰن ،محمد خالدعابدی ،مسرت بانو شیخ ،شہنازبنی ،بانوسرتاج،شکیل احمد شاہجہاں پوری ،نورالعین علی وغیرہ نے ڈراموں کی طرف توجہ دی ہے ۔یہاں چندڈرامہ نگاروں کے ڈراموں کا جائزہ پیش ہے۔ضیاءالاسلام کا پہلا مجموعہ ’چاندنی اورانگارے‘ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا’بچوں کے لیے پرلطف اورسبق آموز ڈرامے ان کا دوسرا مجموعہ ہے۔کل کا گھوڑا‘۱۹۹۱ء میں شائع ہوا ان کا تیسرا مجموعہ ہےجس میں کل کا گھوڑا،محل،محلوں سے اونچی جھونپڑی ،چندن ہار،پھولوں کی راہ اورسنہراچکرکل چھ ڈرامے شامل ہیں ۔ان ڈراموں کی بابت مصنف کا کہنا ہے:۔میں نے ان ڈراموں میں اپنے وطن کی انسانیت،محبت،دوستی،رواداری،مہمان نوازی اور بھائی چارے کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔’پہلا ڈرامہ ’محل‘اس مشہور حکایت سے ماخوذ ہےجس میں دنیا کوسرائے بتا کرایک فقیر بادشاہ کا گھمنڈ چورچورکردیتا ہے۔کل کا گھوڑا‘ڈرامے میں دومناظر ہیں ۔اس کا پلاٹ الف لیلٰی سے ماخوذ ہےجس میں ایک نوجوان اپنی محنت سے بنایا ہواکل کا گھوڑا ملکہ کے اصرار سے مجبور ہوکراسے سونپ دیتا ہےمگرفوراًہی ایک اپاہج بچّی کودیکھ کراس کے لیےبھی ویساہی گھوڑا بنالانے کا وعوہ کرتا ہے۔اس ڈرامے کےالف لیلٰی پلاٹ میں ہندوستان کےرکشابندھن کےتہوارکوجوڑکرضیاءاسلام نے ڈرامے کوہندوستانیت کارنگ دے

دیا ہے۔''محلوں سے اونچی جھونپڑی''میں چار مناظر ہیں۔ پلاٹ ایک لوک کتھا سے مستعار لیا گیا ہے۔امیروں کی غریبوں پر عدم اعتمادی اور غریبوں کی انکسادی اور بھائی چارے کی کہانی ہے یہ ۔ ''چندن ہار' میں دو مناظر ہیں۔ یہ طبع زاد ڈرامے ہے۔جس میں تعلیم کی خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت بتائی گئی ہے۔'مہر رحمٰن' درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں۔بچوں کی نفیات پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ان کی پسند ناپسند سے بخونی آ گاہ ہیں۔اس لیے بچوں کی ضروریات ،عمر،دلچسپی ،بچوں کے جزبات واحساسات اوران کے پسند دیدہ موضوعات کو سامنے رکھ کرانہوں نے ڈرامے تخلیق کیے ہیں'بزم بچہ اطفال' ان کا ڈراموں کا پہلا مجموعہ ہے جس میں پانچ ڈرامے شامل ہیں۔''پڑھنے کا یہاں دستور نہیں' میں اسکول اور ماسٹر سے نالاں بچے جانو پر ایک ایسی دنیا بسانا چاہتے ہیں۔جہاں پڑھنے کا دستور نہ ہو۔خیر سے بدھو گھر کو جائیں'موجودہ زمانے کی بدلتی قدروں پر خوبصورت طنز ہے۔جہاں مہمان نوازی کی روایت کے لیے مشہور ہندوستانیوں کو کمرتوڑ مہنگائی نے اپنی شاندار روایت سے اانحراف کرنے پر مجبور کردیا ہے۔''کایا پلٹ' میں بڑوں کے مظالم سے پریشان بچے اس سرزمین پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ حاکم ہوتے ہیں اور بڑے ان کے محکوم۔پھر وہ گن گن کران سے بدلے لیتے ہیں۔''ہائے میں کیا کروں''ڈرامے میں مجودہ دور کی تعلیم پر گہرا طنز ہے۔وہ تعلیم جو ڈگریاں عطا کرتی ہے فہم وفراست وعلم نہیں عطا کرتی ۔''فن کی قیمت''مہر رحمٰن کے ڈراموں کا دوسرا مجموعہ ہے۔فن کی قیمت'' تاج محل کے معمار عیسٰی کی زندگی کے ایک واقع پر مبنی ہے۔انٹرویوں، ،چٹکی کی کرامت، تین زاویئے اور بجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ڈرامے اسکول جانے والے بچوں کے امتحان سے ڈر، بچوں کی تعلیم میں استاد کے ساتھ والدین کا حصہ وغیرہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ بانو سرتاج ان ڈراموں کے تعلق سے''فن کی قیمت'' کے دیناچے میں لکھتی ہیں:۔''بچوں کے ادب میں مقصدیت ،صلاح ،واصلاح ،ملک کے تہذیبی ورثے کی حفاظت اوراس ورثے کو خوب سے خوب تر بنانے کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔اس مجموعے کے ڈرامے ان مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔

'بانو سرتاج' بچوں کے لیے کہانیاں، نظمیں، ناول اور ڈرامے لکھتی ہیں۔ ڈرامہ ان کی پہلی پسند ہے۔ ''مجھے شکایت ہے' ان کے ڈراموں کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس میں مجھے شکایت ہے، شیر کی دہاڑ، سچے کا بول بالا، انگریزی کا بھوت اور شرط منظور ہے ڈرامے شامل ہیں۔ ''وکیل نجیب'' ادب اطفال کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ انہوں نے بچوں کے لیے کئی ناول لکھے ہیں'۔ اپنا دکھ اپنی خوشی' ان کے بچوں کے لیے لکھے گئے ڈراموں کا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا ہے۔

رحمانی سلیم احمد نے ۲۰۰۵ء میں ''پاپا کہتے ہیں'' عنوان سے بچوں کے ڈراموں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ جس میں سات ڈرامہ نگاروں کے آٹھ ڈرامے شامل ہیں۔ ''پاپا کہتے ہیں'' ڈرامہ کے ڈرامہ نگار رحمانی سلیم احمد ہیں۔ یہ ڈرامہ ہلکا پھلکا مزاحیہ ڈرامہ ہے۔ شہناز نبی نے بنگالی کے چھ ڈراموں کو اردو میں منتقل کیا اور بچوں کے ڈرامے' کتاب میں شائع کیا۔ بانو سرتاج نے مراٹھی کے ساتھ ساتھ ہندی کے بھی کئی ڈرامے اردو میں منتقل کیے ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں بانو سرتاج کے ڈراموں کا مجموعہ ''ہندی مرٹھی ڈرامے'' شائع ہوا ہے۔ جس میں یہ سب ڈرامے شامل ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں ایک اور مجموعہ ''مزاحیہ ڈرامے'' عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں ہندی سے ترجمہ شدہ چار ڈرامے اور لوک کتھاؤں پر مبنی بانو سرتاج کے تحریر کردہ دو ڈرامے شامل ہیں۔

ڈاکٹر بانو سرتاج کی ڈرموں کی ایک کتاب ''بچوں کے لیے بابی ڈرامے'' (حصّہ اول، دّوم) ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی ہے۔

۲۷۲ صفاحت کی اس ضخیم کتاب میں کل ۳۴ ڈرامے جمع کر دیے گئے ہیں۔ حصّہ اوّل میں تاریخی واقعات پر مبنی ۱۹ ڈرامے شامل ہیں۔ حصہّ دوم میں ۱۵ ڈرامے شامل ہیں۔ جو اسکولی بچوں کی شرارتوں، شوخیوں اور ان کے کارناموں پر مشتمل ہیں۔

ڈاکٹر خوشحال زیدی نے ادبِ اطفال پر قابلِ ذکر کام کیا ہے۔ انہوں نے اپنے جائزہ اردو

کے نمائندہ ڈرامے مین چند ایسے ڈرامے نگاروں کا نام دیا ہے جو اپنی قلم سے بچّوں کے ڈراموں میں مسلسل اضافہ کرر ہے ہیں۔

اردو زبان دنیا کی دوسری ترقّی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں کم سن سہی، لیکن بے بضاعت ہر گز نہیں ہے۔اس حقیقت کی مظہر اردو کے وسیع دامن میں نثر و نظم کی وہ رنگا رنگ کائنات ہے جس میں قومی تہذیب وتمدن اورادب وثقافت کی دنیا ئیں آباد ہیں۔ اس زبان کی مختلف اصناف میں اظہار وابلاغ شستگی وشائستگی اور شیرینی ومعنویت یوں جلوہ نما اور رونق افرراد ہے۔ابتدائی ادوار میں مکتبوں اور مدرسوں کی کرامت اور ان میں درس کے نظام میں جہاں نفسیات کے علم اوراس کے اصولوں کی تدوین کا تصوّر بھی عنقا تھا۔وہاں سوچے سمجھے اور طے شدہ مقاصد اور منصوبوں کے تحت نہایت منظّم اور منضبطہ طریقوں سے زبان کی تدریس کا اہتمام کیا جا تا تھا۔بچّوں کا ذہنی، جزباتی ارتقاء اوران کی پرورش و پرواخت اوران کی علمی وعلمی استعداد بڑھانے کے لیے جن خطوط پر کس خلوص لگن سے کام کیا جا تا تھا،اس کا اندازہ اس دور کے مکتبوں میں پڑھائی جانے والی کتب،قادر نامہ کی طرز کی نظموں اور کتا بچوں بلکہ رسالوں کی نوعیت اور مواد کا مطالعہ کرنے سے ہوسکتا ہے۔

آزادی کے بعد قومی سطح پر ادب ایک تعطّل اور جمود کا شکار رہا۔اوراس دوران قوم نونہالوں کی تربیت اوران کے قومی کردار کی تشکیل وتعمیر کرنے کے نام پر ان کے لیے ادب کی تخلیق میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا چند ایک رسائل کا اجراء کچھ کتب کی اشاعت اوراسی طرح کچھ کوشش اس بڑے مسلہ کو حل کرنے میں نا کام رہیں۔

اردو زبان میں ادبِ اطفال کی روائت بہت پرانی ہے ہماری زبان میں بچّوں کے ادب کی تخلیق ہر دور میں ہوئی ہے۔مختلف عوامل اور حالات کے پیشِ نظر راس کی قیمت اور کیفیت بھی افراط تفریط کا شکار رہی ہے۔جو ’’ادبِ اطفال‘‘ کی تخلیق میں اپنی اپنی کوشش کیے جارہے ہیں ان میں سے

کوئی صاحبِ کتاب ہوئے، کوئی انعام یافتہ قرار پائے، کوئی بچّوں کے ادیب کہلائے۔لیکن کیا ادب کی تخیق کا یہی مقصد ہے؟ کیا ایک نسل کی تربیت کرنے والا ادب ایسے ہی سلوک اور پز یرائی کا سزاوا ہے۔ادبِ اطفال تو مزید کئی مثبت مقاصد رکھتا ہے۔یہ صرف بدنما نہیں راہنما بھی ہے۔یہ بچّوں میں زبان وادب کے لیے شوق ودلچسپی کو بڑھاتا ہے۔ان کے زوق کی پرداخت کرتا ہے تفریح کا م سامان کرتا ہے۔بچّوں کا دوست اور رفیق ہے۔روایتی دور میں بچّوں کے ادب اور ان کی کہانیوں کی ایک اپنی افسانوی دنیا رہی ہے۔وہ مکتب اور رسالے جو بڑی عرق ریزی سے تخلیق کیے جاتے تھے، اس درجہ محدود نہیں تھے جتنی فی زمانہ نصابی کتب ہوا کرتی ہیں۔ان میں حروف اور اعراب کی شناخت اور لفظوں کی ساخت سے متعارف کروانے کے بعد الفاظ کے تلفّظ اور محلِ استعمال کا سلیقہ سکھایا جاتا تھا اور بعد میں تحریر وتقریر میں انشاء پردازی، معنی آفرینی اور بلاغت کے اوصاف کی پرداخت کی طرف خصوصی توجہّ دی جاتی تھی۔

سابقہ نصف صدی اور حالیہ صدی میں رفتار بدلتے حلات نے علوم کو بے پناہ وست اور گہرائی دی ہے، جستجوں اور تحقیقی کا سفر مسلسل اور مستقل طور پر جاری ہے، ایسے میں اظہار وابلاغ کی نئ راہیں، نئے سانچے، نئے رویے ناگزیر تھے۔مولانا محمد حسین آزاد کی نیچیریت سے آگہی اور اس سے متاثر ومرعوب ہونا فطری بات تھی۔یہ وقت کا تقاضا تھا۔قدماء کے بعد آزادؔ، حالؔی اور مولوی محمد اسماعیل میرٹھی نے یوروپی زبانوں، باخلوص انگریزہ زبان کی تقلید اور تتبع میں سادگی اور پزکاری کو مطمحِ نظر بنایا۔زبان کو ایک نئ وسعت، ہمہ گیری اور لوچ سے آشنا کیا۔سادہ رواں، عام فہم نثر اور نظم پڑھنے اور سننے کو ملی جس نے ہمیں جزبات، محسوسات اور خیالات وواقعات کی داستانوں کی غیر ارضی، فراضی اور پرافسوں وخیالی فضا سے آزاد کر کے زمین پر حقائق کے روبرو لا کھڑا کیا۔

فارغ البالی لیکن محکومی کے اس دور میں، ان فن کاروں کے دل روشنی سے معمور تھے۔انہوں نے جس خلوص، محنت اور لگن سے اعلٰی تہذیبی اور ادبی قدروں کو سینے سے لگائے رکھا اور اسے ادب

کے واسطے سے آئندۂ نسلوں تک منتقل کرنے کا جتن کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔لیکن جتنی تیزی سے حلات تبدیل ہوئے جتنی تیز رفتاری سے قوم بے ترقی کے منازل طے کیے،اتنی ہی تیزی سے قومی سطح پرلسانی ،تہذیبی اور ثقافتی تبدیلیاں رونما ہوتی گیں ۔آزادی کے بعد ملک وقوم کی تعمیر نو اور ترقی کے لیے جس صبر آزما دور سے ہم گزرے اس میں مصروفیت ،محنت اور قیام واستحکام کی مسلسل دور نے نے ہم کوئی اہم اور ناگریز ذمہّ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی مہلت نہیں دی۔ان میں ایک اہم ترین ذمداری تھی ،نئی نسل کی تربیت۔ یہ درست ہے کی آج بظاہر تعلیم کی ہر طرح کی سہولیت ان کومل رہی ہے ،اور یہ مسلسل ترقی کی راہ پر قدم بڑھا رہے ہیں ،لیکن وہ علم وزوق جو ان کو آزاد ،ذمہ دار،مفیداور کارآمد شہری بناتا ہے کیا یہ علم ان کو مِلا ہے؟ اقدار سے وابستگی ،دین ومذہب ،تہذیب وثقافت سے واقفیت کے لیےان بچّوں کے لیے بہترین اور موثر ذریعہ ادب ہے بچّوں کا ادب ادبِ اطفال میں رسائل اور مِنی کتابوں کے واسطے سے خاصی تخلیقات منظرِ عام پر آئیں۔بعد اس رجحان میں اضافہ کے ساتھ ساتھ بچّوں کے لیے کہانیوں نظموں اور ڈراموں وغیرہ کے مجموعہ بھی اشاعت پزیر ہوئے آج بھی بچّوں کے ادب کے تخلیق کاروں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہاہے۔ناموں کی تفصیل کئے بغیر کہا جاسکتا ہے ،کہ بے شمار مصنفین نے راست یا بالواسط طور پر اپنی تخلیقات میں بچّوں کی دلچپسی اور شوق کے پیش نظران کی تعلمی وتربیتی ترقی کے لیے کسی نہ کسی نوع اپنے فرض کوانجام دیا ہے۔رویندر ناتھ ٹیگور کہتے ہیں دنیا میں بچّے جیسا قدیم کچھ نہیں ہے۔ملک زمانے اور روایات کے ساتھ معاشرہ میں ہزار تبدیلیاں ہوئی ہیں لیکن بچہّ جیسا ہزاروں سال پہلے تھا،ویسا ہی آج بھی ہے۔اس کا مزاج وہی ہے،اس کے فطری میلان وہی ہیں۔بچّوں کے لیے کہانیوں اور لوریوں کا وہی رول ہے،اس کے فطری میلانات وہی ہیں۔بچوں کے لیے کہانیوں اور لوریوں کا وہی رول ہے جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہیں۔اورآج بھی اسے وہی لطف وہی مٹھاس اور وہی خوشی ملتی ہے جسے پہلے ملتی تھی۔'' نریش چندر سکسینہ سِنگ اس سلسلے میں کہتے ہیں:۔آزادی سے قبل ادبِ اطفال میں جب الوطنی اور قومیت کے عناصر خاص تھے خصوصاً شعری تخلقات میں آذادی کی گونج ہوا کرتی

تھی۔آزادی کے بعد ادبِ اطفال کے مصنوعات بھی بدلے ۔آزاد ملک اور جمہوری نظام کے مقابلے کے لیے ذمہ دارعوام کوتیاّر کرنے اورنئ نسل کوملک کی ترقّی سے جوڑنے کا کام شروع ہوا۔۱۲

۱۸۱۱کے چارٹرایکٹ کے بعد بھارت میں پرائمیری تعلیم کےفروغ کی کوشش کا آغاز ہوا۔ نصابی کتب تیارہوئیں۔''عابد سہیل بچوں کےادب میں حیرت کےعنصر کےتعلق سے کہتے ہیں۔''وہ لوریاں ہو یا کہانیاں،نظمیں ہو یا گیت ،معلوماتی کتابیں ہوں یا چٹکلے حیرت واستعجاب ان میں کسی نہ کسی شکل میں ضرورموجودرہتا ہے۔کہیں یہ جانوروں کی شکل اختیار کرتا ہے،کہیں دیواور بھوت کی کہیں جنوں کی،کہیں پریوں کی،کہیں بادشاہ کے بے پناہ خوبصورت دربار کی،جہاں بادشاہ کے تالی بجاتے ہی جو چیز وہ چاہتا ہے حاضر ہوجاتی ہے۔کہیں پنچ تنتر کے چالاک خرگوش کی کہانی جس میں وہ ایک خوخوار شیر کوغصہّ دلاکر کنوئیں میں چھلاگ لگانے پرمجبور کردیتا ہے۔۔۔صحیح پوچھیں تو بچّوں کےادب میں حیرت کاعنصرہی بچّوں کواس سے جوڑتا ہے۔''

ماضی میں ادیبوں نے بچوں کےادب پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا ایک پہلوں اصلاحی وتر بیتی ہوتا تھا۔کھلونا،پیامِ تعلیم ،وغیرہ رسائل بچوں کےساتھ خاندان کے لئے دلچسپی کا باعث رہے ہیں ۔گھر کا ہرفردان میگزین سے لطف اندوز ہوتا رہا ہے۔''اچھاساتھی''''اچھارسالہ''ہےاس کی ادارت میں محترم سراج الدین ندوی ہیں ۔ماضی میں بچوں کے لئے نانی دادی کی کہانیاں جس میں ادب دینیات کا خزانہ ہوتا تھا یہ کہانیاں نسلوں درنسلوں سنائی جاتی رہی ہیں ۔آج بھی ہمارے د یہاں توں گاؤں میں یہ سلسلہ جاری ہے ۔موجودہ دور میں بچوں کوزیادہ تر کامکس کارٹونس ساتھ ہی سائنسی ادب جسے کارٹون میں پیش کیا جائے تو بچے کو پڑھنے میں کافی دلچسپی ہوگی ۔غرض کہ بچوں کے ادب میں یاان کےموضوعات اتنے وسیع ہیں کہ شاید ہی کسی اورصنف ادب میں دیکھنےکوملیں۔گزشتہ دیڑھ سوسالہ تاریخ ادب اطفال پرنظر ڈالیں تواس بات کو ماننے سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ بچے کہانی کوزوق وشوق ومکمل دلچپسی کے ساتھ سنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بچوں کی صنف میں کہانی کو اولین

مقبولیت حاصل ہوئی ۔ادب اطفال کے ماہرین کا خیال ہے ادب اطفال میں جونثری ادب تخلیق پاچکا ہے اس کا بیشتر حصہ کہانیوں پر مشتمل ہے ۔ادب اطفال کے تخلیق کاروں خاص طور پر خواتین اورادب اطفال پرنظر جاتی ہے یا ہم اس کی بات کرتے ہیں تو ایک طرح سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔شایداس کی یہ وجہ بھی رہی ہوگی کہ بچوں کا ادب تخلیق کرتے ہوئے ادیب کوکبھی کبھی مکمل کامیابی نہیں ملتی ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں نے قلم کاروں بچوں کی نفسیات سے مکمل واقفیت ضروری ہے بچوں کا ادب جس قدر آسان سمجھا جاتا ہے اسی قدر مشکل کام بھی ہے ۔چنندہ خواتین لیلا،خواجہ، بانوا،حجاب،امتیازعلی،قدسیہ زیدی،عصمت چغتائی،اے آر خاتون ن،عفت موہانی،صالحہ عبدحسین جیلانی بانو،خدیجہ مستور،بانوسرتاج،عطیہ پروین جنہوں بے بچوں کے لئے اخلاقی ذہنی درسی سماجی مزاحیہ اورتفریحی کہانیاں قلم بند کی ۔قدسیہ زیدی،آصفیہ مجیب قرۃالعین حیدر،رضیہ سجاد ظہیر،اے آر خاتون،عفت موہانی،عصمت چغتائی،واجدہ تبسم،رفیعہ منظورالامین، جیلانی بانو،اشرف صبوحی،ثریا فرخ،کشور باہیداورقمرقدیرارم جیسی بے شمار قلمکاروں نے اردوادب اطفال کواپنی تخلیقات سے نوازہ ہے۔چندایک خواتین کی ادبی کاوشوں کا بھی ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

عصمت چغتائی:۔اردوادب میں ایک سحرانگیز نام رہاہے۔آپ نے ادب عالیہ کے ساتھ ساتھ ادب اطفال پربھی کافی لکھاہے۔عصمت چغتائی دیگرعصری مسائل کے ساتھ بنیادی اخلاقی تعلیم وتربیت پرلکھاان کا مقصدرہاہے جس سے کہ آنے والی نسلوں کی رہنمائی میں صحیح حصّہ انہیں مل سکے۔ان کی کہانیوں میں خاص کرنادان ٹیچرکوخاص مقام حاصل ہے وجہ ایک ہی ہے اس کہانی کے زریعہ طلباء کی بچوں نفسیات طلبا اوراساتزہ کے درمیان کامقدّس رشتہ جو دورحاضر میں استاد کے معنی بھولتا جارہاہے اس کہانی میں کینواس پرکھینچنے کی ایک کامیاب کوشش ہے ان کا بچوں کے لئے لکھنے کا اندازسادہ اورسلیس ہے روزمرہ کی عام بول چال میں پڑھنے کا اورہی مزہ دیتاہے۔ناقدین کہتے ہیں شہرہ آفاق مصنفہ ادب اطفال کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں ۔جیلانی بانو نے ناول ناولٹ اور

افسانہ نگاریعنی ادب علیہ کے ساتھ ساتھ ادبِ اطفال کے لئے بھی بے شمار کہانیاں اور مضامین قلمبند کرتے ہوئے بچوں کے نثری ادب میں طنز ومزاح کی کمی کو پرا کرتی ہیں۔آپ کی طبع زاد کہانیوں، رسالہ، کھلونہ اور دیگر رسائل کی زینت بنتی رہی ہیں۔ان کی کہانی جادو کا پٹارہ کو کافی پسند کیا اور سراہا گیا ہے۔زینت نقوی نے ادب اطفال کی خواتین قلمکاروں میں زینت نقوی کا نام محتاج کا تعارف نہیں۔زینت بے مختصر مدّت میں ادب اطفال کے لئے کافی کچھ لکھا ہے۔زینب نقوی بے کہانیوں کے علاوہ بچوں کے لئے ڈرامے، فیچر اور مضامین کے علاوہ ٹی وی سیریل بھی قلمبد کئے ہیں۔ ان کا ادبی سفر آج بھی جاری ہے۔

ادب اطفال میں بانو سرتاج کا نام محتاج کا تعارف نہیں۔انہوں نے بچوں کے لئے ڈرامے ناول کہانیاں اور نظمیں لکھیں۔بانو سرتاج نے اپنی کہانیاں کے زریعہ بچوں میں قومی یکجہتی اور حب الوطنی کے جزبے کو بچوں کی زبان میں بچوں تک پہنچانے کی اچھی کوشش کی ہے۔بانو سرتاج نے بچوں کی کہانیوں کو اخلاقی اور اصلاحی پہلو کو ہمیشہ پیش پیش رکھا ہے۔بانو سرتاج کی کہانی انوکھی شرارت اس کی بہترین مثال ہے۔بانو سرتاج کے لکھنے کا انداز سیدھا سادھا اور بیانیہ ہے اسی لئے ان کی کہانی قاری پار گہرا اثر چھوڑتی ہے۔

کشور ناہید:۔ان کی کہانیاں روایتی اور پریوں کی کہانیاں ہوتی ہیں کشور ناہید کی کہانیاں آپ بیتی اور جگ بیتی کے ساتھ سفر ناموں اور سوانح عمریوں پر مشتمل ہوتی ہیں کشور ناہید نثر کے ساتھ بچوں کے منظوم ادب میں بھی خوب لکھا ہے۔کشور ناہید بچوں کے لئے اصلاحی وتربیتی کہانیاں لکھتی ہیں۔ادب اطفال کی کہانیوں کا مقصد اخلاقی تعلیم وتربیت ہونی چاہئے تا کہ بچوں کی فکری فطری صلاحیتوں کو اور ان کی قوت متخیلہ کو ابھارا جا سکے۔ان کہانیوں میں کسی حد تک مبالغہ آرائی ورنگ آمیزی نہایت ضروری ہے تا کہ بچوں کو کہانی پڑھنے میں دلچسپی پیدا ہو سکے۔ساتھ ہی کہانیوں کا اہم مقصد حب الوطنی باہمی اتحاد اور قومی یکجہتی کے جزبات کو ابھارنے کے ساتھ نفرت عداوت تعصب

تنگ دلی اور بے رحمی کو دور کرتا ہو۔ پرفیسر عبدالواسع لکھتے ہیں۔ بچوں کے لئے لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کا ذہن معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ تنقیدی بھی ہوتا ہے۔ جو بات بچوں کے دل کو تسکین پہنچاتی ہے۔ اس کو تو بے چوچا قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جس سے انہیں تسکین نہیں پہنچتی اسے شاید ہی قبول کرتے ہیں۔ آج نئی نسل کی افذائش تعلیم وتربیت ایک بڑا مسلہ بن کر کھڑا ہوا ہے۔ کیونکہ آج کا بچہ بچہ نہ ہوکر جوان ہوگیا ہے۔ آج کے بچے نے اپنا بچپن کہیں کھودیا ہے۔ آج بچہ پالنے میں ہی بڑا ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے آج ادب اطفال بھی دورا ہے پر کھڑا ہے۔ آج اس قدر تفریح کا سامان مہیا ہورہا ہے اس درمیان بچے کو کتابون سے زیادہ دلچسپی ٹی وی پر ہے کیونکہ وہ ٹی وی میں رگین مناظر کے ساتھ اپنے پسندیدہ کامک کرداروں کو جیتا جاگتا پردے پر دیکھ رہا ہے اور لطف اندوز ہورہا ہے۔ اتنا ہی نہیں آج کا بچہ انٹرنیٹ، لیپ ٹاپ سے بھی زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ ٹی وی تو الگ بات ہے آج کا بچہ اپنے موبائل میں ہر طرح کا اشتہار کھیل کودیا کوئی فلم انگلی کی نوک پر دیکھ سکتا ہے۔ آج کا بچہ صرف ہندستانی بچہ نہیں پیدا ہوتا وہ بھی گلوبلائزشن ہوجاتا ہے۔ وہ ماں کی گود نانی کا پالنا ابو کی انگلی بہن کی کمر بھیا کا کاندھا جس پر وہ سوار ہوتا تھا وہ سب عنقا ہورہا ہے۔ اس کو واپس لانے کے لئے سماج معاشرے خاندان اور حکمتوں کو مل کر لائحہ عمل تیار کرنا اور اس پر سخت لیکن آسانی سے قبول کرنے والا Literature تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بچوں کے والدین کو زیادہ وقت اپنے ننھے بچوں کی تربیت کے لئے بھی نکالنے کی ضرورت ہے۔ بچوں کو ٹی وی کے ماحول سے نکال کر سیر وسیاست تفریح خاص کر پیڑ پودے جانور سے واقفیت اور پا کیزہ ماحول میں، گزارنے کی بھی ضرورت ہے۔ ماں، کلب، سنیما جسی واہیات کلچر سے دور رکھنا بھی ضروری ہے گھر میں ایک خصوصی رنگ برنگی کونہ وہاں مختلف رنگوں سے رنگا ہوا اشیلف جس میں بچوں کی کتابیں، ننھی سی لائبیری بنائیں جس کا بچوں کی کتابوں سجائیں جو آسان ہوں سمجھ میں آنے والی ہوں اور ایک خاص وقت بچوں کے لئے مقرر کریں۔ دن میں ایک گھنٹہ کتابوں کے لئے وقف کریں ۔ جن میں بچوں کے رسالے دینیات کی کتابیں قصص الانبیاء اور جانوروں کی تصاویر کے ساتھ

کیا نیاں ہوں۔اس کارنر کو بہادر بچوں کا نام دے دیں۔مقصد صرف ایک ہونسل نو کی تربیت مکمل صحیح ڈھنگ سے کی جائے تا کہ یہ مستقبل کے روشن چراغ ثابت ہوں آمین ثمہ آمین۔ایک اچھا انسان اچھا شہری اچھے مستقبل کا رہنما ثابت ہو۔دورِحاضر میں ادب اطفال کی جانب سے تھوڑی بہت چشم پوشی ضرور کی گئی حالانکہ یہ نونہالوں کی ہمہ جہتی ترقی کرتا ہے۔ادب اطفال کی اہمیت سے انکار کسی کو نہیں ہے۔اور نہ ہوسکتا ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ جن کے لئے لکھا جارہا ہے کیا وہ اس سے استفادہ کر رہے ہیں؟ یقیناًاس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ آج کے نونہال ان کہانیوں کو کتابوں کے صفحات سے باہر نکل کر اسکرین پر دوڑتے بھاگتے دیکھنا چاہتے ہیں۔مختلف گیمز میں ریموٹ کے زریعے خود کو شامل کر کے اپنے ہیرو کو خود منزل مقصود پر پہنچانہ چاہتے ہیں۔ان نونہالوں نے قلمکاروں کے ہاتھوں سے قلم چھین کر اسے ریموٹ میں تبدیل کر دیا ہے۔اور اب وہ خود دشمن سے کہے یا برائی سے کہے اپنا انتقام خود لیکر اپنی تسکین کرنا چاہتے ہیں۔تو ایسے حالات میں جب کہانیوں ،ناول اور ڈراموں کے ڈیوایئس بدل گئے ہوں۔تو قلم کار صفحات کیوں سیاہ کریں۔اب ان حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ والدین اپنے بچوں میں مطالعہ کی عادت کی اہمیت بتاتے ہوئے اسے فروغ دیں۔یہ ذمہ داری صرف ان کی ماؤں کی نہیں بلکہ ان کے والد اور اہل خاندان کی بھی ہوگی۔ہوٹل ،گلی ،نکڑ اور پان کی دکانوں پر کھڑے ہوکر رات کے ۲ بجے تک تضیع اوقات کرنے کی بجائے اپنے بچوں کے ساتھ گھر کے دیوان خانے میں بیٹھ کر ان کی کہانیوں میں شامل ہوکر ان کے اخلاقی اقدار کی تعمیر کی جائے۔ دوسراایک نظریہ یہ بھی ہے کہ جو قلمکار اعلٰی معیاری ادب میں اپنا نام روشن نہیں کر سکتے وہ کم ازکم ادب اطفال کے لئے مختص ہو جاتے ہیں۔دوسرے معنوں میں انہیں کمتر درجہ کا سمجھا جاتا ہے۔اس لئے بھی آج خواتین قلمکار جو ادب اطفال پر اپنی تخلیقات تحریر کرتی ہیں انہیں حاشیہ پر رکھ دیا گیا ہے۔ شاید یہ وقت کا تقاضہ ہے کہ ادبِ اطفال پر مبنی تصانیف کو زیادہ سے زیادہ انعامات اور ایوارڈ سے نوازا جائے اور اسکول و کالج کی لائبیریوں کو ان سے مزین کر دیا جائے ساتھ ہی مطالعہ خوانی کے پیریڈ میں اضافہ کر کے اس کی اہمیت سے آج بھی طلباء کو مزید روشناسی کی ضرورت ہے۔خواتین قلمکاروں کو بھی

چاہئے کہ وہ اپنی تخلیقات میں بچوں کی نفسیات اوران کے بدلتے ہوئے ذہن کوبھی مدِنظر رکھیں
کیوں نکہ ہر۱۰سال بعد آنے والی نسل تعمیری وتقریبی تغیرات کے ساتھ کرۂ اض پرقدم رکھتی ہیں اس
لئے ادبا وشعراء کواس جدید ذہن کے ساتھ ہم آہنگی قائم رکھنی ہوگی ۔تب ہی ان کی تخلیقات موثر
ثابت ہوگی ۔ورنہ لائبیریوں کی لاکھوں کتابوں سے دیمک تو استفادہ کرے گی ہی۔وہ کتب اور
رسالے جو بڑی عرق ریزی سے تخلیق کئے جاتے تھےاس درجہ محدودنہیں تھے۔زمانہ نصابی کتب ہوا
کرتی ہیں ان میں حرف اوراعراب کی پہچان اورالفاظوں کی بناوٹ کا تعارف کرانے کے بعدالفاظ
کے تلفظہ اورمحل استعمال کا سلیقہ سکھایا جاتا تھا۔اور بعد میں تحریروں کی جہاں اشاء پردازی ،معنی
آفرینی اور بلاغت کے اوصاف کی پرداخت کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی تھی ۔تب اوران میں
بڑافرق ہے بعدزمانی ہی نہیں بُعد ذہنی بھی ہے،اوّل نصف صدی اورحالیہ صدی میں تیز رفتار بدلتے
حالات بےعلوم کو بے پناہ وسعت اور گیرائی دی ہے ۔جستجوں اور تحقیق کا سفرمسلسل اورمضنوطہ طور
پرجاری ہے۔ایسے میں اظہار،ابلاغ کی نئی رائیں نئے ساچے،رویے ناگریز تھے۔مولانامحمدحسین
آزادی کی نیچریت سے آگہی اورمتاثر ومرعوب ہونا فطری بات تھی یہ وقت کا تقاضا تھا۔قدمار کے
بعدآزاد،حالی اورمولوی محمداسماعیل میرٹھی نے یوروپی زبانوں ،بالخصوص انگریزی زبان کی تقلیداور
تتبع میں سادگی اور پارکاری کومنظمع نظر بنایا۔زبان کوایک نئی وسعت ہمہ گیری اورلوچ سے آشنا کیا۔
سادہ رواں ،عام فہم نثر اورنظم پڑھنے کواور سننے کوملی جس بےہمیں جزبات محسوسات اورخیالات و
واقعات کی داستانوں کی غیرارضی اور پرافسوں خیالی فضا سے آزادکرکے زمین پرحقائق کے روبروں
لاکھڑا کیا۔فارغ البالی لیکن محکومی کے اس دور میں ان فن کاروں کے دل روشنی سے معمور تھے۔
انہوں نے جس خلوص،محنت اورلگن سے اعلٰی تہزیبی اورادبی قدروں کو سینے سے لگائے رکھااورا سے
ادب کے وسیلے سے آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کا جتن کیا وہ اپنی مثال آپ ہے ۔لیکن جتن تیزی
سے حالات تبدیل ہوئے جتنی تیز رفتاری سے قوم بےترقی کے منازل طے کیے،اتنی ہی تیزی سے
قومی سطح پرلسانی تہذیبی اورثقافتی تبدیلیاں رونما ہوتی گیں۔آزادی کے بعد ملک ،وقوم کی تعمیرنواور

ترقی کے لئے جس صبر آزما دور سے ہم گزرے سا میں مصروفیت ،محنت اور قیام واستحکام کے مسلسل تگ ودر نے ہم کوئی اہم اور ناگریز زمہ داریوں سے عہدہ برآ سونے کی مہلت نہیں دی۔ان میں ایک اہم ترین زمہ داری تھی ،نئ نسل کی تربیت کسی بھی قوم میں بچے ہی اس کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی مناسب تعلیم موزوں خطوطہ پر تربیت پرورش ونگہداشت سے ہم تعلیم سے بہرہ مند ،ترقی یافتہ اور مفید وکارآمد قوم کی تعمیر کا تصور کر سکتے ہیں۔زبان وادب ،قوم کے بچوں میں ان کی تہذیب وثقافت اوراعلیٰ اقدار کے تعارف اور شناخت کا ذریعہ ہوتے ہیں آزادی کے بعد قومی سطح پر قوم کے نونہالوں کی تربیت اوران کے قومی کردار کی تشکیل وتعمیر کرنے کے نام پر ان کے لئے ادب کی تخلیق میں ایک ٹھہراو پیدا ہوگیا چندایک رسائل کا اجزاء کچھ کتب کی اشاعت اوراس طرح کچھ کوششیں اس بڑے مسلہ ءکوحل کرنے میں ناکام رہیں۔یہ درست ہے آج بظاہر تعلیم کی ہرطرح کی سہولیت ان کو مل رہی ہے،اور یہ مسلسل ترقی کی راہ پر قدم بڑھارہے ہیں۔لکین وہ علم وہ زوق جوان کوآزاد، ذمہ دار مفیداور کارآمد شہری بناتا ہے۔کیا یہ علم ان کو ملا ہے؟اقدار سے وابستگی ،دین ومذہب ،تہذیب وثقافت سے واقفت کے لئے ان بچوں کے لئے بہترین اور موثر ذریعہ ادب ہے۔بچوں کا ادب اردوزبان میں بچوں کے ادب کی تخلیق ہر دور میں ہوئی ہے مختلف عوامل اور حالات کے پیش نظراس کی کمیت اور کیفیت بھی افراط وتفریط کا شکاررہی ہے۔لیکن آزادی کے بعداور خصوصاً موجودہ دور میں یہ مسائل کی کھیپ اپنے ساتھی لائی ہے۔ادب اطفال میں رسائل اور منی یامنّی کتابوں کے واسطے سے خاص تخلیقات منظرِعام پر آئیں۔بعداس رجحان میں اضافہ کے ساتھ ساتھ بچوں کے لئے کہانیوں نظموں اور ڈراموں وغیرہ کے مجموعہ بھی اشاعت پزیر ہوئے۔آج بھی بچوں کے ادب کی تخلیق کاروں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہاہے۔ناموں کی تفصیل میں گئے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ بے شمار مصنفین نے راست یا با لواسطہ طور پر اپنی تخلیقات میں بچوں کی دلچسپی اورشوق کے پیش نظر،ان کی تعلمی وتربیتی کے لئے کسی نہ کسی نے تو اپنے فرض کوانجام دیا ہے۔

بچوں کے ادب کی تخلیقی ادب کی دوسری اصناف کی طرح خون کا اخراج مانگتی ہے ۔اس کے لئے عرق ریزی اور جگر کاوی اولین شرائط ہیں ۔ ہر بڑے ادیب بچوں کے لئے ان کے دلچسپ موضوعات پر لکھنے کے لئے وقت دیا بڑے ادیبوں نے تو اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ پھر ایک طویل مدت تک سینکڑوں مصنفین کی مسلسل کاوشوں کے بعد بھی آخر منظر کیوں نہیں بدلا ہے؟اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ موجودہ نسل صحت منداقدار اور تہذیبی اور ثقافتی قدروں سے اس قدر بہرہ مند نہیں ہے جتنی ہم نے امید کر رکھی تھی۔آخر کیا وجہ ہے کہ اپنا وقت ، اپنی توانائی ، اپنی ذہانت اور بہترین صلاحیتوں کو اس میدان میں کھپا کر بھی یہ مصنفین نامقبول رکم ازکم بچوں کے ادیب کی حیثیت میں اور ان سعی نامشکور رہتی ہے ۔کوئی اکادمی ،کوئی بیوریو،کوئی انجمن یا کوئی بورڈ انہیں سند تحسین کی سے نوازتا ہے، مالی امداد یا تعاون دیتا ہے،انعام دیتا ہے اور بس!

مراد یہ ہے کہ قلم کاروں کی جانب سے پزیرائی ہوئی ،اکادمی ،انجمنوں ،اداروں کی جانب سے عزت افزائی ہوئی لیکن جن کے لئے یہ ادب تخلیق کیا گیا تھا ان کا ردعمل !وہ جن کے ذوق وشوق ،جن کی عمر ،جن کی ضرورت اور جن کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر یہ ادب تخلیق کیا گیا،ان کی جانب سے کوئی داروتحسین قبولیت ، و پزیرائی تو کجا،کوئی ہلچل نہیں ۔ یہ خاموشی کیسی ہے؟اس خاموشی کا جواز کیا ہے ۔دوسری جانب بچوں کا معصومانہ رویہ ہے کہ ان میں صاحب کتاب ہوئے کئی انعام یافتہ قرار پائے گئی بچوں کے ادیب کہلائے لیکن کئی کی تخلیق کا یہی مقصد ہے؟ کیا ایک نسل کی تربیت کرنے والا ادب ایسے ہی سلوک کا سزاوار ہے ۔ادبِ اطفال تو مزید کئی مثبت مقاصد رکھتا ہے یہ صرف بادنما نہیں رہنما بھی ہے ۔زبان وادب کے لئے شوق ، دلچسپی کو بڑھاتا ہے ۔ان کے زوق کی پرداخت کرتا ہے ۔بچوں کا دوست اور رفیق ہے ۔مغربی ممالک میں stands کے منتظم ، بڑی عمر کے قاری ، کے ساتھ ہم آہنگی قائم رکھنی ہوگی ۔تب ہی ان کی تخلیقات موثر ثابت ہوگی ورنہ لائبریریوں کی کھوں کتابوں میں جمی گرد جھاڑتے ہیں ۔بک اسٹال یا اسٹینڈ سنبھالنے والے کم علم ہوتے

ہیں ،جنہیں علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا بیچ رہے ہیں ۔جن کتب ورسائل کو وہ فروخت کے لئے اٹھائے
ہوئے ہیں وہ کس عمر کے بچوں کے لئے ہے؟ ہم بے غیر ملکی زبانوں کے ادب سے خوشہ چینی کی ،
استفادہ کیا اور کررہے ہیں ۔ یہ زندگی کے سرمایہ میں اضافہ کے لئے ضروری بلکہ مسنون اقدام ہے ۔
لیکن کیا ہی اچھا ہوتا مصنفین کی قائم کردہ صحت منداور مفید مطلب روایت اور اشاعت گھروں کی
حکمت علمی لیا جاتا ۔بچوں کا ادب کا کیف وکم ، چند شرائط کا پابند اور مخصوص معیارات کے برتنے کا
متقامیں ہے ۔اعلٰی درجہ کا ادب تخلیق کرنے کے لئے جس جگر کاوی اور دل سوزی کی ضرورت ہوتی
ہے شاید اس سے کہیں زیادہ غور وفکر ،محنت اور عرق ریزی بچوں کے لئے ادب پارے میں ہوتی ہے ۔
کسی دوسری زبان ،قوم یا ملک کے ادب پاروں کو اپنی زبان میں منتقل کر دینا بھی ایک کام ہوتا ہے ۔
تخلیق کو سمجھنا ،اس کے مقصد کو سمجھنا اور اسے مکمل ،رواں اور آسان زبان میں پیش کرنا بھی اتنا ہی اہم
کام ہے جتنا تخلیق کرنا ترجمہ نہ کر کے متن کا اخز کر لیا صحت منداقدام ہے کہ اپنے جانے پہچانے
ماحول میں کہی گئی بات زیادہ اثر انداز ہوتی ہے ۔بچوں کے ادب میں خواہ وہ کسی بھی شکل میں بچوں
تک پہنچ رہا ہو۔خواہ کتنے ہی مصنف وقلم کار اس میں لگے ہوں اس میں درجہ بدرجہ ارتقاء کا پایا جانا
بھی ضروری ہے ایک طے شدہ اور متفقہ کے تحت قلم کار ،اس طرح ادب کی تخلیق کریں کہ گزرے عہد
اور موجودہ عہد کے مختلف فن کاروں کی تخلیقات میں موضوع ،مواد اور زبان کے لحاظ سے درجہ بدرجہ
ارتقاء کی واضح طور پر نشان دہی کی جا سکے ۔خصوصاً بچوں کی عمر اور ذہنی صلاحیت کے پیش نظر لفظیات
اور ان کی تعداد متعین ہو تو یہ زین منطقی رابط پیدا کرے گا ۔حالیہ زمانے کے ادب میں اس منظقی ربط کو
اور بڑھانے کی ضرورت ہے ۔تخلیقات میں معصومیت ہم آہنگی کا عنصر منتقل ہونا چاہئے ۔سلاست و،
روانی کے باہم لطیف جزبات کی ترجمانی اور الفاظ کی متاسب ترتیب ہونا ادب اطفال کے لئے لازمی
ہے ۔کیونکہ یہ ادب بچہ کی کردار سازی کے اہم کام کو انجام دینے میں اہم رول ادا کرتا ہے ۔ بلکہ اس
کی شخصیت کی تکمیل انسان دوستی کے پیغام کو اس کی رگوں میں جاری وساری کرنے میں معاون ثابت
ہوتا ہے ۔

حواشی:

۱ ۔ ڈاکٹر خوشال زیدی، اُردو کی درسی کُتب میں حُبّ الوطنی بزمِ خضرِ راہ، نئی دہلی، ص ۳۵

۲ ۔ ڈاکٹر خوشحال زیدی، ’’اردو کی درسی کُتب میں حُب الوطنی‘‘ بزمِ خضرِ راہ، ص۔۳۸

۳ ۔ ڈاکٹر خوشحال زیدی، ’’اردو کی درسی کُتب میں حُب الوطنی‘‘ بزمِ خضرِ راہ، ص۔۳۸

۴ ۔ ڈاکٹر خوشحال زیدی، ’’اردو کی درسی کُتب میں حُب الوطنی‘‘ بزمِ خضرِ راہ، ص۔۳۹

۵ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی ص ۱۴

۶ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی، ص۔۱۵

۷ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی، ص۔۱۷

۸ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی، ص۔۱۱۶

۹ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی، ص۔۱۱۵

۱۰ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی، ص۔۱۱۶

۱۱ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی، ص۔۱۱۷

۱۲ ۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ایجوکیشنل پبلشگ ہاوس، دہلی، ص۔۱۴۸

باب دوم

بانو سرتاج کے سوانحی حالات

i سوانحی کوائف

ii ادب اطفال اور بانو سرتاج

سوانحی کوائف

ڈاکٹر بانوسرتاج کی پیدائش ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ بمقام پانڈھرکوڈا، ضلع ایوت محل مہاراشٹر میں ہوئی ان کی مادیری زبان اردواور دیگر زبان جن کا انہیں علم ہیں ہندی، مراٹھی، انگریزی زبان ہے۔ ان کے والد صاحب شاہ محمد ابراہیم اتر پردیش کے پرتاپ گڑھ سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ ملازمت مہاراشٹر آئے اور یہی کے ہوکر رہ گئے۔ تحصلیدار کے عہدہ سے آغاز کیا۔ ڈپٹی کلکٹر بنے۔

بانوسرتاج نے ایم۔اے۔اردو، ہندی ایم۔ایڈ پی ایچ ڈی (ایجوکیشن) پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما اِن گاندھین تھاٹ بھاشا سنا تک ڈپلومہ رورل سروسز یوگ پروِیش پریکشا؟ (ناسک) میں کی بانوسرتاج نے ملازمت سابق پروفیسر اینڈ ہیڈ (ایم۔ایڈ) شری سائی بابا کالج آف ایجوکیشن ۔گڑ چرولی ۔سابق ڈائریکٹر شری سائی بابا گرپ آف ایجوکیشن کالچر۔گڑ چرولی اور چندر پور سابق پرنسپل ۔جنتا کالج آف ایجوکیشن، (گرانٹیڈ) چندر پور میں کی ۔والد میمونہ خاتون شاہ مدھیہ پردیش کے ہوشنگ بادی کی تھیں ۔آگرہ میڈیکل کالج سے ایل ایم پی کی ڈگری حصل کی تھی ۔ان کی والدہ نے شادی کے بعد بطور خاتون خانہ تیرہ برس گزارے والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ نے جس حوسلہ سے ان کی پرورش کی اس کی اس کی مثال بانوسرتاج ہیں۔

ڈاکٹر بانوسرتاج کا بچپن اماّں اور ابّاکے پیار کی چھاؤں میں گزرا ان کی زندگی گزری اماں کی ممتا کے آنگن میں جب وہ ساڑھے پانچ سال کی تھی ابّا اس دنیا سے روخصت ہوگئے ۔اور اماں ۱۳ سالہ شادی شدہ زندگی اور چھ بچوں کے ساتھ زندگی کے سمندر میں جدوجہد کرنے کو تنہا رہ گیں ۔ بانوسرتاج کی اماں کی دنیا چھ بچوں تک محدود ہوگی نہ چچا نہ ماموں ۔ماموں ایک ہی تھے۔عین جوانی میں داغ مفارقت دے گئے ۔ چچا تھے مگر نہیں تھے ۔ایک خالہ تھی جو جب بھی اماں کی کشتی ڈگمگاتی آگے بڑھ کر سہارا دیتیں یہاں تک کہ بانوسرتاج اور سبھی بھائی بہن بڑے ہوگئے اور اماں کے نازک

ہاتھوں میں تھمی پتوار کو ننھے ننھے بارہ ہوتھ سہارا دینے لگے۔ان کی اماں نے جہاں اپنے آشیانے کو ان کے ابّا کی موت سے بکھرتے دیکھا وہاہ اپنے عزم واستقلال سے نہ صرف دوبارہ اپنا نشیمن تعمیر کیا بلکہ اپنے بچوں کے گھر بنتے بھی دیکھے۔''بانوسرتاج کا کہنا ہیں جب میں پیچھے دیکھتی ہوں تو میری ہر سانس میں مجھے اماں نظر آتی ہیں۔''[1]

بانوسرتاج کی تقدیر بھلے ہی اللہ کے حکم سے کاتب تقدیر نے لکھی ہو،زندگی میں رنگ بھرے ان کی اماں نے اسے سجایا سنوارا ان کی اماں نے آج اگر بانوسرتاج میں کچھ اچھا ہے تو وہ ان کی اماں کی دُعاؤں کا فیض ہے۔بانوسرتاج ان کے ابّا کی بہت چہتی تھی۔ابّا کو گول مٹول خوبصورت بچّے پسند تھے۔اس لئے ان کی لاڈلی تھی۔سرتاج بچپن میں سخت بیمار پڑھ گئی۔ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ماں کو تو ہوش نہ رہا ابّا نے اللہ سے دُعا مانگی۔مانگتے رہے یہاتک کہ اللہ نے بانوسرتاج کی زندگی واپس کردی اس کے بعد ان کے اباں انہیں ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھتے۔وہ ان کے ابّا کی جان بن گئی۔

بانوسرتاج کا رونا ان کی ذراسی تکلیف ان کے ابّا کو برداشت نہ ہوتی تھی۔ان کے ابّا کا کہنا تھا۔کی میری بیٹی تو جارہی تھی۔میں نے اسے اللہ سے مانگا ہے۔یہ عطیہ خُداوندی ہے۔ان کے اباں بانوسرتاج کو عطیہ ہی پکارتے تھے۔اونچے پورے سرخ سفید ان کے ابا جب کندھے پر بندوق رکھے گھوڑے پر سوار ہوکر نکلتے تو سب انہیں دیکھتے رہ جاتے ان کے ابا ڈپٹی کلکر تھے۔اس زمانے میں تحصیلدار،ڈپٹی کلکٹر راجہ سے کم نہیں ہوتے تھے۔بانوسرتاج کے ابّا بہت مانے ہوئے شکاری تھے۔وہ ان کے علاقہ کی تاریخی ٹرین شکنتلا سے معائنہ کے لئے جاتے تو جنگل سے گزرتے وقت چلتی ٹرین سے ہرن پر نشانہ لگاتے ان کے ابّا جنگل سے کئی جانوروں کو (جانوروں کے بچّے) کو لے آتے گھر ایک چھوٹا موٹا چڑیا گھر بن گیا تھا۔ بھالو،شیر، ہرن،مور،سارس،کبوتر،توتے،مینا،بلیّ،یہاں تک کہ چیتے کے بھی دو بچے بانوسرتاج کے گھر میں موجود تھے۔ایک چھوٹا سہ واقعہ ہیں۔بانوسرتاج کے

بچپن کا ان کے گھر میں ایک بندر تھا۔جس کا نام (yamo) تھا۔بہت چھوٹا سا تھا تب سے گھر میں پل رہا تھا۔آنگن میں خاص طور سے لوہے کی سریاں گاڑ کر اس کے لئے جھولا بنایا گیا تھا۔اس کی دیکھ بھال ایک علاحدہ ملازم کے سپرد تھی ایک روز ملازم کہیں گیا ہو تھا۔گلی کے کچھ بچوں نے اُسے آنگن کی دیوار پر بیٹھا دیکھ اُس پر پتھر مارے،یمو چڑھ گیا ان بچوں کا تو کچھ نہ بگاڑا بانو سرتاج آنگن میں کھڑی تھی کچاچا کر وہ سرتاج پر چپٹا اور کاٹ لیا۔سرتاج کی چیخ نکل پڑی انہیں اسپتال پہنچایا گیا۔ دورے سے لوٹنے پر ابّا کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ یمو کو شوٹ کرنے کے لئے بندوق لے کر دوڑے۔ اماں نے کسی طرح انہیں رُوکا۔ابّا نے اسی وقت بندر کو جنگل میں چھوڑنے کے لئے بھیجا مگر وہی ملازم جو اس کی دیکھ بھال پر معمور تھا۔اسے اپنے گھر لے گیا۔یمو نہ کے کاٹے کا نشان آج بھی بانو سرتاج کے سر پے موجود ہے۔بانو سرتاج کے منجھلے بھائی سیف الرحمٰن کی نس نس میں شرارت بھری ہوئی تھی سب کو ستاتے حالانکہ پیار بھی بے انتہا کرتے بانو سرتاج کا گھر کا نام بُو بُو تھا۔ان کے بھائی ان کو الگ الگ نام سے چھڑاتے تھے۔بانو سرتاج کی صیحت بچپن میں بہت اچھی تھی تو اسی کو موضوع بنا کر ان کو رولانے لے لئے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے۔کبھی کہتے اماں یہ سرخ سفید بُو کا اپنے گھر میں کہاں سے آ گئی۔

بچپن میں بانو سرتاج کو لہے (ایک چھوٹا سا جانور) سے بہت ڈر لگتا تھا۔کہانیوں میں پڑھتی تھی۔کہ وہ بچّوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔بانو سرتاج مغرب کے بعد آنگن میں نکلنے سے بھی ڈرتی تھی۔لاڈ پیار کی زیادتی نے بانو کو ضدی بنا دیا تھا۔ایک بار کا واقعہ ہیں۔ایک مرتبہ کچھ ایسی ضد کی کہ ان کے ابّا بانو سرتاج سے ناراض ہو گئے ان کی اماں انہیں الزم دیتی تھی کہ انہوں نے ہی اتنا بگاڑا ہے۔سزا کے طور پر انہوں نے بانو سرتاج کو گھر میں چھوڑا اور باقی بھائی بہنوں کو گھمانے لئے گئے۔مگر وہاں ان کے ابّا کا دل نہ لگا فوراً لوٹ آئے۔اور بانو سرتاج کو پکارا،عطیہ بیٹی،دیکھو ہم تمہارے لئے کیا لائے ہیں؟مگر بانو سرتاج سامنے ہوتی تو دوڑ کر جاتی سب بانو سرتاج کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر

پریشان ہوگئے ۔آخر پاشاہ بھائی (فیضح الرحمٰن) نے بانوسرتاج کوڈھونڈ نکالا اورسب کو وہاں لے گئے جہاں بانوسرتاج چھپی بیٹھی تھی ۔بانوسرتاج کے گھر میں گھوڑوں والی شاندار بگھی (ٹم ٹم) تھی۔ بانوسرتاج اس میں چھپی تھی اور ہاتھ میں چاکلیٹ کا ڈبہ تھا۔اورآس پاس چاکلیٹ کے ریپر پڑے ہوئے تھے۔غصّے میں آدھا ڈبہ چاکلیٹ کھا گئی تھی۔ان کے ابّا نے دوڑ کرانہیں گود میں اٹھالیا۔ اس کے بعدان کے ابّا بانوسرتاج کو چھوڑکر کبھی سیر کرنے نہیں گئے۔ بانوسرتاج کو بچپن میں دال چاول بہت پسند تھے ۔ابھی تک ان کی پسند ہیں ۔بانوسرتاج دال چاول کو ہر پکوان پر ترجی دیتی ہیں۔

پانڈھر کوڑے (ضلع ایوت محل)میں ان کے ابّا کا تبادلہ ہوا تھا۔کرایہ کی جس حویلی میں بانوسرتاج کی پیدائیش ہوئی تھی اسے بھہتا گھر (Haunteel House) کہاں جاتا تھا۔لوگوں نے خبر دار کر دیا تھا۔مگران کے ابّا فضول کی باتوپر یقین نہیں کرتے تھے اوران کی اماں نے بھی بانوسرتاج کے ابّا کا ساتھ دیا لیکن جب بانوسرتاج کو جب بھی غصہّ آتا تو سرکار بھائی کہتے پانڑھر کوڑے والا سر پر سوار ہوا ہے۔ بانوسرتاج کی دوسہلیاں تھی جن کا نام سیتا اور بدامی دونوں جمعدار نیوں کی اولاد تھی ۔ بانوسرتاج کو املیوں سے بہت عشق تھا (آج بھی ہے)وہ ان کے مکانات کے قریب املی کے گھنے پیڑ تھے جسے جب اسکول جاتی وہ اپنی دونوں سہلیوں کے ساتھ مل کر املیاں اکٹھا کرتیں ۔اسکول سے لوٹنے کے بعد مغرب تک کا وقت اور چھٹیوں میں تمام وقت ان کی سہلیوں کے ساتھ ہی گزرتا۔املیاں کھائی جاتیں املی کے بیج بھن کر کھائے جاتے پھرلنگڑی کھیلی جاتی ۔سیتا اور مدامی جسے پرُخلوص پیاری سہلیاں پھرکبھی بانوسرتاج کی زندگی میں نہیں آئیں۔

بانوسرتاج کی ادبی زندگی کا آغاز ساتویں آٹھویں جماعت سے شروع ہوا چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھنے لگی جوعموماً پالتوں جانوروں پر ہوتی تھی ۔ بانوسرتاج نے ان کے لایبئریری انچارج ظفر سر پر ایک کہانی لکھی جس کہانی کا نام ''سزا'' تھا۔ان کے خاندان میں دور دور تک کوئی باقاعدہ قلم کار نہیں ہے

۔مطلعہ کے سبھی دلداہ تھے۔بچوں کے بڑوں کے ادبی رسائل گھر میں آتے تھے۔یہ رسائل اور ابنِ صفی کے ناول پڑھ پڑھ کر بانوسرتاج نے لکھنا سیکھاان کے بڑے بھائی زیادہ رتر انگریزی فکشن پڑے تھے۔بانوسرتاج اور باقی سبھی اردو کے اسیر تھے اور ابھی بھی ہیں۔ان کے والد مدھیہ پردیش سے ہونے کے سبب بانوسرتاج کو ہندی سے نسبت ابتدائی ہی سے رہی بانوسرتاج اوران کے چھوٹے بھائی فیض الرحمٰن نے بچپن میں ہی ہندی سیکھ لی تھی۔اوراسکولوں میں ہندی شروع ہوئی تب تک وہ ہندی کے رسائل پڑھنے لگے تھے۔

بانوسرتاج کی کہانی ''سزا'' کھلونا میگزین میں اپریل۱۹۷۲(دہلی)میں شائع ہوئی۔ان کی اس خوبی کو دیکھ کرلا بیری ظفر سر بانوسرتاج کوزائدہ کتابیں دیا کرتے تھے۔بانوسرتاج کی پہلی تخلیق اسکول کی ایک پکنک کی روداد تھی جوانہوں نے نویں کلاس میں لکھی تھی۔اورسبھی نے پڑھی اور پسند کی اس کے بعد بانوسرتاج نے لکھنا شروع کیا۔اور یہ سفر آج تک جاری ہیں۔بانوسرتاج کوجس انعمات واعزازات سے نوازا گیا وہ ہیں ۔مہاراسٹر اسٹیٹ اردو اکادمی :۔دائروں کے قیدی (افسانے ۱۹۹۳ء)۔جنگل میں منگل (ناول)۔ذراسی کمی (افسانے ۔۲۰۰۲ء)۔ترامنوں ہوں (طنز ومزاح۔ ۲۰۰۴ء)۔اپنے ہاتھوں میں تھاماہوا میزان (افسانے ۲۰۰۹ء)۔بہادر بلی شیر کی خالہ (ایک بابی ڈرامہ۔۲۰۱۳ء) اتر پردیش اردو اکادمی :۔ذراسی کمی (افسانے۲۰۰۳ ء) ۔ماحصل (مضامیں ۔ ۲۰۰۵ء)، مآل (مضامین۔۲۰۰ء)۔

بہاراُردواکادمی :۔اس کے لئے (افسانے۱۹۹۲ء) ایک بیمارسوانار (یک بابی ڈرامے۔ ۲۰۰۲ء)۔جنگل میں منگل (ناول۲۰۰۴ء)،خطرے کا الارم۲۰۱۳ء، چلڈرن بک ٹرسٹ (دہلی) ''عید کا چاند''اور''موسم کتنے'' پرانعام۱۹۹۲ءصدرجمہوریہ ہندڈاکٹرشنکر دیال شرما سے''تیسرے راستے کے مسافر(افسانے) پر ہندی بھاشی ایوارڈ (۱۹۹۷ء)صدرراے پی جےعبدالکام سے ادب اطفال لے لئے اعزاز ۲۰۰۶ءمہاراشٹر گورنمنٹ کا پنیہ شلوک اہلیا بائی ہولکر اسٹیٹ سماج سیوا پرسکار

۲۰۱۰ء۔ دہلی اردو اکادمی کا ادب اطفال ایواڑ۔ ۲۰۱۱ء۔

مرکزی حکمت کے ادارے انفرمیشن اینڈ کمیونیکشن کی طرف سے بھارتیز و ہریش چندر بال ساہتہ پرسکار۔ لومسم کی ریل چلی ،اول انعام ۔۲۰۱۲ء۔ رن ویر سنگھ سمرتی وینگہ پرسکار(ranvir singha morial stireaward)دھروہر سنتھا کی طرف کتاب'' آنکھ کے اندھے نام نین سکھ'' برائے سال ۲۰۱۳ء۔ممبر مہاراشٹر راجیہ ہندی ساہتیہ سمیتی ۔اس کے علاوہ ہندوستان بھر کی سرکاری غیر سرکاری اداروں اور تنظیموں کی طرف سے درجنوں ایواڈ و اعزازات حاصل ہوئے۔

بانو سرتاج کے قلم کی جولانیاں اپنے شباب پر ہیں۔ بانو سرتاج کی نجی زندگی میں دیکھے تو ان کا گھر پھول پتوں کے رنگ اور کتابوں کی خوشبوں سے سجایا ہوا ملتا ہیں۔ ڈرائی اینجمنٹ کے زریعے سوکھے پھولوں کو جو مسکان دی ہے۔وہ قابل تعاریف ہیں۔بانو سرتاج کے شوہر کا نام قاضی عبدالاحد ہے۔

بانو سرتاج باورچی خانہ سنبھل لتی ہیں موسقی کا ریاض کرتی ہیں۔ باغیچے کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ٹی وی دیکھتے ہوئے ڈرائی اینج منٹ کے پھول تیار کرتی ہیں۔ پرنسپل کے عہدہ کی زمہ داریاں سمبھالتی ہیں۔

پی ایچ ڈی اسکالرس کے کاموں کی نگرانی کرتی ہیں۔شہر اور بیرون شہر ادبی کلچرل پروگراموں میں شرکت کرتی ہیں اور رات کو تخلیقی کام کرتی ہیں۔مگر کیا مجال کہ ایک مصروفیت کی وجہ سے دوسرے کام میں کوتاہی ہوتی ہو خلل آتا ہو۔ بانو سرتاج اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ اپنے منٹوں کی حفاظت کرونگی تو گھنٹے اپنی حفاظت آپ کرلیں گے۔

بانو سرتاج نے یکے بعد دیگر گئی تصانیف اُردو ادب کو عنایت کی جس کی فہرست درج ذیل

ہے۔

''دائروں کے قیدی (افسانے)۱۹۹۲انعام یافتہ ،اس لے لئے افسانے۱۹۹۴انعام یافتہ ، ذراسی کمی (افسانے)۲۰۰۱انعام یافتہ ،''اپنے ہاتھوں میں تھاماہوامیزان'' (افسانے)۲۰۰۹،''قومی یکجہتی اوراردوشاعری'' (مضامین)۲۰۰۴،''ماحصل'' (مضامین)۲۰۰۵،''مآل (مضامین)۲۰۰۷ انعام یافتہ ،''تراممنوں ہوں (طنز ومزاح)۲۰۰۴ انعام یافتہ ،خطرے کا الارم (طنز ومزاح)۲۰۱۰، ایک بیمارسوانار (بڑوں کے لئے ڈرامے)انعام یہ فتہ ''ہندوستان کی ۵۱ اوّل خواتین'' (مختلف شعبہ حیات میں) تاریخ۲۰۱۰۔ ہندوستان کی ۴۱ اوّل خواتین (مختلف شعبہ حیات میں) ۲۰۱۰، ہندوستان کی اوّل مسلّم خواتین (تاریخ)۲۰۱۱ ،جنگ آزادی میں خواتین کا حصہّ تاریخ۲۰۰۶،''جنگل میں منگل''(بچوں کے لئے ناول) ۱۹۹۸انعام یافتہ پکیا اور پری چھم (بچوں کے لئے ناول)۲۰۱۱،مرغے میاں کی ککڑوں کوں بچوں کے لئے (بچوں کے لئے ڈرامے)۲۰۰۵،''آئی برسات آئی'' (بچوں کے لئے ڈرامے) ۲۰۰۵،''ٹکلم ٹولاگھی کا گولا''بچوں کے لئے ڈرامے ۲۰۰۶۔ ۲۰۰۸،چناؤ کا چکر (بچوں کے لئے ڈرامے)۲۰۰۸، شرط منظور ہے۔ بچوں کے لئے ڈرامے ۲۰۰۸،''مزاحیہ ڈرامے (بچوں کے لئے)۲۰۰۹ ،شواجی کاانعام (بچوں کے لئے ڈرامے)۲۰۱۰،انوکھی بی بی کی سرائے (بچوں کے لئے ڈرامے)۲۰۱۱،ممی نا بولی (بچوں کے لئے کہانیاں)۲۰۰۶،''بڑامزااس پلاپ میں ہے بچوں کے لئے کہانیاں ۲۰۰۶، گھمنڈی کا سر نیچا (بچوں کے لئے کہانیاں)۲۰۱۰۔

ادبِ اطفال اور بانو سرتاج

ادبِ اطفال میں بانو سرتاج کا نام محتاج تعارف نہیں انہوں نے بچوں کے لئے ڈرامے ناول کہانیاں مضامین لوک کہانیاں، اور نظمیں لکھیں۔ بانو سرتاج نے کہانیوں کے ذریعے بچوں میں قومی یکجہتی اور حب الوطنی کے جزبے کو بچوں کی زبان میں بچوں تک پہچانے کی اچھی کوشش کی ہے۔ بانو سرتاج نے بچوں کی کہانیوں کو اخلاقیا اور اصلاحی پہلوں کو ہمیشہ پیش پیش رکھا ہے۔ بانو سرتاج کی کہانی انوکھی شرارت اس کی بہترین مثال ہے۔ بانو سرتاج کا انداز سیدھا سادھا اور بیانیہ ہے اسی لئے ان کی کہانی قاری پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔

اُردو ادب اطفال کی خوش قسمتی رہی ہے کہ ہر بڑے لکھنے والے نے بچوں کے ادب کی طرف خاطر خواہ توجہ دی ہے۔ مردوں کے روش بدوش خواتین اہل قلم نے گیسوئے ادب اطفال سنوارنے میں بھر پور تعاون دیا ہے۔ یہ سلسلہ ابتدا حال چلا آرہا ہے۔ اُردو کی عظیم ناول نگار قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، عطیہ پروین، رضیہ سجاد ظہیر، واجد تبسم، اے آر خاتون، صالحہ عابد حسین، کشور ناہید اور بانو سرتاج نے بچوں کے لئے زندہ جاوید تخلیقات پیش کی ہیں ۔ یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ بانو سرتاج کی شخصیت دو آتشہ ہے۔ وہ ماہر تعلیم، ماہر نفسیات اور بہترین کہانی نویس ہیں۔ ڈراموں کی طرح بچوں کی کہانیوں میں بھی ان کے قلم نے جولانیاں دکھائی ہیں اور دکھا رہی ہے۔ بانو سرتاج کو کہانی کہنے کا ڈھنگ آتا ہے۔

جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ۵ سالہ کے بچوں سے لئے کر ۱۲۔۱۷ سالہ کے بچوں تک کے نفسیاتی پیچیدگیوں ان کے زاتی حقوق اور ان کی دلچسپیوں کو اپنی تخلیق کے زریعے پیش کیا ہیں۔ دورِ جدید میں وہ ایسی ادیبہ ہیں جو بیک وقت اردو، ہندی اور مراٹھی اور دیگر زبان میں برابر لکھ رہی ہیں۔

بانوسر تاج ایک ادیبہ ہیں، ایک ماں ہیں۔ استادوا ور استادوں کی استاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کے ادب کی جملہ خوبیاں ان کی نگارشات کی زینت ہیں۔ بانوسر تاج نے بچوں کے ادب کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ پھر چاہے آگرہ یونیورسٹی میں سیمینار ہو یا مہاراشٹر میں، دہلی میں کوئی کانفرس ہو یا کان پور میں بچوں اور بچوں کے ادب کے کسی موقعے کو وہ چھوڑ نا نہیں چاہتی۔ بانو سرتاج کئی تہذیبوں، کی زبانوں اور کئی علاقائی اور جغرائی ماحول سے وابستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نگارشات میں ہندوستان کی رنگارنگ عظمت جھلکتی ہے۔ زماں ومکاں ان کا اپنا ماحول ہے۔ زبان بچوں کی اپنی زبان ہے، اسلوب کی دلکشی ان کی کہانیوں کی نمایاں خوبی ہے۔ بچوں کے لئے لکھی ان کی نگارشات نا قابل فراموش ہیں۔ خاص طور پر ان کے زاتی مسائل، ان کے حقوق اور ان کی نفسیاتی پیچیدگیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ کہانی یا ڈرامہ پڑھوں تو لگتا ہے کوئی ہم جولی پڑھ رہا ہے۔ بانوسر تاج نے جو کچھ بھی لکھا وہ بچہ بن کر لکھا ہے۔ بانوسر تاج کو کہانی کہنے کا تریقہ آتا ہے۔ ان کی نمائندہ کہانیوں میں ''بڑا کون؟''۔ ''بے زبان ساتھی'' ''نئی دنیا''۔ ''ملاپ''۔ ''باٹتے چلو'' خصوصی طور پر لائق ذکر ہیں۔ کہانیوں اور ڈراموں کے ساتھ انھوں نے بچوں کے لئے ناول بھی لکھا ہے۔ ناول ''جنگل میں منگل'' ایک مہماتی دلچسپ ناول ہے۔ ان کی تخلیقات کی بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے زریعے بچوں میں قومی ایکتا، حب الوطنی، انسان دوستی فرض شناسی کے جزبے کو عام کرنے کی کامیاب سعی کی گی ہے۔

بانوسر تاج نے بچوں کے لئے کہانی لکھتے وقت بچوں کی مختلف عمروں کا لحاظ بھی رکھا ہے۔ انھوں نے ماخوذ روایتی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ اور طبع زاد بھی۔ کہانیوں کے زیادہ تر کردار ہی ہیں کہانیوں میں بچوں کے لئے دلچسپی اور تفریح کے ساتھ کردار پر زور دیا گیا ہے۔ سچ کی فتح، نیکی کی جیت، اپنے فرض کی ادائیگی قناعت، خدا کا شکر، بزرگوں کا احترام، استادوں کی دی ہوئی تعلیم بچوں کے حقوق، ان کے زاتی مسائل یہ سب بانوسر تاج کی کہانی کا موضوعات ہیں۔ ''پیارا بچپن''۔ ''ننھا

فرشتہ‘‘۔’’گھمنڈہ کا سر نیچا‘‘’’باٹتے چلو‘‘۔’’ممی نابولی‘‘صوفی کی باتیں‘‘ان کی ایسی ہی نمائندہ کہانیاں ہیں جن کے عنوان سے ان کی دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔’’ممی نا بولی‘‘فاروق میاں کی معصومیت کی عکاسی ہے۔کہانی ننھے قاری کو اپنی گرفت میں لئے لیتی ہے۔چند ابتدائی جملے فاروق میاں گھر بھر کی آنکھوں کا تارہ تھے۔ددھیال نھیال دونوں کی پہلی اولاد جتنا چاؤں ہوتا ہے۔خیر سے تین سال کے تھے مگر خوب باتیں کرنے لگے تھے۔لاڑ میں آتے تو تتلانے لگتے۔ان کی ہر ہر ادا پر سب قربان جاتے۔ان کی اکلوتی پھوپی جان کہا کرتیں۔’’ہمارے صاحب تھوڑے تھوڑے دنوں میں ایک نیا آئٹم تیار کرتے ہیں۔اوران دنوں میں جس سے وہ سب کو محظوظ کررہے تھے وہ تھا۔’’ممی نابولی‘‘زبان بیان اسلوب اور پیش کش بہر اعتبار پوری کہانی کی حامل ہے۔ایک چھوٹی سی بات کو انھوں نے کہانی کا موضوع بنا دیا اور اس کو اس طرح پیش کیا کہ ننھے قارئین کو دلچسپی کہانی کی گرفت میں رہتی ہے۔یہی حال ان کی تمام کہانیوں کا ہے۔

اُردوی دُنیائے میں ڈاکٹر بانو سرتاج جانا پہچانا نام ہے۔وہ برسوں سے اہلِ زوق کو اپنے بہتر ین افسانوں ،تراجم اور تنقیدی مضامین سے خوشی کام کررہی ہیں ۔ادب اطفال کو ان کی کشیر دین بچوں کے لئے انمول تحفہ ہے۔بچّے کھیلتی کلیاں اور انمول موتی ہیں جن کے رنگ چہک مہک اور نور سے کسی قوم میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے اور ملک کی تاریخ لکھی جاتی ہے۔جمہوری ملکوں میں بچوں کو انمول آینہ مانا جاتا ہے۔انہیں ملک وقوم کی ترقی وتعمیر کی بنیاد کا پتھر مانا جاتا ہے۔

’’سیفی پریمی کے یہ الفاظ ان حقائق کا جوز پیش کرتے ہیں۔کہ دُنیا میں ایک سے ایک ادیب اور بڑے سے بڑے شاعر نے بچوں کے لئے لکھا ہے۔ڈینل ڈینوکو’’رابن سن کرسو‘‘ لکھے ہوئے دوصدیاں گزر گیں۔آج تک بچے بوڑھے سب پڑھتے ہیں۔دُنیا بھر میں اس کے ترجمے ہو گئے۔ فلمیں بن گیں روسی شاعر پوشکن نے بچوں کے لئے اس وقت قلم اٹھایا جب وہ معری کے کی نظمیں لکھ چکا تھا۔ٹالسٹائی نے جو مہاتما گاندھی کے کے بھی استاد تھے۔قلم سنبھال کر جی لگا کر بچوں کے لئے

کہانیاں لکھیں جو اب بھی پڑھائی جاتی ہیں۔مرشاک اوّل درجے کے شاعر ہو کر بچوں کے لئے خاص طور پر لکھتے رہے۔انگریزی زبان میں بھی اعلیٰ درجہ کے ادیبوں نے نظمیں کہانیوں کی اعلیٰ درجہ کی بنی ٹھنی کتابیں لکھی ہیں۔جسے بچے کسی میلے میں جانے کو نکلے ہیں۔اردو میں بچوں کے ادب کی تخلیق کا سلسلہ میر تقی میر سے شروع ہو جاتا ہے۔میر کی ''موہنی بلی''،''انشاء،کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' نظیر اکبر آبادی کی تل کے لڈو اور متعدد دوست دلچسپ سریلی نظمیں ''حالی کی ''مرغی اور اسکے بچے''اقبال کی ''ایک پہاڑ اور گلہری''،''پرندہ کی فریاد''،''ماں کا خواب''،''ترنہ ہندی سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'' یہ نظم ،لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری ''ہونہار بیٹا'نمایاں مثالیں ہیں۔

بچوں کے نثری ادب میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی ابوخا کی بکری پریم چند کی کہانی نادان دوست'' احمد ندیم قاسم کی چوہوں کی برات حفیظ جالندھری کے ننھے منے بچے کرشن چندر کی ''الٹا درخت ''،''عصمت چغتائی کی 'سفید جھوٹ' عمدہ تخلیقات ہیں۔ان کے علاوہ امتیاز علی تاج ،اطہر جاوید،ڈاکٹر شکیل الرحمٰن ،اطہر پرویز،منور لکھنوی،ڈاکٹر محبوب راہی ،مظفر حنفی ،راجہ مہدی علی خاں ،شباب للت ، آسی رام نگری،محمد اسمٰعیل میرٹھی ،صلاح الدین نیر ،خواجہ عباس ،قصیر سرمست ،کیولدھیر ،بکل اتساہی،جندر روتس ،تلوک چند محروم ،جگن ناتھ آزاد،حامد اللہ افسر،پروفیسر محمد مجیب،ڈاکٹر عابد حسین سفیع الدین نیر،راج نرائن راز،سیفی پریمی ،صالحہ عابد حسین ،قدسیہ زیدی،اختر شیرانی ،مہندر تاپ چاند،قرۃ العین حیدر،اور بیسود گیر مشاہیر نے بچوں کے ادب میں حصہّ ڈالا اب اتنے لوگوں نے اس کا خیر کو سر آنکھوں پر رکھا تو دورِ حاضر کی کھلی نظر اور بیدار ذہن والی ادیبہ ڈاکٹر بانو سرتاج کہاں پیچھے رہ سکتی تھیں ۔جنہیں اپنے دور طالب علمی ہی سے بچوں کی پسندیدہ مشاغل سے گہری آشنائی اور دلچسپی رہی ہے۔

بچوں کے لٹریچر کا میاب خالق وہی اہلِ علم ہوسکیا ہے جو بچوں کی نفسیات کا ماہر ہو اور انہیں کی

سادہ سلیس غیر پیچدہ اور روز کی زبان میں لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔بچوں کی فطرت کا نباض ہو اور بچوں کو ایسا ادب فہراہم کر سکے جوان کی ذہنی اور روحانی بالیدگی میں معاون ہو سکے اور انہیں ملک وقوم کی تعمیر وتشکیل وترقی کے فیضے کی ادائگی میں فعال بنا سکے۔

ڈاکٹر بانو سرتاج نے ناولوں اور کہانیوں کی دلچسپی صنف ادب کے زریعے چھوٹے بڑے بچوں کے ذہنوں تک رسائی کی ہے۔کہانی کے بارے میں خود مصنفہ کا کیا نظریہ ہے۔اپنے ایک مجموعے''پکیا اور پری چھم'' کے ابتدائیہ نوٹ میں''اپنی بات کے تحت میں لکھتی ہیں'' ایک اندھے لڑکے کے گلے میں لٹکی پلیٹ پر لکھا تھا میں اندھا ہوں میری مدد کیجئے۔ادیب نے سوچا میری جیب خالی ہے ہاں میں دوسری طرح تمہاری مدد کروں گا۔اس نے بچے کی اسی سلیٹ پر لکھ دیا یہ دُنیا کتنی حسین ہے۔مگر افسوس میں اسے دیکھ نہیں سکتا''۔اس کے زریعے اس میں چھپے درد کو محسوس کر کے لوگ بچّے کی مدد کرنے لگے۔اس بات کے پیش نظر ان کا کہنا ہے کہ ادیب احساس جنگانے کا چھوٹا سا بہت چھوٹا سا کام کرتا ہے۔دئے اور جگنو کی طرح روشنی اور محبت کو پھلانے کے لئے جگہ کی کمی نہیں۔بس پھیلانے والا چاہئے۔بچوں کے لے ڈاکٹر بانو سرتاج کا تخلیقی سرمایہ بیشتر یک بابی ڈراموں، کہانیوں پر مشتمل ہے۔بانو سرتاج نے بچوں کے لئے پہلا تخلیقی اظہار کہانی میں کیا۔انہوں نے بچوں کے لئے کہانیاں یک بابی ڈرامے، ناول، نظمیں معلوماتی مضامین لکھے ہیں۔وہ کہتی ہیں کی میرے خیال میں بچوں کے لئے نثر کا اثر دیر پا ہوتا ہے جو بچوں کے لئے ایک اچھی صنف ہے۔اور وہ بھی صرف کہانی اور ڈرامے میں۔بانو سرتاج کا کہنا ہیں کی بچوں کے لئے لکھنا بہت مشکل فن ہے۔اتنا مشکل جتنا پانی پر کچھ تحریر کرنا۔ادبِ اطفال کے لئے بیانیہ مختصر اور آسان زبان میں ہو مکالمے ضرور ہوں، بیانیہ سے زیادہ ہوں، چست درست ہو، مختصر ہوں ہلکا پھلکا مزاح ہو۔بانو سرتاج نے اپنے اندر کے بچّے کو زندہ رکھا ہے۔وہ اب بھی آسمان میں ہوائی جہاز کی آواز سنی ہے بارات کا باجہ سنتی ہے سرکس یا میلے کی پبلیسٹی کی آوازیں سنتی ہیں تو گھر سے باہر دوڑتی ہے۔وہ سب دیکھنے کے لئے۔اونٹ مکان کے

سامنے سے گزرتا ہے اسے دیکھنے کے لئے گیٹ پر جا گھڑی ہوتی ہے۔بچوں سے پہلیاں پوچھتی ہیں، لطیفے سناتی ہیں اس طرح کی خوبیاں بانو سرتاج میں ملتی ہے تو زاہرسی بات ہے کی بچوں سے ان کی محبت کا اندازا بھی لگایہ جا سکتا ہے۔بچوں کے ادب کے میدان میں ان کی خدمات اسی جزبہ کی وجہ سے ہے۔

بچوں کے ادب کے لئے انہوں نے انگریزی زبان میں بھی لکھا ہے۔اور بچوں کے ادب اطفال کو کئی زبانوں کے ترجمے کر اردو ادب کو ملا مال کیا ہے۔ ہندی کے کئی یک بابی ڈرامے، ہندی کی کہانیاں اور مضامین اردو میں اور مراٹھی کے ڈرامے اور کہانیاں بھی سے اردو میں منتقل کی ہے۔بچوں کے ادب اطفال کے لئے بانو سرتاج لوک کہانیوں کو بھی اہم مانتی ہے۔وہ کہتی ہے لوک کہانیاں ہر ملک کی تہذبی وراست ہیں۔ بانو سرتاج خود لوک کہانیاں پڑھتی ہیں اور جو کہانیاں بہت زیادہ پسند آتی ہیں انہیں مقامی ملک رنگ میں ڈال کر بچوں کے لیے پیش کرتی ہے۔اور ضرورت کے مطابق تبدییاں بھی کرتی ہیں۔ان کے لوک کہانیوں کے پانچ مجموعے ایک کی گیارہ کہانیاں اوردو کی بارہ کہانیاں، تین کی تیرہ کہانیاں چار کی چودہ کہانیاں اور پانچ کی پندہ کہانیاں۲۰۱۴ء میں منظر عام آئی۔اور ایک دل چسپ بات یہ بھی ہیں کی بانو سرتاج کو پریوں کی کہانی بھی پسند ہے۔عموماً بچوں کو بھی پسند آتی ہیں۔اور مغربی مما لک میں آج بھی (fairy talls) زوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں نئے نئے مجموعے تک شائع ہورہے۔ پرانے مجموں کے ایڈیشن ہورہے ہیں اس لے پریوں کی کہانیاں ہمیشہ زندہ اور جاویدر ہیں گی اور بچوں کے لئے پسند دیدہ بھی۔اور بچوں کے ادب کی ایک مقبول صنف لوری ہے۔اردو میں ادب اطفال میں تنقید کی صورت قابل رحم ہیں۔بانو سرتاج بچوں کے ادب پر کافی فکر مند ہے۔بچوں کے لئے کیا لکھا جانا چاہیں اور وہ کیسا ہونہ چاہئے یہ سب ان کے ذہن کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔کہتے ہیں بچے نئی باتیں، نیا علم اتنی ہی تیزی سے قبول کرتے ہیں جتنی تیزی سے بھوکے کبوتر دانہ چگتے ہیں۔بچوں کو معلوماتی ادب فراہم کرانا۔بچوں کے لئے لکھنے والے

ادیب کا کام ہیں ادبِ اطفال کے ادیب کی زمہ داری ہوتی ہیں کی وہ بچوں کو بچپن کا ادب دے بچپن کا نہیں۔ بچوں سے ان کا بچپن نہ چھینا جائے۔

بانوسرتاج کا کہنا ہے کی بچوں کی کتابیں تصاویر سے مزین ہونی چاہیں جو تقربن نہیں ہوتی۔ انگریزی اور ہندی کی کتابوں میں تصاویر ہوتی ہیں۔ اس لئے کوشش کی جائے انہیں بڑوں کی باتیں نہیں سکھائی جائے۔ اگر تجسّ سے بڑا کوئی استاد نہیں ہے تو بچوں کے ادیب کی زمہ داری ہے کہ وہ ایسا ادب تخلیق کرے جس سے ان کے جزبے تجسس کی تسکن ہو۔ بہت کچھ حاصل کرنے کی چاہ میں بچے کتنا کچھ حاصل کرتے ہیں۔ اس پر نظر رکھنا بچوں کے ادیب کا فرض ہیں۔

بانوسرتاج کا کہنا ہیں جہاں تک میرا سوال ہے میں کوشش کرتی ہوں کہ ان نکات پر میری نظر ہمیشہ رہے۔ کا تا اور دوڑی کتابیں زیادہ تعداد میں سامنے آرہی ہیں وہ چاہتی ہے کی پبلشر اپنے طور پر مسودہ پر کسی قابل ہستی سے نظر ثانی کرائے تا کی املے کی غلطیاں بچوں میں نہ ہوں۔ بچوں کے ادب کی اوّل شرط اس کا تفریحی ہونا ہے ہلکے پھلکے انداز میں نصیحت آجائے تو سونے پر سہا گا ہو جائے۔ مستقبل کا ادب اطفال اور ادبِ اطفال کا مستقبل دونوں درخشاں ہوگے۔

ان کی نظموں کی صرف ایک کتاب ''مرغے میاں کی ککڑوں کوُ'' (مطبوء ۲۰۰۶) میں منظرِ عام پر آئی ہے۔ اس تعارفی مضمون میں ڈاکٹر بانوسرتاج کو بچوں کا مزاح قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں۔ ان نظموں میں جا بجا چھلکتا ہوا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ممتا بھرا جزبہ ہے۔ ہر شعر میں پیار محبت کی شفیق موجے رواں دواں ہیں۔

بچوں سے فطری انسیت خصوصی نگار کے ٹھنڈے خوش گوار جھونکے ہیں۔ ظاہر ہے اس کی بنیادی وجہ بانوسرتاج ہے جو ایک ماں کی صورت میں اپنی ممتا بھری شفقتوں کو لوریوں میں ڈھال کر بچوں کو ہنسانے گدگدانے اور ان کا جی بہلانے کے لئے ان کے ساتھ کھیل کود اور شوخیوں میں خود بھی

شریک ہیں اوراس طرح ان کی دل بستگی کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی روایت اورذہنی تشکیل وتعمیر کافریضہ بھی انجام دے رہی ہیں۔ بانوسرتاج کا ادبی شوق خدا کی عنایت ہے۔ بانوسرتاج زیدہ تر اُردو ہندی میں لکھتی ہے۔شروع میں بانوسرتاج صرف افسانے لکھنے میں دلچپسی رکھتی تھی مگر اب بڑوں کے لئے افسانے اوربچوں کے لئے کہانیاں لکھا کرتی ہیں۔ بانوسرتاج نے۱۹۹۱سے باقاعدگی سے بچوں کے لئے لکھنا شروع کیا باتصویرمعلوماتی ماضامین تحقیقی مضامین بھی لکھ رہی ہیں ۔ان کی چالیس سے زئدہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں متعرد تعلمی سماجی ،ادبی دورتہذیبی اداروں سے آپ کا تعلق ہے ۔ان کی تخلیقات کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا مثلاً ہندی ،مراٹھی ،سندی، پنجابی،اڑیہ، انگریزی اورجرمن وغیرہ۔

بانوسرتاج کےتخلیقات کی خصوصیت یے ہیں کی ان کاتخلیقی عمل پریم چند، کرشن چندر،شرت چندر چٹرجی ادیبوں سے متاثرہے۔ان کےکلام کی ایک خصوسیت یہ ہے کہ اس میں غوروفکر کاانداز پایا جاتاہے۔جگہ جگہ احساس ہوتاہے کہ وہ کچھ سوچ رہی ہوں بلاشبہ وہ اپنے عہدکی آواز ہیں۔بچوں کے لئے پہلاتخلیقی اظہار کہانی میں ہیں۔

بانوسرتاج اردوادب میں معتبر نام ہے ۔ان کی ہمہ جہت ان کےادبی زوق کی دلیل ہے۔ میڈیکل کی ڈاکٹر بنے کی خواہشمند حالات کی مار سے ہار نہ ماننے والی ادب کی ڈاکٹر بن گیں۔ بانوسرتاج کی شاعری شبنم تخلص سے شمع جسے معیاری رسالہ میں شائع ہوتی رہیں۔ بعدمیں اس صنف کوانھوں نے صرف بچوں کے لئے مختصر کردیا۔وہ آج بھی لکھے جارہی ہیں بے پناہ مصروفیت کے ساتھ ان کاایک مشغلہ انفرادی مقام رکھتاہے۔ بانوسرتاج ایک ایسی فن کار ہیں۔ جوبچوں میں بڑوں میں بیٹھے بیٹھے ان خیالات کوترتیب دے لینا جوایک عام انسان کی نظر میں بظاہرمعمولی اورغیر خیالات کوترتیب دے لینا جوایک عام انسان کی نظر میں بظاہرمعمولی اورغیراہم ہوتے ہیں وہ بانوسرتاج کا کمال ہیں ۔ان کی تخلیق ان کی شخصیت ،ان کی فطرت ،ان کی سوچ ان کی پہونچ ان کا

انداز ،ان کا اسلوب ،ان کی ہنر مندی ان کے فن کے عروج کی علامت ہے۔ان کی تخلقات میں تنوع شگفتگی ہے۔زباندانی کی انتہا ہے۔جو اردو میں لکھتی ہیں ہندی اتنی ہی مہارت گہرائی سے لکھتی ہیں۔زبان پر اتنی موثر اور زبردست پکڑ ہے جو کہ کم ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

بانو سرتاج بڑوں کے لئے افسانہ تانا بانا دماغ میں تیار کر لینے کے بعد وہ ایک سٹک میں افسانہ لکھ لیتی ہیں۔مگر بچوں کے دیڑھ صفحے کی کہانی وہ کئی بار لکھتی ہیں پھر فیئر کرتی ہے۔بچوں کے لئے ڈاکٹر بانو کی ایک اور قورے ضخیم تصنیف ہے''دنیا کارٹون اور کیریکٹرز کی''جو سال رواں میں نفیس آرٹ پیپر باتصویر چھپی ہے۔یہ عام بچوں کے کارآمد نہیں البتہ کالج کی سطح یا کم از کم سنئر سکینڈری کے طلباء کے لئے زیادہ کارآمد اور معلوماتی ہے جو اس موضوع پر کسی انعامی مقابلہ میں ایواڑ پانے کے لئے شریک ہونا چاہیں۔ تاہم اس کے حصول اور میں سپر مین، سپائیڈر مین، گوفی ،ٹارزن ، پلوٹو ،سپیس گھوسٹ، ونڈر مین، ہرکولیس، پنک پنتھر وغیرہ جسے ۸۹ مقبول دوروں کی ابتداء تاریخ اور رفتہ رفتہ مقبولیت روداد بیان کی گئی ہے۔آج کے کمپیوٹر یگ سائنس میں دلچسپی رکھنے والے بچوں کے لئے یہ اعداد و شمار رہنما ہو سکتے ہیں۔

کتاب کے دوسرے حصّے میں کہانیاں ،اینی میشن فلموں اور سائنس فکشن پر مفصل مضامین بچوں کی آگہی کے لئے گئے ہیں۔۱۵۲ صفحات کی یہ کتاب بڑے بچوں کے لئے معلوماتی ہے۔

ڈاکٹر بانو سرتاج جس سنجدگی سے اور توجہ سے ادب اطفال کی خدمت کر رہی ہیں اس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی ملک کی ان تمام ریاستوں جن میں اردو زبان وادب بالخصوص ادبِ اطفال میں فکری صلاحیتوں کے گل بوٹے کھلانے والے قلم کار ہیں ان میں اتنی کشش اور رنگا رنگی نہیں ملتی جو بانو سرتاج کی نگارشات میں ملتی ہیں۔اُردو کشی کے اس دور میں جہاں چاروں طرف سے سطحی شاعری کی بھر مار ہے اردو پڑھنے والوں کی تعداد دن بدن گھٹتی جا رہی ہے۔ایسے میں اگر کوئی نونہالوں کے

لئے زبان وادب کی آبیاری کا سامان مہیا کرواتا ہے تو لگتا ہے ریگستان میں بہار آنے کو ہے۔ درصل اب وہ زمانہ گیا کہ غیر مسلم اورتہذیب وزبان سے وابستہ تھے۔ جو مسلم حضرات اُردو سے جڑے ہیں وہ بھی محض شعروشاعری کی حدتک اس کی ڈور کو تھامے ہوئے ہیں۔ معاشرہ میں اس کا چلن کم ہوگیا ہے۔اس کے احیاء کے لئے ادبِ اطفال کی تخلیق سے اچھا اور کوئی وسیلہ نہیں ہوسکتا۔ بانوسرتاج نے نئ نسل میں اُردو زبان کی جڑیں مضبوطہ کرنے کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہوگی۔

''آج کا بچہ کل کا باپ کہلاتا ہے'' بچوں کا ادب کا مطالعہ بچوں کی نفسیات بچوں کی پسند ناپسند اور بچوں کی زبان ومعصومیت کبھی کبھی بچوں کا وہ توتلاپن ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے انتہا خوشی کا احساس ،ضد، کسی چیز کو پانے کے لئے بے قابو ہو جانا کسی جانور کو دیکھ کر اس سے ملنے کی اس سے بولنے کی اس جانور کو دوست بنانے کی تمنّا اس تمنّا اور خواہش میں چھوٹے ننھے ہاتھوں سے تالیاں بجتے ہوئے جھوم اٹھنا، چاند کو پانے کی تمنّا،ستاروں کو چھونے کی خواہش آسمانوں پر اڑنے کا ارمان، یعنی بچوں کی نفسیات سے روبرو ہونا جتنا ضروری ہے۔اس لئے کہ بچوں کے لئے ادب ایسی نرالی زبان میں تخلیق ہوسکے جو بچوں کی ذہنی سطح سے مطابقت رکھے بلکہ اس ادب کے مطالعہ سے بچوں کے ذہنی شعور کو جگانے میں بھی مدد مل سکے یہی سب بانوسرتاج کی نگارشات میں موجود ہے۔

بچے پیار محبت کا مجمہ ہوتے ہیں۔ بچوں کی اپنی الگ دنیا الگ خواب جو انہونی کو بھی ہونی بنا دینے والے ہوتے ہیں بچوں کی دُنیا رنگوں کی دُنیا ہوتی ہے۔نرالی دُنیا ہوتی ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے۔بچپن شاہی ہوتا ہے۔ چاہے غریب کا ہو یا پھر امیر کا بچوں میں کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا وہ تمام تفکرات سے آزاد ہوتے ہیں۔ بچوں کو ہر وقت کھلونے مٹھائیاں چاکلیٹ آئس کریم گل چمن، پھول،تتلیاں، کہانیاں جنگلی جانور، آسمانوں پر اڑتے ہوئے آزاد پرندے، ندیاں نالے عزیز ہوتے ہیں۔ بچے جن، پری، بھوت شیطان دیو کی کہانیاں بھی پسند کرتے ہیں۔ بچوں کو اچھے سچّے دوست کی

کہانیاں ملک کے لئے جانثاروں کے قصّے باتیں خوب خوب پسند آتی ہیں ۔ بلکہ اگر ہم بچے کوٹیپوسلطان کے بارے میں سناتے ہوئے یہ کہیں گئے کہ ٹیپو سلطان کوٹائیگر ٹیپو اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بہادر اور وطن پرست تھے ۔ ساتھ ہی ٹیپوں نے کس طرح شیر کے جبڑے پکڑ کے چیر دیا تو بچے کہانی سنتے ہوئے ڈھیر سارے سوال کرتے ہیں ۔ وہ شیر کیسا تھا کتنا بڑا تھا کیا ٹیپوں نے ان کے ہاتھوشیر کے منہ کے اندر ڈالے تھے وغیرہ وغیرہ۔

ادب اطفال پر قلم اٹھانے سے قبل بچوں کے ساتھ روبروں ہونا ضروری ہے۔ بچوں کی زبان ان کی عمران کا ماحول سلیس اور آسان زبان میں ہوں اس طرح کا انداز بانو سرتاج کی ادبِ اطفال کی اصناف میں ملتا ہیں۔

باب سوم

بانو سرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی مطالعہ

i۔ بانو سرتاج کی افسانہ نگاری

ii۔ بانو سرتاج بہ حیثیت ناول نگار

iii ۔ بانو سرتاج کی ڈرامہ نگاری

iv ۔ بانو سرتاج کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

v۔ بانو سرتاج بہ حیثیت محقق

بانوسرتاج کی افسانہ نگاری

بانوسرتاج ادب کی دُنیا میں افسانے کے دروازے سے داخل ہوئی تھی۔خواتین کے مسائل پر ان کی کہانیاں مختلف رسائل میں وقتاً وقتاً شائع ہوکر قارئین سے داوتحسین حاصل کی دراصل فکشن ہی ان کا اصل میدان ہے جس میں ان کی صلاحیتوں کے جوہر کھل کر سانے آئے ہیں۔ان کے افسانوں کے مجموعے ''ذراسی کمی'' اور'' اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوامیزان'' نے ادبی دنیا میں نشانات چھوڑے ہیں۔ان کی کہانیاں اگر چہ کے بیانیہ انداز کی ہوتی ہیں۔مگران کا مشاہدہ اور تجربہ ساتھ ہی کرداروں کی تخلیق کا جو جادو ہے وہ قاری کے سر چڑھ کر بولتا ہے کہانی کی شروعات اس انداز سے ہوتی ہے مانوں وہ آپ سے ہم کلام ہیں۔انداز اس قدر سادہ ہے کہ لگتا ہے وہ کوئی گزاہوا واقعہ بیان کرر ہی ہوں انھوں نے اپنے مجموعہ کا جوانتساب تحریر کیا ہے۔ان حقیقتوں کے نام! جوافسانوں میں ڈھل کر قابل برداشت ہو جاتی ہیں جسے پڑھ کر ایک پختہ قلم کار کی تصویر سامنے آجاتی ہے اور ساتھ ہی اپنا صیت کا احساس لحظہ گرفت میں لیتے ہوئے محسوس ہوتا ہے اردو میں آج سیکڑوں افراد کہانیاں بیان کر رہے ہیں مگر گنتی کے لوگ ہیں جن کے یہاں بیان میں تاثر کا جلوہ ہے۔بانوسرتاج اس معاملہ میں خوش قسمت ہے کی خداوند تعالہ نے انھیں اس ہنر سے فیض یاب کیا ہے۔''چھینکی ہوئی عورت'' ''صیلاب پرٹنگی عورت''''دوکوڑی کی عورت'' دھندے والے عورت''''بدلی ہوئی لڑکی'' نگی ٹگوں والی عورت'' وغیرہ عورتوں کے مسائل پر لکھی یہ کہانیاں ہمیں اپنے یا آس پاس کے گھروں کی داستان سناتے ہوئے محسوس ہوتی ہیں۔

انہوں نے اپنے افسانوں میں عورتوں کے مسائل کو خصوصیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔یوتو بانوسرتاج ادبِ اطفال کے زریعے جانی پہچانی جاتی ہیں۔بانوسرتاج اردوفکشن یا افسانوی ادب کا ایک بڑا نام ہے بانوسرتاج کی ہمہ جہت شخصیت قابلِ تعریف ہیں۔ان کی شاید ہی کوئی صنف چھوٹی

ہوگی جس پر انہوں نے قلم نہ اٹھایا ہوگا اور اپنی پہچان نہ بنائی ہو۔مختصر افسانہ اردو ناول کی طرح انگر یزی ادب کے زیر اثر ہی پروان چڑھا ہے۔انگریزی میں short story کے نام سے جانا جاتا ہیں۔داستان، ناول اور افسانہ درصل ایک ہی نثری صنف کے مختلف روپ ہیں۔ان تینوں کو ملا کر افسانوی ادب یا فکشن کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ان تینوں کی بنیادی خصوصیت یہ ہے قصہ پن یعنی ہر قدم پر یہ جاننے کی کشش کہ آگے کیا ہوا اور اس کے بعد کیا ہونے والا ہے یہ کہانی پن یا قصہ پن ہی فکشن کی جان ہوتی ہے۔

بانو سرتاج کے افسانوں میں یہی کشمکش ہوتی ہیں کہ آگے کیا ہوا اور اس کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ان کے افسانے میں یہی خوبی قاری کے ذہن کو متاثر کرتی ہیں۔بانو سرتاج اپنے افسانوں میں مواد کی ترتیب وار مسلسل پیش کرتی ہے۔اوران کی یہی کوشش افسانہ کا پلاٹ تیار کرتی ہیں۔افسانے میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ کسی نہ کسی کردار کے سہارے ہی پیش آتے ہیں اسی لئے افسانے میں کردار نگاری کو اہمیت دیتی ہے۔ان کے کردار عام آدمی کی طرح چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔اورا پنی مکالمہ نگاری سے افسانہ میں جان ڈالتے ہیں۔کاری کو ان کے کردار سے محبت بھی ہوتی ہیں تو ہمدردی بھی خوشی بھی حاصل ہوتی تو کہی غمزاہ بھی ہوتا ہیں۔ان کے کردار انفسیات کے روپ میں ہی نظر آتے ہیں۔اردو میں ان کے افسانوں کے ۴ مجموعے شائع ہوئے اور ہندی میں ۳ اردو میں ''اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا میزان'' ''زراسی کمی'' ''اس کے لئے'' اور'' دائروں کے قیدی قابلِ تعریف ہیں۔

بانو سرتاج کے افسانہ میں ان کی مکالمہ نگاری آسان زبان میں ہے جس سے قاری کو آسانی سمجھ آجاتی ہیں۔مثلاً کہانی ''شو بھادِی گریٹ''۔

اس نے اپنا سارا بوجھ میرے جسم پر ڈالتے ہوئے پوچھا تمہاری شادی ہوگئی ہے؟ میں نے یہ

سوچ کر کہا کہ کہیں میرے شادی شدہ ہونے کی بات سُن کر وہ مجھ سے دور نہ ہو جائے اس کی کمر کے گرد اپنی باہوں کا حلقہ سخت کرتے ہوئے کہا۔۔ہاں ہوگئی ہے۔

بانو سرتاج کی کردار نگاری کی بات کرے تو افسانہ ''پھینکی ہوئی عورت'' میں اماں کا کردار اس طرح پیش کیا ہیں کی قاری کو ان سے ہمدردی ہوتی ہیں۔ بیٹے بہوں چپکے چپکے کلو منالی کا پروگرام بنا لیتے ہیں اور تمام تیاریاں کر لیتے ہیں۔گڈو، دادی سے زیادہ قریب ہوتا ہیں اس لئے وہ دوڑا ہو دادی کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہیں دادی کلو منالی کا پروگرام بن گیا ہیں۔اور پرسوں جانا ہے۔اماّں کمزور سی آواز میں پوچھتی ہیں اور میں۔گڈوّ چکرا جاتا ہیں بولتا ہیں میں ممیّ سے پوچھ کر بتاتا ہوں تبھی گڈوّ کی ممیّ کہتی ہیں تم سے کس نے کہا کہ جا کر دادی کو بول دو پھر بولی سب کیسے جا سکتے ہیں۔تبھی اماں کا بیٹا بولتا ہیں کی سخت سردی پڑ رہی ہے اماں سے سردی برداشت نہ ہوگی اس طرح وہ اماں کو نہ لیجانے کے ہزار بہانے بنا لیتے ہیں اور اماں کو گھر پر ہی اکیلا چھوڑ جاتے ہیں اور تمام ہدایت کے ساتھ کی وہ آس پڑوش میں نہ جائے زیادہ کسی سے بات نہ کرے اور یہا تک کی ملازمہ کی چھٹی کر دی جاتی ہیں۔فرج، اخبار، ٹی وی سب بند کر دئے جاتے ہیں۔اور اس طرح اماں تنہا اکیلی رہ جاتی ہیں۔اس گھر میں تبھی اماں کی نظر پرانے ردّی اخباروں پر پڑھتی ہیں اور وہ کہتی ہیں کہ یے ردّی اخبار کیوں رہ گئے کیا اس لئے کی یہ ردّی ہیں۔اماں پرانے اخبار کو ہاتھ میں لیتی ہے اور کہتی ہے کہ تمہاری اور میری قسمت ایک سی ہے بھیا کام نکل گیا پھنک دئے گئے۔

اس کہانی میں اماں کا کردار دل کو چھو جانے والا ہیں۔بانو سرتاج کے افسانوں کے ہر کردار اپنا الگ مقام رکھتے ہیں۔بانو سرتاج کی نظر میں ہندوستانی سماج میں مسلم خواتین کی صورتحال غیر اطمینان بخش ہیں۔

اس لئے وہ اپنے افسانوں میں خواتین کے مسائل کو اہمیت دیتی ہیں۔اس لئے وہ مسلم خواتین

کے سماجی ،سیاسی اور علمی پسماندگی کے لئے مرد کوزمہ دار مانتی ہے۔عورتوں کی آزادی کو لئے وہ کہتی ہیں کہ سب فضول باتیں ہیں کیوں کی آج بھی عورت کو وہ مقام حاصل نہیں ہیں جس کی وہ حقدار ہیں عورت کو آزادی کے نام پر دھوکہ مالا ہے۔اوران کی یہی فکران کے افسانوں میں نظرآتی ہیں۔اور بانوسرتاج زمانہ طالب علمی سے لے کراب تک طویل عرصہ میں بھی مسلم خواتین کی تعلیمی پیش رفت اطمینان بخش نہیں مانتی۔اس لئے ان کے افسانوں میں خاص عورتوں کے مسائل پر زیادہ توجہ دہ گئی ہیں۔

کہانی ''چلواب مرجائیں'' بوڑھی نرملا اپنے بیٹے کے پاس پہنچ کر عاجزی سے بولی بیٹا کچھ روپے دے دو''۔کس لئے''اشوک آنکھیں نکال کر بولا''نرملا نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔تمہارے پتا کوسمدر پور لے جا کرویدجی کو دکھلاتی ہو بہت نام سنا ہےان کا۔''

مگراشوک ہیں کہ بہانے بنادیتا ہیں ان سے چلا نہیں جائیں گا تم سے سنبھلیں گے بھی نہیں اشوک نرملا کو دس باتیں سنا دیتا ہیں مگر پیسے نہیں دیتا۔نرملا کی آنکھوں میں آنسوآجاتے ہیں۔بلونت جوکی نرملا کا شوہر ہیں وہ گھٹنوں کے درد سے اتنا پریشان ہوجاتا ہیں کہ کبھی کبھی تو درد کے مارے چیخ نکل جاتی ہیں۔نرملا سے یہ دیکھا نہیں جاتا وہ پریشان ہوکر بلونت کومندر کے پرساد کے بہانے اس میں زہر مالا کر خود بھی کھالیتی ہے اوراس کے شوہر کو بھی کھلا دیتی ہے۔اس کا شوہر بلونت کہتا ہے کیا تھا یہ بہت کڑواتھا۔نرملا کہتی ہے زندگی کی حقیقتوں سے کم ہی کڑواتھا۔پلنگ پر بیٹھ کرنرم ملا اپنا سر بلونت کے قدموں پر رکھ دیتی ہیں اور کہتی ہیں ناتھ! چلواب مرجائیں۔''

اس افسانے میں اشوک کا جو کردار ہیں اس سے ہمیں نفرت سی ہوتی ہیں۔اورنرملا اور بلونت کے کردار سے ہمدری ہوتی ہیں۔اور یہ کردار زہن پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

بانوسرتاج کے افسانوں میں کہی عورت دیوی کا روپ تو کہی حالاتوں کی شکارنظرآتی ہیں۔

اسے عالیٰ مقام بھی حاصل ہیں تو کہی پر فیشن پرستی میں گرفتار خود کو بے شرمی میں موجود نظر آتی ہیں۔ عورت کے مختلف کرداران کے افسانوں میں صاف نظر آتے ہیں۔

کہانی ’صلیب پر ٹنگی عورت‘ ‘ اس افسانے میں بانو سرتاج نے عورت کی مجبوری اور اس کے شادی شدا زندگی میں وہ کس طرح ایڈجسٹمنٹ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔لیکن پھر بھی وہ اپنی زندگی میں نامکمل ہی رہ جاتی ہیں۔ ’’شاہن اپنی آنکھوں کے گوشے خشک کرتی ہوئی بولیں‘‘ اگر شوہر کا پیار اس کا اعتماد حاصل نہیں ہے تو سمجھو ہر عورت صلیب پر ٹنگی ہوئی ہے دشمن کو گولی ماردی جائے اسے زہر دے دیا جائے ،اسے لمحہ بھر میں زندگی سے محروم کر دیا جائے یہی مردانگی ہے تڑپا تڑپا کر مارنا بہادر کو زیب نہیں دیتا۔مگر تمہارے ابوّ نے مجھے صلیب پر ٹانگنے ہی پر اکتفا نہیں کیا۔۔وقفے وقفے سے ایک ایک کیل ٹھونکتے رہے۔جس سے میں مرسکی اور نہ ہی سکھ سے جی سکی‘‘ شاہن نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر تے ہوئے کہا جو تمہیں چاہتا ہے بیٹی اس کی قدر کرو جو ایڈجسٹمیٹ کرتے ہیں وہ پیار نہیں کرتے۔یہ مردوں کی دنیا ہے یہاں ان کے کئے کا جواب طلب کرنے والا کوئی نہیں مگر عورت کی معمولی سی لغزش کا جواب طلب کرنے ہر کوئی تیار رہتا ہے۔میں نے تمام زندگی تمہارے ابوّ کے سوا کسی مرد کے بارے میں خیال نہ کیا مگر کالج کے زمانے کے اس واقعہ کو لے کر تمہارے ابوّ نے مجھے ہمیشہ زلیل کیا۔ ہمارے معاشرے میں ایسی سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی تم بس اتنا یاد رکھو کہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی قصوروار کہلایا جانا بہت تکلیف دِہ ہوتا ہے۔

باوفا ہوتے ہوئے بھی بے وفائی کی صلیب پر چڑھ جانا اور گھٹ گھٹ کر مرنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔کہانی ’’شاید نہیں‘‘ میں بانو سرتاج نے عورت کے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی تعابیر یو کی۔عورت کا نصیب غریب کے گھر کی گیلی لکڑی کی طرح ہوتا ہے۔جسے ہر حال میں جلنا ہے چاہے خاموشی سے جلے چاہے دھواں دے کر۔

عورت کا دِل وہ نازک آینہ ہے جسے بہت سنبھال کر رکھنا ہوتا ہے۔ زرا سی ٹھیس سے وہ چیخ جاتا ہے۔ بانو سرتاج عورت کے جزبات کو اس افسانے میں اس طرح پیش کرتی ہیں کہ عورت وہ ہیرا ہے جسے ماہر تراشنے والا ملے تب ہی صحیح قیمت ملتی ہے۔ وہ سونا ہے جیسے مناسب آب ملے تو ہی نکھرتا ہے۔ اور دوسری طرف عورت کو کمزور بھی کر دیتی ہے عورت کا سب سے بڑا درد اگر وہ ماں نہ بن سکے تو وہ کس کس درد سے گزرتی ہیں۔ اس کے دل پر کیا قیفیت طاری رہتی ہیں۔ اس کو بھی بانو سرتاج نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ عورت کی زندگی میں جو بھی مسلے پیش آتے ہیں وہ بانو سرتاج کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔ عورت کس طرح وہ اپنی حسن اخلاقی اور عقلمندی سے زندگی میں آنے والی مصیبتوں سے خودکی اور اس کے خاندان کی حفاضت کرتی ہے مگر چہرے پر زرا سی بھی شکن نہیں لاتی۔

اپنے افسانوں میں بانو سرتاج نے آج کے دور کی نئی نسل اور فیشن پرستی میں رنگی ہوئی اور ان سے ہونے والی برایوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مثالاً کہانی ''ننگی ٹانگوں والی عورت'' افسانے میں شاینہ کا کردار جو کی اس کا باپ ہی اسے فیشن پرستی کے جال میں اپنے مطلب کے لئے اور جھوٹی شوہرت کے لئے اس کا استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک اس کی بیٹی کو اپنی عزت سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ لیکن نا تو شاہنہ (شینا) کو فرق پڑھتا ہیں اور نہ اس کے پتا کو وہ تو بس سب کچھ بھلا کر اپنی بیٹی کو پھر سے اسی گندگی میں دھکیل نہ چاہتا ہے۔ جہاں پر اس کی عزت گئی۔ اور شاینہ (شینا) کی ماں یہ سب دیکھتے ہوئے بھی اتنی مجبور ہوتی ہیں اپنے شوہر اور بیٹی کے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ مگر شینا کو بھی صرف اپنے کیریئر کی پڑی ہے۔ اس کو اپنی عظمت کا چلے جانے کا بھی کوئی غم نہیں ہوتا وہ صرف فیشن پرستی اور جسم کی نمائش کو ہی اپنا سب کچھ مان بیٹھی تھی۔ اس طرح کے کردار کو بھی بانو سرتاج نے اپنے افسانہ میں پیش کیا ہے۔ آج کے دور کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

بانو سرتاج کے افسانوں میں گہری سوچ اور فکر نظر آتی ہیں ان کے افسانے قاری کے دل اور ذہن پر گہرا اثر ڈالتے ہے۔ اور سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ہر تخلق کار کا اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے

جوانسان کو اپنی اپنی اچھائیوں برائیوں کی طرف کھینچتا ہے اور دوسری طرف ہر تخلق افسانہ نگار کو مواد فراہم کرتا ہے۔اور کرداروں کی تشکیل کرتا ہے۔اور یہی خوبی بانو سرتاج کے افسانہ میں ملتی ہیں۔

بانو سرتاج کے افسانے میں فضا اوراس کے ماحلول کی بھی بھر پور عکاسی ملتی ہیں۔بانو سرتاج ماحول اور فضا کی اس طرح تصویر پیش کرتی ہیں کی قاری افسانہ پڑھتے ہوئے اسی فضا اور ماحول میں ڈوب جاتا ہیں۔مانوں وہ خود اس افسانے کی فضا اور ماحول کا ایک حصہّ ہوں۔فضا اور ماحول افسانے کی تعمیر میں بڑا اہم رول ادا کرتی ہے۔مثلاً افسانہ ''شاید نہیں'' ناہید ٹرین میں کھڑکی کے پاس کی سیٹ پر بیٹھی باہر پھلیے نظاروں میں گم تھی جنگل میں تار کے جھنڈ، کیلےاور گنوّں کے باغیچوں میں کبھی نظر الجھ کر رہ جاتی ہے۔دوسری طرف ناہید مندر کے سامنے پہنچ کر وسیع آنگن کے ایک کونے میں وہ گھڑی ہوئی مندر کے فنِ تعمیر اور خوبصورتی نے اسے بے حد متاثر کیا پتھر میں گھڑی مورتیوں کو وہ سحر زدہ سی دیکھ رہی تھی۔اس افسانے میں خوبصورتی کے مناظر کو پیش کیا ہیں۔ورِنداون کو جھیل کے پانی نے دوحصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جھیل کے کنارے کنارے دوسرے حصّے جانے کے لئے دوسرے مسافر چل پڑھے شام کے ساڑھے چھ بجے فوّاروں پر رنگین روشنیاں ڈالی جاتی تھی ان رنگین فوّاروں کے لئے ہی یہ باغ مشہور ہے۔اس افسانے میں بانو سرتاج منظر نگاری سے ایساں ماحول اور فضا بنادیتی ہیں کی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔منظر نگاری میں بھی انھیں بڑا فن حاصل ہیں۔

بانو سرتاج نے اپنی تخلیقات میں زندگی کو ایک حقیقت پسند خاتون کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔بانو سرتاج نے اردو ہندی اور دیگر زبانوں میں بھی اپنے شعور بکھیرے ہیں۔ادب کے لئے عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ادب انفرادی کوشش کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔لیکن اس انفرادی کاوش میں صرف تخلیقی قوت ہی ادب کے ظہور میں آنے کا سبب نہیں ہوتی بلکہ اس تخلیقی قوت پر ادیب کے سماجی حالات اور گھریلو زندگی کے اثرات بھی پڑتے ہیں۔ان کے افسانوں

میں حب الوطنی بھی ان کے افسانے میں نظر آتی ہیں۔ ''بدلی ہوئی لڑکی''،'' اپنی مٹی کی تلاش'' ایسے افسانہ ہیں جس میں عورتوں کے مسائل اور وطن سے محبت اور مذہب کی محبت کی عکاسی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔افسانہ ''بدلی ہوئی لڑکی'' لارا۔تمہارا مذہب کیا ہے؟ کیا وہ مردوں عورتوں کے اختلاط کی اجازت دیتا ہے؟

سعید کچھ نرم ہوکر بولا۔''مذہب؟ لارا نے ایک طویل سانس لی۔میرے ڈیڈی عیسائی ہیں اور ممّی یہودی مگر دونوں ہی کس گاڈ کو نہیں مانتے۔کسی مذہب کو نہیں مانتے نام کے عیسائی نام کے یہودی ہیں۔

سعید کو بڑا ترس آیا لارا پر۔بولا میں اسی لئے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان کی شادی کے خلاف ہوں۔وہاں مذہب نہیں محبت اہم ہوتی ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ مذہب کے بغیر کوئی کیسے جی سکتا ہے۔اس افسانے میں مذہب سے محبت کی ترجی اور اس کی اہمیت کو بانو سرتاج نے پیش کیا ہیں۔

افسانہ'' اپنی مٹی کی تلاش میں'' وطن کی محبت کو پیش کیا گیا ہے۔روزی جو شاہ رُخ سے شادی تو کرتی ہیں مگر وہ اپنے ملک کے آگے ہندستان کو حقیر سمجھتی ہیں جو کی اس کی ساس کو بالکل پسند نہیں آتا۔روزی کہتی ہیں مما! انڈیا کتنا پور ہے۔وہاں کے لوگ غیر مذہب ہیں عورتوں کو مرد کے پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔پورا انڈین پیپل یہ نہیں سمجھتے کہ زمانہ کتنا ترقی کر گیا ہے۔

ایسا سوچنا غلط ہے رضیہ تم اپنے دل سے باتیں نکال دو میں ایک مرتبہ تمہیں ضرور ہی ہندوستان لے جاؤں گی اور تب افسوس ہوگا کہ تم اپنے شوہر کے ملک کے بارے میں کتنا غلط سوچتی ہو''۔

وہ شارُخ کا ملک کہاں ہے مماّ! میری طرح شاہ رُخ نے ہندوستان دیکھا کب؟ اس کی

پیدائش اس کی تعلیم تو سب لندن ہی میں ہوئی ہے۔'' روزی نے ہنس کر کہا۔میں دل ہی دل میں پشیمان ہوگی جیسے میں نے کوئی جرم کیا ہو۔میں کہنا چاہتی تھی کہ میرے توسط سے،اپنے والدین کے زریعے اس کا تعلق ہندوستان سے ہمیشہ بنا رہے گا۔وہ ہندوستان کا ہے۔ہندوستان ہی کا رہے گا وہ لوٹ کر ایک نہ ایک دن ہندوستان جائے گا اور تم اس کی محبت سے بندھی ہوئی اس کے ساتھ جاوگی۔

افسانہ ''تیاگ'' بھی ملک کی محبت کو طنز کرتا ہوا نظر آتا ہیں ۔تاریخ اوراق گواہ ہیں کہ اس ہندوستان میں مائیں بہنیں ،بیٹیاں اور بیویاں اپنے عزیزوں کو ہنستے چہروں سے میدانِ جنگ میں روانہ کرتی آئی ہیں۔کہ وہ ملک کی حفاظت کر سکیں آج وہ عورتیں کیوں اپنی روایتی بہادری کا مظاہرہ نہیں کرتی ہیں۔اپنے عزیزوں دہشت پسندی کے رجحان سے واقف ہوتے ہی کیوان پر ممتا کے دروازے بند نہیں کر دیتی! کیوں انھیں دتکارنے کا حوصلہ نہیں دِکھاتیں؟ لیکن جب کوئی ماں اپنی ہی کوکھ سے جنمی اولاد کے لئے موت مانگتی ہے تو وہ یقیناً وہ غلتی پر ہوتا ہے۔بانوسرتاج اس طرح کے افسانہ پیش کر کے ہندستانیوں میں عزت نفس خوداری اوران کی اہمیت کا جذبہ ابھار کر وطن کی محبت اور اس کے لئے مر مٹنے کی تمنّا پیدا کرنا چاہتی ہے۔

بانوسرتاج کی رومانیت اور مثالیت پسندی ان کے مذہبی جزبات میں شدت پیدا کردی ہیں۔ بانوسرتاج نے سیدھے سادھے مگر پر اثر زبان میں گردوپیش کی زندگی کا مطالعہ شروع کیا۔ان میں آدرش واد بھی موجود ہے اور حقیقت نگاری بھی لیکن یہ حقیقت مکمل ہیں بلکہ سماجی زندگی کی جھلکیاں ہی پیش پیش کی گی ہیں۔ہندوستان خاص طور سے قصہ کہانیوں اورلوک کتھاؤں کا ملک رہا ہے۔یہاں ہندوستانی مزاج شروع سے ہی کہانی کہنے اور سننے کے لئے ہموار رہا ہے۔بانوسرتاج کے افسانوں میں جہاں ایک طرف دلکشی اور رنگینی ہے وہی معاشرتی زندگی کے حوالوں کے ساتھ رومانی رجحانات، مقصدیت اوراصلاحی اصول بھی نظر آتے ہے۔وہ سماجی حقائق کو پوری طرح ملحوظ بھی رکھتی ہیں۔ اور تخلیقات وتصورات کی خوفناک دنیا کی سیر بھی کراتی ہیں۔بانوسرتاج اپنے افسانوں میں چھوٹے

چھوٹے جملوں میں محاورے استعمال کر کے وہ جوش پیدا کر دیتی ہیں۔اپنے افسانوں میں فطری رنگ پیدا کرنے کی کوشش کرتیں ہیں ان کو منظر نگاری میں کمال حاصل ہیں۔انہوں نے زندگی حقیقتوں کونظر انداز نہیں کیا بلکہ عشق ومحبت کوموضوع بنا کرمختلف النوع افسانے لکھ رہی ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ کہیں کہیں زندگی کی کوئی چھوٹی چھوٹی مخصوص جھلکیاں خصوصیت ان افسانوں میں اجاگر ہوتی ہے۔جن مختلف چیزوں سے کہانی بنتی ہے وہ سب ایک ایک کر کے بانوسرتاج کی کہانی میں ملتی ہیں ان کے افسانوں کا موضوع صداقت ہے جو دیکھا تجربہ حاصل کیا اسی کوقلم بند کر دیا۔وہ سماجی مسائل کواصلاحی اور اخلاقی نظر کے بجائے تاریخی اور مادی حقائق کی روشنی میں دیکھتی ہے۔اوراس نتیجہ پر پہنچنے کی سماجی مسائل کے حل کے لئے اصلاحات کی نہیں بلکہ سماجی نظام کوسب سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہیں۔

بانوسرتاج کے افسانوں میں حقیقت نگاری کی نوعیت۔ ہرتحریر جس کے معنی ہوں کسی نہ کسی حقیقت کا بیان ہوتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس میں حقیقت کا بیان کس حد تک اور کس پیرائے میں کا کیا کہا گیا ہے۔اور یہ کہ وہ زندگی اوراس کے ارتقاء کوسمجھنے میں معاون ہوتے ہیں یا نہیں موجودہ حقیقت نگاری انگریزی لفظ Realisam کا ترجمہ ہے۔Real لاطینی زبان کے لفظ Res سے مشق ہے۔جس کے معنی شے کے ہیں اس طرح لفظ حقیقی کے مفہوم سے اشیاء کاتعلق قائم ہوتا ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فرانس کی اس ادبی تحریک کوجب Realism کا نام دیا گیا تو اس کی بنیاد میں اشیاء کاتعلق اوراس کے حقیقت بیان کرنا بھی شامل تھا۔ان اشیاء میں خصوصیت سے مادیت پرزورتھا روحانیت پرنہیں۔انیسویں صدی کے نصف آخر سا زمانہ یورپ کے لئے کئی جہتوں سے اہمیت رکھتا حقیقت نگاری میں زندگی کی پیش کش اصل زندگی کے مطابق کی جاتی ہے گو یہ کہ یہ تصویر حقیقی زندگی کی ہو بہونقل نہیں ہوتی۔لیکن حقیقت نگاری صرف مخصوص موضوعات زندگی یا حالات کوفکشن کے لئے انتخاب کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا خاص ادبی اسلوب بھی ہے۔

اس لئے لازمی ہے کہ اس کا ادبی اسلوب اس کے موضوع سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔اس کا انداز بیان صاف ستھرا ہواس میں ابہام کم سے کم ہواوراس کا زاتی اور جزباتی نقطہ نظر فکشن پر حاوی نہ ہو۔ واقعات کی پیش کش زندگی سے اس کو قریب ہو کر کہ واقعات کے غیر حقیقی ہوتے ہوئے بھی ان پر حقیقت کا التباس ہو۔

بانو سرتاج نے اپنے ادبی زندگی کا آغاز ساتویں آٹھویں جماعت سے شروع کیا۔ان کی پہلی کہانی ''سزا'' کھلونا میگزین میں اپریل ۱۹۷۲ دہلی میں شائع ہوئی۔ان کے افسانوں میں فکری، فنی اورادبی رجحانات کی تلاش کے لئے کم نہیں۔بانو سرتاج نے سیدھی سادی پر اثر زبان میں عورتوں کی گردوپیش کی زندگی کا مطالعہ شروع کیا ان کا فن ایک طرح سے چیلنج ہے۔عورتوں میں تعلیم کی کمی اوران سے پیدا ہونے والے مسائل ان ساری چیزوں کوانہوں نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ بانو سرتاج کو معلوم ہے کہ عورتوں کی بدحالی کی وجوہات مرد تو ہے ہی بلکہ ان کی تعلیم نہ ہونا بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے کرداروں کے زریعے اپنے فن میں حقیقت کی نئی روح پھونک دی ہے۔وہ اپنے کرداروں کے ساتھ پوری رواداری برتی ہیں۔ان کے کرداروں میں حرکت ہے۔بانو سرتاج کے کرداروں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ان کو باآسانی دوحصوّں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ان کی پہلی قِسم وہ ہے جس میں بانو سرتاج کسی تصور کو پیش کرتی ہیں اور جنہیں بانو سرتاج نے مثال نما بنا کر پیش کیا ہے۔ایسے کردار اصول پرستی کے شکار ہیں۔دوسرے قسم کے کردار وہ ہیں جو حالات کے ساتھ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ان کے افسانوں میں عورت ہر روپ میں نظر آتی ہیں اور آئیگی لیکن ان میں کوئی بھی مٹی کا مادھو، کاٹھ کی پتلی، چینی کی گڑیا بےحسن و بے جان پیکر نہیں نہ سب خوبیوں کا مرقعے ہیں۔ہم ہر چہرے پر زندگی کی کشمکش کی پر چھائیاں دیکھ سکتے ہیں اور ہر سینے میں عورت کے دل کی دھڑکن سنی جاسکتی ہے۔ہر آنکھ میں عورت کی روح جھانکتی نظر آتی ہے۔ان کی زبان افسانوی اسلوب کے مطابق ہے۔انھوں نے ادب کو سجاوٹ کی چیز نہ بنا کر سماجی اصلاح کا زریعہ بنایا۔اگر وہ

ایسا نہ کرتی تو ان کا تصور کہ سماج میں رائج عورتوں کی بدحالی پر ادب کے زریعے چوٹ کی جانی چاہیے خواب ہی رہ جاتا۔ یہی خصوصیت انہیں ایک کامیاب افسانہ نگار ثابت کرتی ہیں۔

انہوں نے اردو کہانی کو خیالی فرضی دنیا سے نکال کر حقیقی پہلوں اور فکر سے آشناء کیا۔ بانو سرتاج اپنی زات میں آسان نہیں ہے۔ انسانی زندگی کو مختلف زاویوں سے وسیع ترین تناظر میں دیکھنے کو جو کوشش ان کے یہاں ملتی ہے دنیا کے ہر ادیب کا زندگی کے متعلق اپنا ایک مخصوص نقطہ نظر ہوتا ہے اس کی جھلک اسکی تخلیقات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس طرح بانو سرتاج کا بھی ایک مخصوص نظریہ حیات ہے۔ جس نے ان کی شخصیت اور ذہن کی تشکیل میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ بانو سرتاج مقصود ہونے کے باوجود ان کے نظریات میں اتنی لچک ہے کہ انکی نگاہ کسی ایک مقام پر نہیں رُکی وہ سچائی کی تلاش میں سرگرداں ہی ہے۔ طنز و مزاح بانو سرتاج کے افسانوں میں ملتا ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانہ نگاری کے زریعے بعض تلخ حقیقتوں اور فرسودہ رسم رواج کو اپنے طنز کا نشانہ بنایا۔ ان کے طنز کے عنصر حقیقت نگاری کے رنگ کو گہرا کر دیتے ہے۔ اپنے افسانوں میں انسان کی فطرت کو وسیع مناظر میں پیش کیا ہے۔ ہم کو انسان کے ساتھ ساتھ فطرت بھی سانس لیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے زیادہ تر افسانوں کے کرداراوران کے پلاٹ فضا کو اہم مقام دیا ہے۔ اور تصویر کشی کے لئے کردار کو بھی تخلیق کرتی ہے۔ بانو سرتاج اپنے افسانوں کے ساتھ ساتھ قاری کو بھی اس دنیاں کی سیر کراتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان کا اسلوب اتنا دلکش ہوتا ہے کہ بات دل سے نکل کر دل میں اتر جاتی ہے۔ اردو افسانوی روایت کا یہ وہ نکتہ ہے جس کے تعین وقدر کے بارے میں ابھی برسوں چھان پھٹک ہوتی رہے گی۔ وہ دلوں میں اتر کر اپنا کام کر جاتی ہے۔ سب کو متاثر کرتی ہے۔ لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتی یہ ایک نعمت ہے۔ ایک طرح کی بے غرض نفسیاتی کیفیت ہے۔ بانو سرتاج ایسے موضوع پر نہیں لکھتی جس سے وہ خود پوری طرح واقف نہ ہوں وہ اپنے آس پاس کی باریک سے باریک چیز کا دل کی گہرائی سے مطالعہ کرتی ہیں۔ ان کی ادبی حیثیت کو تسلم کیا جانا چاہیے۔ انہیں افسانہ نگاری کے

فن پر مکمل عبور حاصل ہیں۔ وہ اپنی تخلیقات کے زریعے موجودہ فرسودہ سماجی نظام کی خرابیوں کو نمایا کر کے اسے تبدیل کر دینے پر زور دینا چاہتی ہیں۔

ان کی بے لاگ حقیقت نگاری جو سماج کی بعض اہم حقیقتوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ بانو سرتاج نے اپنے افسانوں میں زندگی کی پیشمانی کے ساتھ ساتھ حسن وعشق کے مناظر کے ساتھ زندگی کے ٹھوس اور کڑوی حقیقتو کو بھی پیش کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ایسے کردار ملتے ہیں جو وقت کے تھپیڑوں کے شکار ہیں۔ اور معاشرے کے اہم فرد ہونے کے باوجود ان کو ذلیل وپست اور حقیر نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں طوائف، بچے، بوڑھے، عورتیں وغیرہ غرض جو بھی سماجی حالات کے مارے ہوئے ہیں ان کی نمائندگی ان کے افسانوں میں ملتی ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایسے غلط سماجی نظام کو ختم کیا جائے جو انسان کو ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف لے جاتا ہے۔ انہوں نے افسانوں کو حسن سادگی سے آرستہ کیا۔ افسانہ ''شکار'' میں بانو سرتاج نے ٹرین کے سفر کو انسانی نفسیات کی ایسی ہی کشاکس کے وسلیے سے نہ صرف دیکھا ہے۔ ہمیں اسی شدت سے دکھایا بھی ہے۔ ان کے طرز بیان میں قابلِ لحاظ نکھار آیا ہے۔ ان کے افسانے کی زبان میں بیانیہ کی سادگی بھی ہے پر کاری بھی ہے کہ ہم اسٹیشن پر ٹرین چھوٹنے سے پہلے اور ٹرین چھوٹنے کے بعد بھاگتے دوڑتے آدمی کے روپ میں اس کی نفساتی اس کی ڈھکی چھپی خباثتیں، ہیولوں کی صورت، اپنے اطراف دیکھتے ہیں اور انھیں کا ایک حصہّ بن جاتے ہیں اس چھوٹے سے میدانِ حشر میں وہ ساری جھلکیاں ہیں جن سے ہمیں پل صراط کے بعد بھی گزرنہ ہے۔ کوئی کسی کا نہیں۔ یہاں تک اللہ بھی نامہ اعمال دیکھے کے لئے یہاں موجود نہیں ہیں۔

''بھیڑ میں بھٹکا ہوا آدمی''۔ ٹرین کی ایک بوگی میں کانفرنس سے لوٹتے ہوئے مندرو کی تنگ فطری منافقانہ طرزِ عمل اور ریا کاری پر من دیناشاہ کی گھٹن اور کڑھن کا ایسا شدید ردعمل ہے جس کا برملا اظہار اس ماحول میں ممکن نہیں جہاں جغرافیائی عصبیت ملک وقوم کی یگانگت کو ہر لفظ مجروع کرتی

ہے۔اس افسانے میں بانوسرتاج کی قوت مشاہدہ اور باریک بینی نے بوگی میں ہوتی ہوئی کج بحثی اور الزام تراشیوں سے گریز کی کوئی احتجاجی صورت نہ پاکر کئی سوال اٹھائے ہیں۔جو اہم ہے اب اس اقتباس پر ہی اکتفا نہ کیجئے۔کہانی پڑھ کر ان کے سلیقہ اظہار کی داد دیجئے۔

''تشا کو مجل ہوتا دیکھ کر دیپا کو حیرت ہوئی عام طور پر اس طرح کے حالات میں موضوع بدل دیتے ہیں۔وہ بے چارے بھی کیا کریں جو ہدف ملامت بنتے ہیں۔ایک مخصوص قوم سے تعلق رکھنے کی بنا پر ان کی حب الوطنی ہمیشہ مشکوک رہی ہے اور رہے گی۔یوں تو ملک رکھنے کی بنا پر ان کی حب الوطنی ہمیشہ مشکوک رہی ہے اور رہے گی۔یوں تو ملک کے لئے وہ بھی سر پے کفن باندھتے ہیں۔مگر ان وفاداری پر لگا ہوا سوالیہ نشان بڑا ہی ہوتا جاتا ہے۔اگنی پریکشا کے بعد بھی سیتا کی پاک دامنی پر شک کرنے والوں کا دیش ہے یہ دلوں میں جھانک کر کون دیکھتا ہے۔دیش بھگتی کا نعرہ لگانے والے فرقہ وارانہ جزبات کی آگ بھڑکا کر دیش کے اتحاد اتفاق کی جڑیں کسی طرح کھوکھلی کر رہے ہیں۔یہ سب پر عیاں ہے۔پھر بھی ان پر کوئی انگلی نہیں اٹھاتا۔وہ حب لوطنی ہے کیوں کہ وہ ایک مخصوص قوم کے نہیں ہیں۔

تشار صاحب،آپ نے یہ خاموشی کیوں اختیار کر لی؟ کیا میرا نام کسی محرم کا پتہ دیتا ہے۔''

اس طرح کہ حالات اور ماحول کے بطن سے کہانی خود پھوٹے اور دل شکستہ و دل برداشتہ مخصوص کرداروں کے جزبہ احساس کی منھ بولتی تصویر بن جائے۔لیکن ''بھیڑ میں بھٹکا ہوا آدمی ''نکات نظر کی جو آویزش ہے اس کا سہارا لے کر افسانہ نگار کے لئے راحت اور دوٹوک طرزِ نگارش ہی واحد راستہ ہے۔بانوسرتاج کو پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ جس کو انھوں نے اپنا شعار بنا رکھا ہے اسی تجسس نے ان کی کہانیوں میں تنوع کے کتنے ہی روزن بنا رکھے ہیں جن سے وہ جھانکتی ہیں۔کیوں؟ کیا؟ اور کتنی طرح؟ کی تثلیث تخلیقی جبلّت کو صیقل کرتی ہے وہ کہانی کو چھونے سے پہلے

اس کے اندر اتر جانے کا ہنر جان گئی ہے۔ جیسے غم آنسو بننے سے پہلے دل میں اتر جاتا ہے۔ کبھی کبھی کہانی پڑھتے ہوئے یہ احساس بھی جاگزیں ہوتا ہے کہ اس کا کردار نہیں مر رہا ہے۔ ہم مر رہے ہیں۔ لیکن یہ کبھی کبھی ہو تو اچھا ہے۔

''تین بوڑھے'' اور ایک گھنونٹ زہر'' ہماری نیلام پر چڑھی ہوئی تہذیب کی ایسی کہانیاں ہیں جو جبر و ستبدار کے آگے سپر ڈال کر سب کچھ سہ جانے میں زندگی کی عافیت سمجھتی ہیں۔ دونوں کہانیوں کا مضو عاتی بوقلموں تنوع دکھ درد کی جداگانہ صورتیں رکھتا ہے۔ ''تین بوڑھے'' میں انفرادیت کے استحصال سے سمجھوتے کی مجبوریاں بے سہارا رشتوں اور محبتوں کو اقدار کی شکست وریخت کے ہاتھوں زندہ رہ کر بھی سب کچھ سہہ جانے پر آمادہ کر چکی ہیں۔ ''یہی مجبوریاں'' ایک گھونٹ زہر'' میں پٹھا نیت کے جالال و جبروت کو ان واحد میں اس درجہ پامال کر دیتی ہیں کہ اسکرؔ خان اپنے اقدار کی تحکیم اور قومیت کے پندار کی کرچیاں بکھر جائے پر فر بھی اپنی چہتی خوب صورت بیوی کی عصمت دری کی پر دہ پوشی کو بدنامی کے خوف سے فرادیت کا جواز بنا لیتا ہے۔ اور بغیر کسی احتجاج کے وہ شہر ہی چھوڑ دیتا ہے جہاں اس پر قیامت ٹوٹی تھی۔ تین بوڑھے میں کہانی کا در و بست زیادہ مضبوط اور فنکارانہ ہے۔ ''قبرستان''، بھی سجل، سنبھل ہوئی اور آہستہ خرام کہانی ہے عورت کی مجبوریاں یہاں تک ہیں کہ وہ ممتا کی تقدیں میں بھی کسی رانزہ زندگی غم زدہ کو اپنا نہیں سکتی۔ عورت اور اس کے نت نت روپ کا گھمیر تعدس بانو سرتاج کا خاص موضوع ہے۔ انھوں نے اس کہانی میں بھی جزئیات نگاری کا سلیقہ نبھایا ہے اور کلائمکس (climax) کو اثر اگیز موڑ دے کر سوربھؔ کو زندگی کی بھاگ دوڑ میں ہمارے ساتھ کر دیا ہے۔ سوربھؔ کا وطن چھوڑتے وقت کرشناؔ سے نہ ملنا کہانی کو ایک بار پھر twist کرتا ہے اور کرشناؔ کے ساتھ ہر ممتا کو جھنجوڑتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے من کی جھنجھری سے راکھ گر رہی ہو۔

افسانہ ''بجوکا'' معاشرتی اور معاشی استحصال کا ایسا المیہ پیش کرتا ہے جو جھوٹ اور سچ کے بیچ حق و باطل کے درمیان خطِ فاصل کھینچنے کی اہلیت سے برج موہن کو اس لئے محروم کر دیتا ہے کہ وہ اپنی بے

بضاحت اور بے توقیر زندگی کے آگے شکست خوددگی کو بے چون وچرا تسلیم کر لے۔لیکن برج موہن کا احساس ذہن اس پیکار میں بے ضمیری سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا اور وہ اپنی ہی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اختتائے پر بانو سرتاج کے قلم نے طنز کے وہ مشتر رگِ جاں کے قریب رکھ دئے ہیں کہ برج موہن سے اس کی بے بسی پر صرف ہمدری نہیں ہوتی بلکی بجوکا رائے کے قاری زخم جینے مال کوتر ہوئے ہمیں صاف نظر آتے ہیں۔

''راجہ میرے راجہ آگے تم۔رک کیوں گئے۔اندر آونا۔''
نیہا نے پیار بھرے لہجے میں پکارا
برج موہن ہنس پڑا۔زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔پاپا ممی دوڑے آئے۔
''برج۔۔برج موہن ہوش میں آؤ۔۔کیوں ہنس رہے ہوں؟۔''
کسی اندیشے سے زور سے پکڑ کر پاپا اُسے جھنجوڑنے لگے۔

''برج۔۔کون برج؟''۔برج موہن تن کر کھڑا ہو گیا۔ڈرامائی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر کچھ جُھکا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔میں قبول کرتا ہوں کہ میرا نام بجوکا ہے۔بجوکا رائے۔نہریکا کا پتی میں یہ بھی قبول کرتا ہوں کہ پنکی میری بیٹی ہے۔۔اور نہریکا کی گود میں لیٹا ہو بچہ بھی میرا ہی ہے۔میں اپنے پورے ہوش وحواس کے ساتھ نہ اقرار یہ کہہ رہا ہوں کہ میں بجوکا ہوں۔۔بجوکا رائے'۔

افسانے کے لئے بانو سرتاج کافی سلجھی ہوئی ستھری زبان لکھتی ہیں۔بعض جگہ بے تکلف ہندی الفاظ کا استعمال کرتی ہیں لیکن بعض وقت فارسی یہ عربی کی آمیزش کے شوق میں جملے کے معنی ہی بدل کر رکھ دیتی ہیں۔اب انھیں ان باتوں کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔الفاظ کے استعمال مختصر افسانے میں انگوٹھی میں جڑے نگینے کی دمک کی طرح ہے افسانے کی لفظیات افسانے کو زنجیر در زنجیر گرہ در گرہ کسی کو رکھتی ہیں اور اسی کساو کی معنوی کشادگی سے افسانہ نکھرتا جاتا ہے۔بانو سرتاج اس کا

بڑی حدتک خیال رکھتی ہے لیکن ان کے بعض افسانے اس کشمکش بل سے عاری بھی ہیں۔ایسے استقام،ایسی سلوٹیں کم زیادہ کس کے پاس نہیں ہیں لیکن احتیاط سب پر لازم ہے۔

دائروں کے قیدی افسانہ مجموع میں بانوسرتاج کی سب سے مختصر کہانی ''بھیک'' ہے جس کا ترجمہ ہندی، مراٹھی، کنڑ اور اڑیا میں شائع ہو چکا ہے۔اس کہانی کے اختصار نے اس کو بہت سنبھالا ہے۔تاثر کی شدت سے یہ کہانی ایک حدتک اس لئے عاری ہے کہ بی بی جی کے بانجھ پن کی محرومیوں سے بانوسرتاج نے وہ فضا پیدا نہیں کہ جو قاری کی دل گرفتگی کا باعث بنتی ؔہو۔لگتا ہے جیسے یہ کہانی ''بھیک'' کے عنوان کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔لیکن اتنی زبانوں میں اس کی پزیرائی خود بانوسرتاج کے لئے باعثِ طمانیت ہے۔

جسے ہی لطف اور دلکش بنا دیتی ہے۔انہوں نے فکروفن کے معاملے میں جس صبط وتوازن کا ثبوت دیا ہے۔ وہ ان ہی سے مخصوص ہے۔انہوں نے عورتوں کی زندگی کی پریشانیوں اور مصبتوں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر نظر رکھتے ہوئے لکھا۔زندگی کے نتائج ترین حقائق کو خوبصورتی سے پیش کرنے میں بانوسرتاج کو مہارت حاصل ہے۔ان کے یہاں تلخی ہے مگر بے دردی نہیں۔

بانوسرتاج کی کردارنگاری بے مثال ہے وہ کردار تخلیق نہیں کرتی بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہیں بنے بنائے کردار مل جاتے ہیں وہ کردار انہیں صرف الفاظوں کا جامہ پہنا دیتی ہیں۔وہ اپنے افسانوں میں جو کردار پیش کرتی ہیں وہ صرف کاغز کی نہ ہوکر حقیقی نظر آتے ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے پڑھنے کے بعد بھی پڑھنے والے کے زہن پر چھائے رہتے ہیں۔بانوسرتاج کے افسانوی کائنات بہت سی چیزوں سے مل کر بنتی ہے۔لیکن جس چیز نے اس میں سب سے زیادہ چھل پہل اور گما گہمی پیدا کی ہے وہ اس کے کرداروں کی نفسیات کو بہت گہرائی سے پیش کرتی۔ان کے

کردار وکسی پرستان یا راج گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ اسی گردو پیش کی دنیا سے لیئے گئے ہیں مثلاً ۔۔افسانہ پکار کا کردار ممتاز بیگم افسانہ لاوارث میں معصومہ جیسے کردار میں بانو سرتاج اپنی فنکارانہ بصیرت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ان کے افسانوں میں اپنے پورے انسانی درد و دہشت کے ساتھ جلوہ گر ہے اس کا انہوں نے اچھی طرح مشاہدہ کیا اسے بھگتا ہے اور اس کی شکایت کو محسوس کیا ہے۔جزباتی کشمکش ،دکھ درد،محرومیوں اور مایوسیوں کی دل آویز تصویر کشی بانو سرتاج کے افسانوں میں ملتی ہیں۔انہوں نے شہری زندگی سے متعلق بھی اپنے افسانوں میں جدید تعلیم ،مغربی تہذیب اور مشرقی روایت کو معنی خیز انداز افسانہ ''عورت'' مجبور محض نسائیت کی ایسی داستان پر کھا ہے جو مرد کے جہل اور استبدار کے آگے اپنی عزت وتو قیر کو داؤ پر لگا کر بھی مصالحت پر اتر آتی ہے اور مرد کے پچھتاوے پر اتنا نرم گوشہ اپنے دل میں چھپا دیتی ہے کہ اس کو نہ صرف معاف کر دیتی ہے بلکہ دیوتا سمان سمجھ کر پھر سے اپنا آپا دتھوپ یتی اور خود کو خوش آئند خوابوں کے حوالے کر دیتی ہے۔

بانو سرتاج کہانی کو بڑے ڈھنگ سے سمیٹ ہیں۔''کہانی وہ ایک لمحہ''اور''انجام'' دونوں کہانیوں میں اپنے قاری کو شروع ہی سے اپنی گرفت میں لے لینے کا یارا ہے۔جو کہانی کے صرف آغاز ہی کا وصف ہے۔وہ ایک نفسیاتی عقدہ کشائی سے سمبھل جاتا ہے اور اثر چھوڑتا ہے۔

''احساس کی آنچ''اس کہانی میں بانو سرتاج نے جزئیات نگاری اور جزبات نگاری کا کمال دکھایا ہے۔شروع سے آخر تک ہم اس کہانی میں غریب نا راکم حیثیت اور نچلے متوسط طبقے کی لڑکیوں کے ہوٹل میں بانو کے نوکِ قلم کے ساتھ صریر خامہ کی طرح چلتے ہے۔کرداروں سے ملتے ہیں۔ مجبوری نہیں جبر آ شنا لڑکیوں سے ہمدردی محسوس کرتے ہیں ۔تائی کے استبداد واستحصال کا جزبہ ہمارے دل میں بھی ابھرتا ہے۔

بانو سرتاج کے افسانے کے دروبست میں سلیقہ مندی کا ایسا مظاہرہ کیا ہے جو انھیں فنکاری کی

سرحدوں میں لے جاتا ہے۔لگتا ہے بانوسرتاج کی باریک نگاہوں کے آگے کہانی خودکوسونپ کر کاغذ پرچھپتی جاتی ہے۔نزیرفتح پوری لکھتے ہیں:۔''بانوسرتاج کے افسانے ان کی باطنی آنکھوں سے ٹپکے ہوئے وہ آنسوں ہیں جوزندگی اورمتعلقات زندگی کی داستانِ خونچکاں پڑھ کر بہتے ہیں اورصفحہء قرطاس پرپھیل گئے ہیں۔ان کے افسانوں کے حرف میں حقیقی کرب کی لہررواں دواں نظرآتی ہے۔خنجرکی تیزنوک کا احساس قدم نہ قدم قاری کے ساتھ چلتا ہوامحسوس ہوتا ہے یہ افسانے جہاں اپنے انداراصلاحی پہلورکھتے ہیں وہاں بھٹکے ہوئےشعورکی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔

ڈاکٹرمست رام کپورلکھتے ہیں۔''بانوسرتاج کی کہانیوں کی خصوصیات ہے:۔لوک شیلی اور آدھونک تکنیک کا حیرت انگیزمرکب ہے۔ایک طرف وہ لوک کتھا کی پرمپیرا کے انساررانوبھوسمّپن کتھاواچک کی بھومیکا اپنا کرآپ بیتی یا جگ بیتی سناتی ہیں۔اس بات کا باقاعدہ دھیان رکھتے ہوئے کہ کہانی سننے والا بنا اُبھے بنا جمائی لئے اس کے شبدوں کی پرتیکھشا کرے اوراس کا دھیان اِدھراُدھر نہ ہٹے۔دوسری اوروہ اوہنری اورموپاساں جیسے اُچّ کوٹی کے کتھاشیلوں سے وراثت میں ملی تکنیک کا بڑی خوبی سے استعمال کرتی ہیں۔

اچھےّ جملے یا اچھےّ پیراگراف میں کہانی پڑھنے یا سننے والوں کے دلوں پراتاردینا اورپھرانھیں سلگتی تڑپ کی صورت میں چھوڑ دینا اس تکنیک کا اُپیوگ بانوسرتاج نے کئی کہانیوں میں بڑی کُشلتا کےساتھ کیا ہے۔

بانوسرتاج نے کئی کہانیوں میں اپنی تھتیوں کے دائرے سے باہرنکلنے کی کوشش اسپشٹ دکھائی دیتی ہے۔اس لئے ان کی کہانیاں نہ تو استری پُرش سمبندھوں تک سمیت ہیں جیسا کہ پرائے مہیلا لیکھن میں دیکھا جاتا ہے۔اورنہ ہی الپ سنکھیک اسورکھشا اوربھتیوں سے جکڑی ہے۔جیسا کہ عام طورپرالپ سنکھیک ورگ کے لیکھکوں کے کام میں دکھائی دیتا ہے۔

بانوسرتاج کی کہانیوں کو پڑھنے کے بعد ایک تیکھا احساس ہوتا ہے۔ کہ ہمارا ساہتیہ پرشوں اوراُ نچ جاتیوں کے لیکھکوں پر ہی نربھر رہ کر کتنا ادھورا اور کتنا اک طرفہ ہے۔''

بانوسرتاج ہندی ساہتیہ جگت کا ایک جانا مانا نام ہے۔ ان کی کہانیوں کے تین مجموعے ہندی میں شائع ہو چکے ہیں۔ چونکہ وہ پچھلے پچپن سال سے اردو میں بھی برابر لکھتی رہی ہے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ ان کی کہانیوں کا انتخاب اردو میں بھی شائع ہو اس کی تحریک ہمیں تناظر کے جنوبی ہند کے ایڈیٹر قبال متین سے ملے۔ بانوسرتاج سے ان کے تعلقات کا آغاز ۱۹۶۶۔۱۹۶۷ء کے لگ بھگ ہوا تھا جب وہ مرحوم سلیمان ادیب کے مشہور ادبی جزید ''صبا'' کا افسانوی حصہ مرتب کیا کرتے تھے۔ بانو کی ادبی زندگی (development and growth) کا جائزہ وہ تب ہی سے لیتے آرہے ہیں اور جان گئے ہیں وہ خوب اور خوب تر لکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کہانیوں کی اثر ریزی اور غیر معمولی دل کشی کا سارا حُسن موضوع اور اس کو برتنے کی ہنر مندی کے سبب سے ہے۔

افسانے کا سب سے اہم عنصر جزبہ ہوتا ہے۔ یہ جزبہ ہی فنکار کے خیالات جزبات اور احساسات کو جگانے کا کام کرتا ہے۔ کہانی کو اپنی شناخت اور اپنے ادبی مقام کے متیعٔن کے لئے فنکار اور قاری کے رائمی رشتے کی مرہون منّت رہنا ہوتا ہے۔ اسِ رِشتے کی بقا کے لئے دونوں کے مابین جزباتی لگاؤ کے عِلاوہ سہل اور ہموار آمدوفت ضروری ہے۔ یہ دِل کا درد کا رِشتہ ہے۔ کہانی کے دوسرے اہم عناصر ہیں۔ پلاٹ، منظر، کردار اور جزئیات نگاری مقصدیت'' اسلوب اور last but not the peast موضوع میں ان سب کو سمیٹ کر ایک زندہ دھڑکتی روح ثبیہ میں منتقل کر کے صفحۂ قرطاس پر اتارنے کا سلیقہ۔ بانوسرتاج اچھی فنکار ہیں اور کہانی کے ان سب جوہرات سے آشنا ہیں۔''

''دائروں کے قیدی'' مجموعے میں معاشرے کی ان مثبت اور منفی قدروں کی کتھا ہے جنِ سے

ہم سب مانوس ہیں۔دلدل میں پھنسی قدریں آسمانوں میں پرندوں کی آزاد اڑانیں ایسی قدریں اُونچی سے اونچی تعلیم اور بڑے سے بڑا عہدہ بھی آدمی کو اس کے سنسکاروں اور ان کی جنجیروں سے چھٹکارہ نہیں دلا سکتا ہے جن سے اس کے ذہن وشعور کی نشو ونما ہوئی ہوتی ہے۔اس کہانی کی نائیکہ اپنے شوہر کی الجھن کی وجہ سمجھتی ہے۔اس کا حل بھی جانتی ہے مگر اس حل تک پہنچنے کا نہ راستہ جانتی ہے نہ طریقہ معروف جرمن دانشور کادل قریڈرک غوس کے الفاظ میں۔

I HAVE HAD MY SOLOUTIONSTOR A LONG TIME BUT I DO NOT YET KNOW HOW I AM TO ARRIVE AT THEM KARE FRIEDRICH GAUSS,GERMANY 1777-1855

بانوسرتاج اچھی بہت اچھی فنکارہ ہیں۔انھیں لگا تار پڑھتے رہنے سے جسِ قسم کی توقعات وابستہ کی جاسکتی تھیں وہ پوری ہورہی ہیں۔بانوسرتاج افسانہ نگاری کے فن سے تو واقف تو ہے ہی ساتھ ہی اس سے بھی واقف ہیں۔جس پر چل کر آدمی انسان کے ساتھ بہتر رشتہ اسعوار کیا جاتا ہے۔ ان کا تخلیقی عمل پریم چند،کرشن چند،شرت چند چٹرجی سے متاثر ہے۔بانوسرتاج کے یہاں تیز جزبات غیر معمولی واقعات اور طوفانی حالات سازہی ملتے ہیں۔اور مرہ کے معمولی سے معمولی واقعات عام جزبات واحساسات اور سیدھی سادھی حقیقت کو بڑی لطافت اور پاکیز گی سے پیش کرنے کا ان میں سلیقہ ہے۔اوران کے افسانوں کو یہ سیدھے سادی حقیقت میں پیش کیا ہے۔ان کے انداز بیان سے کچھ طنز عنصر بھی جھلکتا ہے۔قصیر قفس انہوں نے ذہنی اور جذباتی الجھنوں کو بڑی خوبی سے سلجھایا ہے۔اورزمانے کی اصل حقیقت کو اپنے افسانے میں پیش کیا ہے۔

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بانوسرتاج اردو کا ایک کامیاب ترین افسانہ نگار ہے۔اردو کے

افسانوی ادب میں آنے والا زمانہ بانو سرتاج کا ہوگا۔آج افسانہ نگار عہد غلامی کے افسانہ نگاروں سے زیادہ خوف زدہ نظر آرہا ہے۔وہ جماعت اسلامی سے لیکر ناقدین بلکہ تبصرہ نگاروں تک سے سہما رہتا ہے۔اوراس لئے گیلی لکڑی بن کر سلگتا ہے۔چنانچہ آگے افسانہ نگار کو بانو سرتاج کی ضرورت ہے۔افسانے کا فن سکھانے اورفن کی باریکیاں سمجھانے کے لئے نہیں بلکہ جھنجھوڑ نے کے لئے بانو سرتاج کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ادب میں ان کا مقام اورمرتبہ کا تعین کیا جانا چاہیے ہے۔جس کی وہ مستحق ہے۔

بانوسرتاج بہ حیثیت ناول نگار

ناول ایسے نثری قصےّ کو کہتے ہیں جس میں ہماری حقیقی زندگی کا عکس نظر آتا ہے یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہماری امنگیں اور آرزوئیں اپنا دیدار کرواتی ہیں۔ مطلب یہ کہ ناول زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے۔ناول کی تعریف مختلف الفاظ میں بیان کی جاتی ہے۔انگریز ادیب ''پرسٹلے'' کے مطابق ''ناول زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔دراصل زندگی اور دنیا کے حالات پر واقعات کا سچائی اور سنجیدگی سے جائزہ پیش کرنے کا نام ہی ناول نگاری ہے ناول کا زندگی اور سماج سے بڑا گہرا رشتہ ہے۔اگر ناول کے اجرائے ترکیبی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بانوسرتاج نے بچوں کے لئے جو ناول رقم بند کئے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے تو قصہّ پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری،نقطہ نظر کے ساتھ ہی تلاش وجستجو تحریک آمیز احساس کے ساتھ بچوں میں فکر انگیزی،معلومات کے خزانے اور ایک بہترین انجام پیش کر کے بانوسرتاج بچوں کی ہی نہیں بلکہ بڑوں اور سنجیدہ قاری کے لئے بھی عنقا شے بن جاتی ہیں۔زبان وبیان رواں دواں ہونے کے سبب چار سالہ بچہ سے لے کر بار تیرہ برس کے بچوں کی اصلاح وتربیت بھی بانوسرتاج کی ناول نگاری کی سچی حقیقت ہے۔اسے آینہ کی طرح پیش کر دیتی ہیں۔ان کے ناول ایک نئی تہذیب کا نمایندہ ہیں۔جن میں دلچسپی کا عنعر بہ حسن خوبی پایا جاتا ہے۔اسے ان کے ناول اردو ادب اطفال کی تاریخ میں منفرد اہمیت کے حامل ہیں۔بچوں کے ادب میں بانوسرتاج کے ناول کے فنی اعتبار سے مکمل ہوتے ہوئے بھی موضوع ترتیب اور تکنیکی اعتبار سے یکسانیت کا شقار ہیں۔عموماً ان کے سبھی ناولوں میں کرداروں کا عملی میدان، کہانی یا قصّہ کا ارتقاء واقعات،تزبزب اس حد تک تکرار کے شکار ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے علیدہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ بانوسرتاج کا دوئے سخن عام طور پر ادبِ اطفال کی طرف ہے۔اس لئے وہ سادہ سہل اور عام فہم زبان کے ساتھ کرداروں اور واقعات کو زیادہ الجھاتی نہیں۔ بلکہ سیدھے سادے واقعات کی بناء پر اپنے ناول کا تانا بانا بنتی ہیں۔تا کہ

بچے کی ذہنیت اور نفسیات پر ناول کا مفہوم گراں نہ گزرے۔ان کے جملے مختصر تو ہوتے ہی ہیں ساتھ ہی ان کی دلکشی اور اثر انگیزی کی وجہ سے ناول کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔محاورے برمحل اور فطری انداز کے ہوتے ہیں۔یعنی آورد سے پاک اور آمد کی پاکیزگی لئے ہوئے بانو سرتاج مصنوعی یا سوچ سمجھ کر دانستہ طور پر محاوروں کا استعمال نہیں کرتی ہیں وہ اس لئے کہ ادب اطفال کا مصنف خود بھی تخلیقی عمل کے دوران ایک بچہ ہی بن جاتا ہے بلکہ اس کے باطن کا بچہ اس کے لاشعور کا بچہ پوری طرح تخلیق میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ناول کی مقبولیت میں اس خصوصیت کا بڑا حصّہ ہے۔بانو سرتاج کے ناولوں اور دیگر تخلیقات میں تخلیق کار کا یہی نازک سا عنصر کمال کرتا نظر آتا ہے۔بچوں کے لئے بانو سرتاج نے ہر عمر کے بچوں کے لئے اپنے قلم سے روشنی پھیلائی ہے، نصیحت آمیز واقعات، خوش کرتے جملے اور گداز پیدا کرتا انداز بیان اُنھیں اردو ادبِ اطفال کی دنیا میں منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ کم وبیش بانو سرتاج کی تمام تخلیقات جو انھوں نے بچوں کے لئے تحریر کی ہیں۔ادبی دنیا میں بچوں کے لئے ایسے روشن چراغ ہیں جن سے انھیں بیش قیمتی معلومات کے ساتھ ہی وہ تمام فنی خوبیاں جو تحریر کو فن بناتی ہیں۔تخلیق کو معیاری بناتی ہیں۔امن وآشتی اور خوشی اور خوشحالی کی راہ دکھانے میں بانو سرتاج کا قلم رکتا نہیں ہے۔وہ اپنے ننھے قاری کو اپنی گرفت میں فوراً ہی لینے میں کامیاب نظر آتی ہیں۔ امنگیں اور آرزوئیں بچوں کے خوابوں خیالوں کی رنگین تصویر ہیں۔بانو سرتاج کے ناولوں میں یہ خوبی بھی اپنا کمال دکھاتی ہے۔وہ اپنے ناولوں سے اپنے قاری کو خوبصورت دنیا کی سیر کے ساتھ نئی امنگ اور ترنگ پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتی ہیں۔اور یہ کوشش کامیاب بھی نظر آتی ہے۔بانو سرتاج نے ادب اطفال کے لئے خود کو وقف کیا ہے، اپنے تخیل کو بچوں کی ذہنی سطح تک لائی ہیں، دلچسپی پیدا کرنے کے لئے پر وہ انداز اپنایا ہے۔

جس سے بچہ متوجہ ہو متجسّس ہو، تحیر میں گرفتار ہو، افسوں طاری ہو اور ساتھ ہی اپنی تہذیب، اپنی ثقافت اپنے جغرافیائی ماحول سے واقفیت حاصل کر سکے۔ان کے ناولوں میں یہ تمام اوصاف اس

طرح جھلکتے ہیں جسے شفاف پانی میں رنگ برنگی مچھلیاں تیرتی نظر آتی ہے۔اور بچے انھیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ کیوں نکہ بانو سر تاج خود کئی زبانوں کی جانکار ہیں ،علاقائی جغرافیائی معاملات ، حالات، واقعات کے مطالعہ کو وسیع بنا تا ہے۔بچوں کے لٹریچر کا کامیاب خالق وہی اہلِ علم ہوسکتا ہے جو بچوں کی نفسیات کا ماہر ہواور انہی کی سادہ سلیس غیر پیچیدہ اور روزمرہ کی زبان میں لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔بچوں کی فطرت کا نباض ہو۔اور بچوں کو ایسا ادب فراہم کر سکے جوان کی ذہنی روحانی بالیدگی میں معاون ثابت ہو سکے اور انہیں ملک وقوم کی تعمیر وتشکیل وترقی کے فریضے کی ادائیگی میں فعال بنا سکے۔بانو سر تاج میں یہ خوبیاں بڑی منظّم مستحکم انداز میں ملتی ہیں۔جو بچوں کو ہی نہیں بڑوں کو بھی سیر یاب کر جاتی ہیں۔اوران میں انسان دوستی ،حب الوطنی فرض شناسی کے جزبے کو بڑھاتی ہیں۔مثال کے طور پر ناول ''جنگل میں منگل''ایک دلچسپ ناول ہے جو ۱۹۹۷ء میں شائع ہو۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آیا۔اس ناول پر بانو سرتاج کو مہاراشٹر اردو ساہتہ اکادمی کا ایوارڈ ۲۰۰۴ء میں دیا گیا یہ ناول بچوں کے لئے لکھا گیا ایک پر لطف اور دلچسپ ناول ہے۔جس کے کردار بچے اوران کے ساتھی ہیں۔ جو معصوم اور کمسن ہیں ۔ناول ہر لحاظ سے دلچسپ واقعات سے بھر پور ہے۔ناول کا پلاٹ بارہ ۱۲ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر ایک باب میں بچوں کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہیں ۔اور آگے کیا ہوگا اس کو جاننے کی بےقراری رہتی ہیں۔تجسس کے ساتھ ناول آگے بڑھتا ہے۔ ناول کی زبان آسان اور عام بول چال کی روزمرہ کی زبان ہے۔

بانو سرتاج نے مشکل الفاظ سے پر یز کیا ہے۔اور بچوں کی فطرت اوران کی دلچسپی کو دھیان میں رکھتے ہوئے ناول کی ترتیب بے حد سلسلہ وار فنی لوازم کو ملحوظ رکھتی ہے۔ناول ''جنگل میں منگل'' کا کردار راجہ ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ دنیا میں اس کا کوئی نہیں تھا ایک برس پہلے گاؤں میں سیلاب آیا تھا۔گاؤں کے بہت سے لوگ اور موسیقی یا تو سیلاب کی بھیٹ چڑھ گئے تھے۔ یا گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ راجہ کے ماں باپ بھی پانی میں بہہ گئے تھے۔نزدیک کے گاؤں کے ایک رحم دل شخص نے

راجہ کو پناہ دی۔ راجہ اسے چاچا کہہ کر پکارتا تھا۔اس کی بیوی راجہ سے اچھا سلوک نہیں کرتی تھی گھر کے تمام کام اس سے کرواتی تھی ۔جھاڑنا، برتن صاف کرنا، پانی بھرنا،مویشیوں کو چارا دینا وغیرہ۔راجہ کے پاس ایک کتاّ تھا۔جس کا نام موتی رکھا۔جب بھی راجہ کو ماں باپ کی یاد آتی ۔یا چاچی کا سلوک دکھ پہنچاتا تو وہ موتی سے بات کر کے دل ہلکا کر لیتا۔وہ موتی سے بے حد پیار کرتا تھا۔اس سال پھر برسات ہوئی ندی کا پانی چڑھنے لگا۔ چندرن پور کے واسی ایک بار سیلاب کی تباہ کاری دیکھ چکے تھے وہ خوف زدہ ہو کر گاؤں چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے ۔راجہ کے چاچا اور چاچی نے بھی بوریا بستر اباندھا اور چل پڑے ۔مگر عین وقت پر راجہ غائب ہو جاتا ہے ۔چاروں طرف ڈھونڈ مچ گئی مگر راجہ گاؤں میں ہوتا تو ملتا؟ چاچا نے پوچھ تاج کی تو راجو نام کے ایک شخص نے بتایا کہ ’’راجہ اپنے کتےّ موتی کی تلاش کر رہا تھا۔ جو رات سے غائب تھا۔گاؤں کے باہر چاچا کو راجہ مل جاتا ہے اور اسے زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہے ۔راجہ کی آنکھوں سے لگاتار آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں ۔وہ چلتے چلتے رک جاتا ہے۔ پلٹ کر ادھر اُدھر اس امید سے دیکھتا ہے کہ شاید موتی آجائے ۔مگر موتی نہ جانے کہاں گھو گیا تھا کہ اس کے بار بار پکارنے پر بھی سامنے نہیں آیا۔دن بھر گاؤں والے چلتے رہے۔ان کے ساتھ سامان تھا۔تھک گئے تو ایک مقام پر آرام کرنے کے لئے ٹھہر گئے ۔کھانا بنایا۔کچھ آرام کیا اور پھر آگے چلے اسی دوران راجہ کو موقعہ مل جاتا ہے ۔وہ نظر بچا کر ایک بڑے پیپل کے درخت کے پیچھے پیچھے دُبک کر بیٹھ جاتا ہے گاؤں والے اپنی دھن میں آگے نکل چلے جاتے ہیں ۔راجہ کی آنکھ لگ جاتی ہے۔سویرے چڑیوں کی چہچہاہٹ سن کر راجہ اٹھ بیٹھا کیا دیکھتا ہے۔

کہ موتی اس کے پاؤں کے پاس لیٹا ہے۔خوشی سے وہ چلاّ اٹھا‘‘۔موتی موتی لپک کر اس نے موتی کو گود میں اٹھا لیا مگر یہ دیکھ کر اسے بے حد مایوسی ہوئی کہ وہ کوئی اور کتاّ تھا۔موتی نہیں تھا راجہ کو اپنا کھویا کتاّ تو نہیں ملتا مگر راجہ اس کتاّ کا نام موتی رکھتا ہے۔اور دونوں ہاتھ ملاتے ہیں اور دوست بن جاتے ہیں۔ساتھ ساتھ گھومنے لگتے ہے۔جنگلی پھل توڑتے اور کھاتے ہیں ۔چشمے سے پانی پی

کر پیاس بجھاتے ہیں۔آنکھ مو چلی کھلتے ہیں اور رات کا اندھیرا گھرتے ہی درخت کے نیچے سو جاتے ہیں۔اور وہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا بن جاتے ہیں۔ایک دن انہیں اسی جنگل میں لالی ملتی ہے۔ اس کے چا چا جی اسے جنگل میں ہی چھوڑ جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے۔لالی کے ساتھ اس کی بکری بو بو بھی ہوتی ہے۔اور یہ چاروں دوست بن جاتے ہیں اور ساتھ رہنے لگتے ہیں۔یہ چاروں دوست مل کر ایک گھر بناتے ہیں۔صبح گزرنے کے بعد انہیں ایک کوٹھری دکھائی پڑتی ہے جس میں اناج کا زخیرہ ہوتا ہے یہ سب ستارہ پری کی مدد سے ہوتا ہے۔وہ راجہ اور اس کے باقی ساتھیوں کی مدد کرتی ہیں۔مگر راجہ اور لالی اس سے انجان ہوتے ہیں۔لالی اپنے ننھے ہاتھوں سے ٹوکریا بناتی ہے اور راجہ سے کہتی ہے کی وہ اسے شہر جا کر بیچا کرے اس سے جو بھی پیسے ملیں گے وہ ضرورت کا سامان خرید یں گے۔وقت کا بہتر استعمال بھی ہوگا۔مگر راجہ اس بات پر اعتراض کرتا ہے۔کہ ہمیں محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے ہمیں اپنے آپ ہماری ضرورت کا سامان مل جاتا ہے۔لالی کی بکری بو بو کہتی ہے کہ ہمیں صرف اپنی محنت کی کمائی کھانا چاہیے۔ہاتھ پاؤں ہلانے سے جسم چاق و چوبند رہتا ہے۔اور پھر لالی کو کوئی ہنر آتا ہے تو ہمیں اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔میں بھی لالی کی مدد کروں گی ۔سبھی مل کر لالی کی ٹوکریاں بنانے میں مدد کرتے ہیں اور موتی اور راجہ شہر جا کر اسے بیچتے ہیں۔ایک دن لالی بیٹھ کر گیہوں صاف کر رہی تھی اور چلبل (چڑیا) اس کے پاس بیٹھی پھیکے ہوئے دانوں کو کھا رہی تھی۔ تبھی اچانک تر تر (چوہا) گرتا پڑتا بھاگتا ہوا آتا ہے۔اور لالی کی گود میں چھپ جاتا ہے۔اور لالی سے کہتا ہے مجھے بچالوں میری موت آ گی ہے۔لالی چلبل سے کہتی ہے کہ وہ جا کر دیکھے کون ہے۔ چلبل جاتی ہے مگر وہ بھی گھبرائی ہوئی آتی ہے۔دونوں جا کر چھپ جاتے ہیں۔لالی دیکھتی ہے کی وہ بلیّ ہے۔جس سے چو چو اور چلبل ڈر رہے تھے۔مگر لالی بلیّ کو بھی اپنا دوست بنا لیتی ہے۔اور وہ سبھی سے اس کی دوستی کرواتی ہے۔سبھی اس کے دوست بن جاتے ہیں۔ایک روز اچانک ان سب پر ایک مصیبت آن پڑتی ہے۔بو بو(بکری) ایک بھیڑے کی ذِد میں آجاتی ہے۔مگر لالی کی بہادری سے وہ بچ تو جاتی ہے مگر بو بو لہولہان ہو جاتی ہے۔جہاں لالی اور اس کے باقی ساتھی رہتے ہیں وہا ایک دن

دو آدمی آتے ہیں ۔لالی دونوں کو آنگن میں بیٹھاتی ہے اور کھانہ کھلاتی ہے ۔دونوں مسافر لالی کو دعائیں دیتے ہیں۔اور چلے جاتے ہیں راجہ کے لوٹنے پر لالی اسے اجنبی آدمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو راجہ لالی سے کہتا ہے۔دیکھو کبھی کسی کو بتا نا نہیں ہم دونوں یہاں اکیلے رہتے ہیں۔دنیا میں اچھے برے دونوطرح کے لوگ ہوتے ہیں۔کسی دن دھوکہ کھاؤ گی ۔ایک روز سویرے لالی دیکھتی ہے۔کہ چوہوں نے مٹر کی تمام پھلیوں کو کاٹ کر ڈال دیا تھا۔پورے خراب کر دے تھے اس نے بلی (بلیّ) کو پکارا بلی دوڑی دوڑی آئی لالی نے کہا میں نے تم سے کہا تھا کہ رات کے وقت پودوں کی رکھوالی کرنا اسی وقت بلی کہتی میں کیا کرتی ؟تم نے مجھے سے ہنسانہ کرنے کا وعدہ جولیا تھا۔اس لیے میں نے چوہوں پر حملہ نہیں کیا۔لالی کہتی ہے میں نے چوہے کھانے لے لیے منا کیا لیکن میاؤں میاؤں کر کے اپنی موجودگی کا احساس دلاسکتی تھی پھر لالی بلی کو اس طرح نصحت دیتی ہے" غراوں مگر کسی کو گھاؤ مت"۔لالی اور راجہ کی ملاقات ایک بڑھیا سے ہوتی ہے۔وہ بڑھیا ان کے ساتھ رہ کر انہیں علم کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں بتاتی ہے کہ علم حاصل کرنا کتنا ضروری ہے۔اور دینی تعلیم کی بھی اہمیت سمجھاتی ہے۔شہر میں ایک دن اعلان ہوتا ہے کہ ٹھیک ایک مہنے بعد سترہ تاریخ کو راج کمار کی سالگرہ ہے۔سالگرہ دھوم دھام سے منائی جائے گی۔ہر خاص وعام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ سالگرہ کے جشن میں اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرے راج کمار فن کے دلداہ ہیں۔فن کا جونمونہ راج کمار کو پسند آئے گا اسے وہ خود انعام سے فراز کریں گے۔تبھی موتی ایک مشورہ دیتا ہے کہ لالی بھی فنکار ہے وہ کسی سے کم نہیں ہے۔لالی کو بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔لالی نے بھی تیئے کر لیا وہ ایک فنکار کی حیثت سے جشن سالگرہ میں شریک ہوگی۔سبھی مل کر لالی کی مدد کرتے ہیں۔کوئی اس کے کپڑوں کا انتظام کرتا ہے۔کوئی اس کے لئے سواری کا تو کوئی اس کے لیے رنگ برنگا تاج تیار کرتا ہے۔اور یہ سب کام کو انجام تک بوبو(بکری)ٹرٹر(چوہا) بلی (بلیّ) چلبل (چڑیا) موتی (کتاّ) پہو چاتے ہیں۔لیکن سبھی نے لالی کے لئے جو سامان تیار کیے تھے۔وہ اپنی عقل کے مطابق چھوٹے چھوٹے بنائے تھے۔چنا نچہ لالی نہ لباس پہن سکتی تھی۔نہ جوتے اور تاج بھی اس کے سر پر نہیں آرہا تھا اور اگر گاڑی میں بیٹھتی تو

گاڑی بھی ٹوٹ جاتی۔لالی کہتی ہے کی تم سب کتنے پیارے دوست ہو میں ان تحائف کی قدر نہیں کر سکتی انہیں استعمال میں نہیں لا سکتی کتنی بدنصیب ہوں۔سب کے دل بھر آتے ہیں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔اچانکہ چاروں طرف روشنی پھیل گئی سب کی آنکھیں چندھیا گئیں پھر جب آنکھیں کھلیں تو ستارہ پری اور چاندنی پری ان کے سامنے کھڑی تھی۔راجہ فوراً بولا لالی۔دیکھو یہی وہ پریاں میرے خواب میں آتی تھی پریوں نے کہاں ہاں ہم ہی تمہارے خواب میں آتی تھیں ہم پریوں کا یہی کام ہے۔اچھے سچے اور نیک بچوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ہم سب طرف کی خبر رکھتے ہیں۔یہ تمہارے ساتھی بُو بُو ،موتی ،تر تر سب کتنی جانفشانی سے تمہارے تحائف تیار کر رہے تھے۔سب ہمیں معلوم ہے۔ہم ان کی محنت ان کا خلوص رائیگاں نہیں جانے دیں گے چاندنی پری نے اپنی چاندی کی چھڑی وہاں رکھی ہوئی چیزوں پر گھمائی دیکھتے دیکھتے ننھا سا فراک لالی کے ناپ کا بن گیا۔جوتے اور تاج بھی بڑے ہو گئے۔راجہ کے لیے کپڑے اور جوتے ہوا میں لہراتے ہوئے لالی کے کپڑوں کے پاس آ گئے تر تر ،چلبل ،ببلی خوشی سے تالیا بجانے لگے۔پریوں نے لالی سے مخاطب ہو کر کہاں ''لالی تمہاری ٹوکری کے پھول کل تازہ پھلوں میں تبدیل ہو جائیں گئے یہ تمہارے لیے میرا خاص انعام ہے۔'' راج کماری کے جشن سالگرہ میں شریک ہونے کے لیے راجہ اور لالی نکل تو دوستوں نے نیک خواہشات کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔سجی دھجی لالی اپنا شاہکار لے کر گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گئی۔وہاں پر سبھی لوگوں نے جشن کا بھرپور لطف اٹھایا۔اس کے بعد فنکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ شروع کیا۔مہاراج کے تخت کے سامنے ایک چبوترہ بنایا گیا ایک ایک فنکار آتا ،اپنا شاہکار اس چبوترے پر رکھتا ،مہاراج اور معزز جج صاحبان اس سے اس کے شاہکار سے متعلق سوالات پوچھتے۔لالی اپنا شاہکار دکھانے کو بے چین تھی۔کافی دیر بعد راجہ لالی اپنی ٹوکری لے کر آگے بڑھتے۔مہاراج کا اشارہ پا کر لالی نے ٹوکری پر پڑا ہوا پردہ ہٹا دیا۔سوکھے پھولوں کی جگہ خوبصورت پھول مہک رہے تھے۔کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی اور پھر پھولوں کے ساتھ چاروں طرف گولائی میں ننھے ننھے چوزے راج کمار نے خوش ہو کر تالی بجائی۔پھر پورا میدان تالیوں سے گونج

اٹھا راج کمار نے خصوصاً فن کے اس نمونے کو پسند کیا انعامات کا اعلان ہوا لالی کے شاہکار کو پہلے انعام کا حقدار ٹھہرایا گیا۔اسی دوران لالی کی خوئی ہوئی ماں بھی مل جاتی ہیں۔ناول کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے۔اردو ادب اطفال کے میدان میں اس ناول کے امتیازی پہلو سے کسی کو انکار نہیں۔کیونکہ ناول بچوں کے لئے لکھا گیا ایک پر لطف اور دلچسپ ناول ہے۔راجہ، لالی اور ان کے ساتھی جنگل میں رہ کر جنگل کی ہریالی کا لطف اٹھاتے ہیں۔اور پھر دلچسپ واقعات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ ننھے قاری کو انجام کی جستجو میں ناول کو ختم کرنے کا اشتیاق ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ناول کی زبان آسان اور عام بول چال روز مرہ کی زبان ہے۔جملے بھی چھوٹے چھوٹے ہیں۔جس سے قاری کو قصّہ سمجھنے میں ذہنی پیچیدگی نہیں ہوتی بلکہ بہ آسانی سمجھ آجاتا ہے۔بانو سرتاج نے دانستہ طور پر بھی اس ناول میں مشکل الفاظ سے پرہیز کیا ہے۔

انہوں بچوں کی فطرت اور ان کی دلچسپی کو دھیان میں رکھتے ہوئے ناول کی ترتیب کو ہموار کر کے پیش کیا ہے۔جس میں جگہ جگہ جوش ہمت سے بھرپور مکالمے اپنا کمال دکھاتے ہیں۔پلاٹ میں واقعات کے باہمی تسلسل کو محفوظ رکھا گیا ہے۔کردار نگاری میں بھی بانو سرتاج کو مہارات حاصل ہے ناول ''جنگل میں منگل'' میں راجہ کا کردار بہت اہم اور دلچپ ہے۔وہ ایک چھوٹا سا بچہ ہوتا ہے مگر وقت کے تھپیڑوں کی وجہ سے اس میں بڑوں سی سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔اس لیے وہ لالی اور اس کے باقی کے ساتھیوں کو بھی اپنی سمجھداری سے سنبھال لیتا ہے۔اس ناول کے سبھی کردار چاہے وہ انسان ہوں یا پھر چرندے پرندے ہوں ایک دوسرے کے لیے وفادار اور ایماندار بتائے گئے ہیں۔ان کے کرداروں سے ہمیں نصیحت ملتی ہے کی ہمیں ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہنا چاہیے بڑے بزرگوں کی خدمت اور ان کا احترام کرنا چاہئے۔اور مصیبت پڑھنے پر ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے۔بانو سرتاج نے اپنے ناول میں فوق الفطری عناصر سے بھی کام لیا ہے۔اور پریوں کو بھی اس ناول کا حصہّ بنایا ہے جنھیں بچے کافی پسند کرتے ہیں۔مکالمہ نگاری سے بانو سرتاج نے ناول کو جس

طرح پرلطف بنایا ہے وہ نا قابلِ فراموش ہے۔ناول میں کرداروں کے مکالمے جہاں لطف اندوزی کی فضا تیار کرتے ہیں وہیں ان کے دل میں پوشیدہ دردمند دل کی ترجمانی بھی نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس ناول کے کردار بوبو (بکری)،موتی (کتّا)،ترتر (چوہا) بلبل (چڑیا)، ببلی (بلّی) سبھی کو آپس میں بات چیت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ جو ناول میں حسن پیدا کرتے ہیں۔موتی کتّا اس ناول میں جگہ جگہ شاعری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔جب گبلو (کتّا) اس کا مالک گم ہو جاتا۔ہے۔تو اس کو راجہ ملتا ہے راجہ اس کو اپنا دوست بنالیتا ہے اور اس کا نام گبلو سے موتی رکھ دیتا ہے بانو سرتاج نے موتی کتّے کی زبانی جو مکالماتی شاعری ادا کروائی ہے اس کا انداز ملاحظ ہو:۔

موتی ہیرایا ہوٹا م

چلتا چاہیے اپنا کام

میرا مالک ہو گیا گم

جو چاہے اب دے دو نام

اس ناول کے کرداروں کا یہ وصف بھی لائق تحسین ہے۔کہ عام طور سے بچے جس لہہ میں بات چیت کرتے ہیں ۔بانو سرتاج نے من وعن وہی انداز بیان اپنا یا ہے اور ناول کی کردار سازی میں امتیازی شان پیدا کر دی ہے۔

’’تم کون ہو‘‘ سارا خوف بھلا کر راجہ نے اس کے نزدیک جا کر پوچھا۔

’’لڑکی ہوں‘‘ اس نے روتے روتے ہی کہا۔راجہ اور موتی دونوں کو ہنسی آ گئی۔

’’وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں تمہارا نام کیا ہے؟‘‘ راجہ نے ہنسی روک کر پوچھا۔’’لالی‘‘ یہاں کیسے آئیں؟ راجہ نے حیرت سے پوچھا۔’’نہیں معلوم۔لالی نے رونا بند نہیں کیا تھا۔

''ارے! پیروں سے چل کر آئی ہو؟ ہوا میں اڑ کر آئی ہو؟ آسمان سے ٹپکی ہو یا زمین سے اُگی ہو؟'' راجہ نے کڑک کر پوچھا۔

موتی بھوں بھوں کر کے ہنستا ہوا بولا'' دوست! لڑکی سہمی ہوئی ہے۔ ذرا پیار سے بات کروں ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہیں چلتا''

اچھا لالی! تمہارے گاؤں کا کیا نام ہے؟ ہم تمیں تمہارے گاؤں پہنچا دیتے ہیں۔'' راجہ نے نرمی سے کہا۔

''نہیں معلوم لالی نے مٹکا جسیا سر ہلا دیا۔تمہارا نام کیا ہے؟

میں لڑکا ہوں میرا نام راجہ ہے۔ بانو سرتاج نے بچوں کی ہی زبان میں مکالمہ کی ادائیگی کی ہے۔ وہ بے حد مشکل اور انفرادیت کا حامل بھی ہے اور مشکل فن بھی ہے۔ بانو سرتاج نے منظر نگاری پر توجہ کم دی ہے۔لیکن ان کے کردار اور ان کے مکالمے کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ ساتھ ہی ناول میں بچوں کو پیڑ لگانے کی نصیحت دی گئی ہے کہ درخت ہماری زندگی میں کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ مثلاً

آو پیڑ لگا ہیں ہم

مل کر پیڑ لگا ہیں ہم

پھول پھل اور چھایا دیں گے

پیڑوں کو اپنا بنائیں ہم

آو پیڑ لگائیں ہم

ہریالی سے گھر کی زینت

پھلوں سے گھر بنتا جنّت

چھایا ٹھنڈی پھل بھی میٹھے پیڑ خدا کی ہیں اک نعمت

دوسری طرف ستارا پری دوسری چاندنی پری کو ہدایت کرتی ہے کہ جلد بازی میں فیصلہ لے کر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ ہمارا کام ہے اچھے بچوں کی مدد کرنا نہ کہ انہیں اور محتاج بنانا اور تعلیم کو بھی حاصل کرتے رہنا ضروری ہے۔ ناول میں بچوں کو نصیحت آمیز باتیں بتائی گئی ہیں۔ بچوں کی ناول نگاری میں بانو سرتاج کو کمال حاصل ہے۔ ناول لکھنا اور پھر بچوں کے لئے ناول لکھنا بہت ہی چیلنج بھرا کام ہے۔ اس زریعے چھوٹے بڑے بچوں کے زہنوں تک رسائی کرنا پڑتی ہے جس میں بانو سرتاج کامیاب ہیں۔ ان کا دوسرا اہم ناول ''پکیا اور پری چھم'' بڑے بچوں کے لئے ۲۰۱۲ء میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ بڑے بچوں کے لئے بانو سرتاج نے اپنے ناول میں پلاٹ سازی کردار نگاری نفسیات وفضائل کو ناول کے اسلوب اور مواد کے ساتھ منسلک کر کے اس طرح پیوست کیا ہے کہ معاشرہ وملک کے مسائل بے حد پُر اثر طریقے سے بیان ہوئے ہیں۔ کرداروں کا لہجہ، بچوں کے ذہنی معیار کے مطابق قدرتی اور فطری نظر آتا ہے۔ بچوں کی تفہیمی ملاجیت کو مدِ نظر رکھ کر واقعات کو مربوطہ کیا گیا ہے۔ لہذا پلاٹ میں کہیں الجھاؤ کا تاثر نہیں ملتا لگن اور ایڈونیچر نے کرداروں کی جانفشانی پختہ حوصلگی اور خطر پسندی کو نمایاں کیا ہے۔

پڑھنے والے بچے کا اشتیاق اور کھوج بڑھتی جاتی ہے۔ آگے کیا ہوگا؟ جاننے کی بے قراری اور قیاس آرائی قاری بچے کو ناول سے باندھے رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسا ناول ہے جو ناول کے فن پر پورا اترتا ہے۔ اس ناول میں ادبِ اطفال کی حقیقی زندگی کا عکس نظر آتا ہے کہ وہ سب جان لیں جس کا انھیں زبردست اشتیاق ہے۔ بڑے بچوں کی جس طرح کی کیونکہ ان کی نوخیزی انھیں معلومات میں اضافہ کرنے پر اُکساتی ہے۔ کیا، کیوں، کیسے کس طرح، کہاں، کب؟ جیسے سوالات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ان کے ذہن اور دل کو منور کئے رہتا ہے۔ اُن کی اضطراری اور اضطرابی کیفیت جوابات کی منتظر رہتی ہے۔ اس ناول میں بانو سرتاج نے بے حد مہارت سے ناول کے کردار، مکالمے، واقعات، عملی اقدامات، نصیحت آمیز باتیں، تجسس آمیز فضا سازی سے بچوں کی دلچسپی کا بھرپور سامان مہیا کروایا

ہے۔اور یہی ادبِ اطفال کا فنی کمال ہے۔ناول میں بچوں کی اُمنگیں آرزوئیں جھلکتی ہوئی دیکھائی پڑتی ہیں۔بچوں کے آدبِ زندگی کی تصویر کشی نہایت عالمانہ انداز میں پیش کی گئی ہے جو خشک نصیحت کے بار سے آزاد ہے۔چھوٹے چھوٹے قصوں کو ایک دوسرے سے جوڑ کر ناول کا تانا بانا تیار کیا گیا ہے۔یہ قصے ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ اپنا تسلسل قائم رکھتے ہوئے مثبت نتائج پر اختمام کر کے کہانی میں ایک نیا موڑ پیش کر کے اسے آگے بڑھانے میں معاون ہیں۔ناول میں پکیا نام کا لڑکا ہے یہ اپنے مالک کے یہاں بکریاں چرانے کا کام کرتا ہے۔وہ یتیم ہوتا ہے۔اس کے دوست پکیا سے بہت پیار کرتے ہیں۔پکیا کو سبھی بکریوں سے بہت پیار ہوتا ہے۔مگر ان میں سے ایک بکری جو اسے بہت خاص ہوتی ہے۔اس کا نام پکیا پری چھم رکھتا ہے۔اور ناول اس پری چھم کے گم ہو جانے پر آگے بڑھتا ہے۔اور ہمیں کئی اور کرداروں اور راز سے واقف کراتا ہے۔پکیا اور اس کے دوست کی عقلمندی اور سمجھداری سے ناول اپنے انجام تک پہنچتا ہے۔بانو سرتاج نے بڑے بچوں کے لیے اس ناول کو ایسا خلق کیا ہے کہ نادانستہ طور پر بھی بچوں کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔فن کا یہی وہ معیار اور مقصد ہے جسے ناول نگار نے بہ خوبی ملحوظ رکھا ہے۔سنتوش یادو دودھ فروخت کرتا ہے بڑا وسیع کاروں بار ہوتا ہے۔اس کا گائے بھیس، بکریاں کا ریوڑ ہوتا ہے۔چار آدمی ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔پکیا بکریوں کا چرواہا ہوتا ہے۔یہی پکیا اس ناول کا ہیرو ہے۔دوسرا پکیا کا دوست کریم سائڈ ہرو ہوتا ہے۔پکیا جب آٹھ سال کا تھا اس وقت اس کے والد کی وفات ہو جاتی ہے ماں محنت مزدوری کر کے اس کی پرورِش کرتی ہے۔جب وہ سنتوش یادو کے گھر میں کام کرتی ہے تو وہ گھر اسے راس آجاتا ہے۔اس کے کام سے مالکن خوش رہتی ہے۔سارا گھر وہ سنبھال لیتی ہے۔اچانک اسے ایک چھوٹی سی بیماری اپنی چپیٹ میں لے لیتی ہے اور وہ چٹ پٹ چل بستی ہے۔پکیا کو سڑک پر نہیں جانا پڑتا ہے بلکہ یادوں خاندان اسے پناہ میں لے لیتا ہے۔کچھ روز پہلے ہی پرانا چرواہا جو کام چھوڑ کر چلا گیا تھا اس کی جگہ پکیا کو بکریاں چرانے کی زمہ داری سونپ دی جاتی ہے۔لیکن سنتوش یادو دوسرے مالکوں کی طرح ظالم نہیں تھا مگر جب اسے غصّہ آتا تو شیطان بن جاتا تھا۔پکیا کو جب

چرواہا گیری پر لگایا تھا تب وہ کافی چھوٹا تھا۔دوپہر کو اکثر بے خبر سو جاتا تھا۔بکریاں ادھر اُدھر چلی جاتیں تھیں ۔ریوڑ اس سے سنبھلتا نہ تھا۔آئے دن کوئی نہ کوئی بکری چھوٹ جاتی ۔ایک دن اس کے مالک نے جم کر پکیا کی پٹائی کی ۔بہت مارا آخر مالکن کے سمجھانے پر پکیا کام پر دھیان دینا شروع کر دیتا ہے ۔اوراس طرح سب ٹھیک ہوجاتا ہے۔سب سے پہلے وہ بکریوں سے دوستی کرتا ہے۔ان کے الگ الگ نام رکھتا ہے۔بکریاں اسے پہچاننے لگتی ہیں ۔اس کے مالک کا خوف بھی کم ہوجاتا ہے۔

پکیا کو اکیلا پن بہت اکھرتا ہے کچھ وقت وہ اپنے چرواہاں دوستوں کے ساتھ بتیا تا ہے پھر نیند تو تھی ہی۔گھنے درختوں کے سائے میں زمین کا بچھونا اور انیٹ کا سرہانا تو کہیں گیا نہیں تھا۔ایک روز ماحولیات کی آلودگی سے چارے کا مسلہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے ۔سبھی چرواہوں کا اپنے ریوڑ کو ایک ہی چراگاہ میں چرانا ناممکن ہوجاتا ہے۔سبھی اپنے اپنے ریوڑ لے کر نئی جگہ کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ادھر تنہائی سے پریشان پکیا بانسری کا سہارا لے لیتا ہے۔اوراس طرح بانسری سے اس کا پیار بڑھتا جاتا ہے۔ایک دن موسم کے خراب ہونے اور تیز بارش ہونے پر پکیا بکریوں کے ریوڑ کو کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور خود بھی آرام کرنے لگتا ہے۔آرام کرتے کرتے اسے کب نیند آجاتی ہے پتہ ہی نہیں چلتا ہے۔اچانک اس کی آنکھ کُھلتی ہے۔وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔اندھیرا ہورہا ہوتا ہے۔بکریوں میں بے چینی پھلی ہوئی ہوتی ہے۔پکیا سبھی بکریوں کو آواز لگاتا ہے۔سبھی اس کی آواز سنتے ہی پکیا کے پاس آجاتی ہیں۔مگر پری چھم نہیں آتی۔پکیا کا دل تڑپ اٹھتا ہے وہ ہونٹوں پر ہاتھوں کا گھیرا بنا کر زور سے پکارتا ہے۔پری چھم۔پکیا کے دل میں الٹے سیدھے خیال آنے لگتے ہیں پریشان ہوکر وہ بکریوں سے مخاطب ہوتا ہے۔''بتاؤ کہاں ہے پری چھم؟ بکریاں حیران نظروں سے اسے دیکھتی رہتی ہیں گویا وہ کہہ رہی ہوں ہماری حفاظت کا زمہ تمھارا ہے۔''

پکیا پری چھم کو پکارتا ہوا اسے ڈھونڈنے لگتا ہے۔ سارے گڈھے دیکھ لیتا ہے یہاں تک کہ را ج محل کے کھنڈروں تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر پری چھم کہی نہیں ملتی۔ گھر پہنچ کر بکریوں کو وہ باڑے میں بند کر دیتا ہے۔ اور وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے دل کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ ایک طرف پری چھم کی گمشدگی کا غم ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کے مالک سنتوش یادو کا خوف ستا رہا ہوتا ہے۔ پورا واقعہ وہ اپنی مالکن کو بتاتا ہے۔ مالکن اس کو ایک بار پھر سے صبح جلدی بکری کی تلاش کر نے کی ہدایت دیتی ہیں کچھ دن بعد پری چھم پکیا کے دوست کریم کو نظر آتی ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان جاتا ہے کہ یہ پکیا کی ہی بکری ہے۔ کریم پکیا کا سب سے اچھا دوست ہے اس کے والد ایک میل میں کام کرتے ہوئے سڑک حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی ایک ٹانگ ضائع ہو جاتی ہے۔ جس کے چلتے ان کی مالی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ کریم کی ماں مجبور ہو کر اپنے شوہر اور کریم کے ساتھ مہا کالی جھونپڑ پٹّی میں رہنے چلی جاتی ہے جس سے کریم اور پکیا دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے ہیں۔ پکیا تنہا رہ جاتا ہے جب کریم کو پری چھم ملتی ہے۔ تو وہ اسے لے کر پکیا کے پاس جاتا ہے۔ کریم کی مُلاقات پکیا سے ہو جاتی ہے۔ پھر سے برسوں بعد دو دوست آپس میں مل جاتے ہیں اور پکیا کو اس کی پری چھم بھی مل جاتی ہے۔ مگر بچوں کی نفسیات اور فطرت ہوتی ہے کہ ان کے ذہن میں کئی سوال گھومتے رہتے ہیں وہ اپنے سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اسی طرح پکیا کے دل میں بھی سوال اٹھتا ہے کہ ''پری چھم مل گئی مگر اسے اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا کہ وہ مہا کالی مندر تک پہنچی کیسے؟ اگر اپنے دل سے گئی تو سیدھے سیدھے نا گپور دوڑ جانے کی بجائے بلّار شاہ روڑ پر کیسے گئی؟ شہر کی بھیڑ میں سے گزری کیسے؟ اتنا لمبا راستہ طے کرنے میں تھکی کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ انہیں سوالوں کے جواب تلاش کرنے میں پکیا نکل پڑتا ہے وہ اپنے دوست کریم کی مدد لیتا ہے۔ اور جس طرح بچوں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جزبہ ہوتا ہے۔ وہ پکیا کے دوست کریم میں بھی نظر آتا ہے۔ دونوں دوست اپنے سوالوں کے ساتھ نکل پڑھتے ہیں۔ اور وہ اس راج محل کے کھنڈروں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور دونوں مل کر تہہ خانے کا راز معلوم کر لیتے

ہیں۔ پرچھم اسی تہہ خانے میں سے ہوتی ہوئی دوسرے جگہ پہنچ جاتی ہے۔ جہاں پر وہ کریم کوملتی ہے۔
لیکن دونوں دوستوں کو وہاں پر کچھ ایسا دیکھنے کو ملتا ہے جسے دیکھ کرانہیں شک ہوتا ہے کہ گویا یہاں پر
کوئی غیر قانونی کام ہوتا ہے۔دونوں وہاں کے حالات دیکھ کرسمجھ جاتے ہیں اور فوراً پولس کے پاس
جا کرسارا ماجرا بیان کردیتے ہیں۔ پولس کی شناخت سے واقعی ایک بہت بڑے گروہ کا پرداہ فاش ہوتا
ہے یہ لوگ اس خفیہ سُرنگ میں آتش مادہ، نشیلی دوائیں، غیر قانونی شراب کا کاروں بار کرتے ہیں۔
اور اس طرح پکیا اور اس کے دوست کی مدد سے پولس اپنے کام کو انجام دیتی ہے۔جس کے عیوض
میں پکیا اور اس کے دوست کریم کو انعام دیا جاتا ہے۔اوران کی اچھی تعلیم کا بندبست کیا جاتا ہے۔
جس سے وہ اپنے اوراپنے مالک کا نام روشن کرسکیں۔اس طرح اس ناول کا خاتمہ ہوتا ہے۔کردار
نگاری کی بات کریں تو پکیا کا کردار کی بنیاد پر آراستہ ہے۔بانوسرتاج نے اس کردار کے زریعے
پورے ناول میں جان ڈال دی ہے۔دوسرہ طرف پکیا کا دوست ایک اچھے دوست ہونے کا سبوت
اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ اپنے دوست کی خاطر اپنی جان تک کوخطرے میں ڈال کراس کی مدد کرتا
ہے۔وہ سچا دوست ہونے کا فرض ادا کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ناول میں رانی کا کردار جوصرف کچھ ہی
دیر کے لیے نظر آتا ہے۔مگر کچھ دیر ہونے کے باوجود وہ ایک بڑا اثر چھوڑ جاتا ہے۔رانی پکیا کی ایک
اوراچھی اور سچی دوست ہوتی ہے وہ پکیا کو اس بات کا احساس کراتی ہے کہ تعلیم زندگی کے لیے کتنی
ضروری ہوتی ہے۔رانی کی اسی نصیحت آمیز بات سے متاثر ہوکر پکیا کے دل میں تعلیم حاصل کرنے
کی خواہش جاگتی ہے۔اوروہ اپنی اس خواہش کو پورا کرتا ہوا اس ناول میں نظر آتا ہے۔دوسری طرف
پکیا کا مالک سنتوش یادو اپنے رعب، اپنی وضع داری کے لحاظ سے واقعی اصلولوں کے پکّے مالک سے
قاری کی پہچان کراتا ہے مگر وہ اسقدر ظالم نہیں، جس قدر عموماً ایسے مالک ہوا کرتے ہیں۔البتہ
مالکوں جسیا غصہّ اس کی رگ رگ میں ہوتا ہے جس سے سزا کا اندیشہ رہتا ہے۔غصہ ختم ہو جانے پر
یہ کردار اسی قدر ہی نرم ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ درد کے احساس کو بھی سمجھتا ہے۔باوجود اس کے کہ اس
ناول میں سنتوش یادو کا کردار سخت مزاج کا ہے لیکن پکیا کے لیے ہمدری کا عنصر اس کے دل میں خاطر

خواہ موجود رہتا ہے۔ یہی نہیں سنتوش یادو کی بیوی تو پکیا کے لئے بے حد ہمدردی اور خلوص کا جزبہ رکھتی ہے۔ ناول کا ایک اور اہم کردار ہے چندر بھا گا کا یہ کردار بہت ہی عمدہ ہے۔ وہ محبت کے آگے مذہب کو ترجیح نہیں دیتی اس لیے وہ کریم کو کرشن کا روپ مان کر اس سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ اور اس کی مدد کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہے۔ پھر انسپکٹر خان بھی ہیں جو اپنے فرض سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں اور ہر طرح ممکن کوشش کر وہ ایک بہت بڑے گرہوں کا پرداہ فاش کرتے ہیں۔ گویا بانو سرتاج نے اس کردار کی پیشکش سے پولس والوں کی ایمانداری، فرض شناسی اور سمجھ داری کو بہ خوبی قاری کے سامنے پیش کر کے پولس ڈپارٹمنٹ کو فعال بتانے کی سعی کی ہے۔ اس طرح اس ناول کے ہر کردار اپنے اپنے فن پر کھرے اترتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عملی طور پر ہر کردار اپنے آپ میں مطمئن بھی ہے اور قاری کو بھی مطمئن کرنے میں کامیاب ہے۔ بانو سرتاج کی کردار نگاری کا کمال اسی میں مضمر ہے۔ جہاں تک ناول میں مکالمہ نگاری کے اوصاف کی بات ہے اس ناول میں مکالموں کی ادائیگی بھی کافی اچھی ہے دوستوں کا ہنسی مزاق ہو، کوئی نصیحت ہو بانو سرتاج کے مکالمے پُر اثر ترسیلی ہیں۔ الجھاؤ سے پاک ہیں۔ بچو کے لیے یہ ناول بہترین ثابت ہوتا ہیں۔ پکیا اور کریم دونوں کے ان مکالموں سے انکی پکیّ دوستی کا سبوت ملتا ہے۔

''کریم تیری اماّں باوا کو میرا اسلام کہنا اور دادی کو نمستے۔ میں دادی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری 'پری چھم' کے زخموں پر مرہم لگا کر اسے راحت پہنچائی۔۔۔ کریم دوست میں تیرا احسان زندگی بھر نہیں بھلو سکتا۔ تو نے دوستی کا حق ادا کیا۔

کریم مسکرایا ''دوست کہتا ہے اور احسان کی بات کرتا ہے۔ دوست دوستی کرتے ہیں احسان نہیں کرتے۔ سچّا دوست وہی ہے جو مصیبت میں ساتھ دے''۔

وہی دوسری طرف چندر بھان گا، اور انسپکڑ خاں کے مکالموں سے بچوں کے لیے محبت ہمدردی

ظاہر ہوتی ہے۔مثلاً انسپکٹر خاں :۔''کرشن کریم! یہ کیسا نام ہے اسپکٹر خاں حیران ہوکر بولے'' ناموں کی کاک ٹیل بنائی ہے کیا آپ نے؟''

چندر بھاگا:۔سب کے لیے وہ کریم ہے، میرے لئے کرشن ہے۔بس اتنی سی بات ہے۔

انسپکٹر خان :۔بات سمجھ میں نہیں آئی کا کو۔ پکیا بھی کچھ اٹ پٹا سا نام ہے۔میں نے پہلے کبھی نہیں سنا''۔چندر بھاگا:۔سمجھا دوں گی پھر کبھی۔پہلے وہ بات سن لیے جس کے لیے ہم آئے ہیں۔

انسپکٹر خان :۔ہاں بولے کا کو، کیا ان چنگوں منگوں نے کوئی مسلۂ کھڑا کر دیا ہے؟ انسپکٹر خان ایک ہی سانس میں پوچھ گئے۔

چندر بھاگا:۔تم پولس والوں کو سب چور اُچکّے ہی نظر آتے ہیں۔ان دونوں کی طرف دیکھو۔یہ معصوم بچّے بدمعاش لگتے ہیں تمھیں؟ ارے! انھوں نے تو ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔سُن لو یہ کیا کہتے ہیں؟ اور ہاں ذرا ہمدردی سے سننا، ڈانٹنا ڈپٹنا نہیں۔''

انسپکٹر خان:۔''معافی چاہتا ہوں کا کو کہ ان چنگو منگوں کو غلط سمجھا۔۔۔اور میری کیا مجال کہ آپ کے سامنے آپ کی وانر سینا (بندروں کی فوج) کو ڈانٹوں۔''

انسپکٹر خاں نے ڈرامائی انداز میں کان پکڑتے ہوئے یہ جملے کہے۔

ساتھ ہی فنی طور پر ناول کی منظر نگاری بھی کامیاب ہے۔اس ضمن میں بانو سرتاج کے قلم کے گل بوٹے ملاحظہ ہوں:۔

ایک روز دوپہر میں بارش ہوئی۔بارش کے رُکنے کے بعد سوندھی مٹّی کی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی پیڑ پودے دُھلے دُھلے یوں کھڑے ہے جیسے ماں نے نٹ کھٹ بچوں کو نہلا دُھلا کر قطار میں

کھڑا کر دیا ہو۔موسم بڑا سہانہ ہو گیا تھا۔ پکیا موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔اس کے ریوڑ کی بکریاں بھی خوشی سے فلانچیں مارتی ہوئی اِدھر اُدھر دوڑتی تھیں۔'' بانو سرتاج نے اس منظر کو اس طرح پیش کیا ہے کہ قارئین کے سامنے وہی تصورمن وعن وہی منظر گھومنے لگتا ہے جو ناول نگار دیکھنا چاہتا ہے۔ قارئین خود اس فضا میں سانس لینے کے ساتھ وہ اپنے آپ کو اپنے خیال کو ضم کر لیتا ہے۔اس کے ذہن میں سوالات کا اژدہام بنتا ہے۔ جوابات کی دریں کھلتی ہیں۔اور بچہ ناول کی فضا میں کھو جاتا ہے۔نصیحت آمیز باتوں کے باہم واقعات ان کا تسلسل نظم وضبط ہمدردی، دوستی فرض، انسانیت، خط، اہنسا کا غرض یہ کہ ناول بچوں کی زندگی کا ایک حصّہ بن کر ان کی راہ دکھتا نظر آتا ہے۔اسکول کی تعلم سبھی کے لیے کتنی ضروری ہے۔بیٹی کو بھی بیٹے کے برا بر سمجھنا چاہئے۔دوستی میں ایمانداری برتنا چاہئے۔دوست پر کوئی مصیبت آئے تو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ وغیرہ جیسے اہم اور معصوم نصیحتے ور درس دے کر بانو سرتاج نے اسے اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ایک اور اہم بات بانو سرتاج نے اس ناول میں بیان کی ہیں کی اگر عورت کو کوئی مجبوری پیش آجائے تو وہ پردہ چھوڑ کر اپنی مالی حالت اور گھر کی ضرورتوں کو پورا کرنے کر لئے وہ گھر سے بہار جاسکتی ہیں۔مثلاً ''کریم کے والد ایک مل میں کام کرتے تھے۔سڑک حادثے میں ان کی ایک ٹانگ ضائع ہوگی۔ جو کچھ جمع پونجی تھی وہ علاج میں ختم ہو گی۔انھیں کام پر سے فارغ کر دیا گیا۔کھانے پینے کے لالے پڑ گئے تو مجبور ہو کر کریم کی امّاں نے پردہ چھوڑا اورا کام کرنے نکل پڑیں۔'' اور یہی بات اسلام میں بھی بتائی گی ہیں کہ جس طرح عورت کو پردے کا حکوم ہیں وہی اسے کوئی مجبوری ہونے پر ملازمت کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہیں۔ناول کی قیاس آرائی بھی قاری بچے کو ناول سے باندھے رکھتی ہے ان میں فرقہ وارنہ باہمی پیار بچوں کی باہم یگانگت اور بڑوں کو ان تفریقات سے بے گانہ رہنے کا مثبت رویہ اور بہنام اپنی پوری آپ وتاب کے ساتھ جلوگر ہے۔ جسے بانو سرتاج نے بڑی دیانت داری سے ابھارا ہے۔بچوں کا آپسی تعاون مل جل کر مصائب کو سلجھانے کی سچی لگن بانو سرتاج کے ناولوں میں وہ مثبت جوادب اطفال کی ذہنی تربیت کے لئے بہت ضروری ہیں۔بانو سرتاج بچوں کی نفسیات کی ماہر ہیں اس لئے اسباق ہیں۔وہ

جانتی ہیں کہ بچے باریک چھپائی کی کتابوں کو پڑھنے سے جی چراتے ہیں۔ان کا ادب اطفال سے جلی حروف اور کھلے رسم الخاط میں شائع ہوا ہے اور یہ کتابیں منجھی ہوئی شایستہ زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔ ناول کی قیاس آرائی بھی قاری بچے کو ناول سے باندھے رکھتی ہے ان میں فرقہ وارنہ باہمی پیار بچوں کی باہم یگانگت اور بڑوں کو ان تفریقات سے بےگانہ رہنے کا مثبت رویہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے جسے بانو سرتاج نے بڑی دیانت داری سے ابھارا ہے۔بچوں کا مل جل کر مصائب کو سلجھانے کی سچی لگن بانو سرتاج کے ناولوں کے وہ مثبت جو ادب اطفال کی ذہنی تربیت کے لئے بہت ضروری ہیں۔بانو سرتاج بچوں کی نفسیات کی ماہر ہیں۔اس لئے وہ جانتی ہیں کہ بچے باریک چھپائی کی کتابوں کو پڑھنے سے جی چراتے ہیں۔ان کا ادب اطفال خاصے جلی حروف اور کھلے رسم الخاط میں شائع ہوا ہے۔اور یہ کتابیں منجھی ہوئی شائستہ،زبان میں تحریر کی گی ہیں۔

چھوٹے بچوں کے ادب میں ثقیل ودقیق الفاظ سے گریز کیا گیا ہے۔مواد کو آسان اور زورفہم بنانے کے لئے حسب ضروری ہندی الفاظ کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔خاندان اور سماج کے ساتھ بچوں کے رشتے کونمایاں کیا ہے۔کیوں نکہ یہی پودے کل ہندوستانی قوم بنے گی سبھی مذہبوں کے احترام کا سبق دیا گیا ہے۔ناول 'جنگل میں منگل' کے متعلق خوشحال زیدی فرماتے ہیں۔بانو سرتاج کا بچوں کے لئے لکھا گیا ایک دلچسپ مہماتی ناول ہے۔جس کے کمسن کردار جنگل میں رہ کر زندگی کی رنگینوں سے لطف اندوز ہونا جانتے ہیں۔ناول تحیرواستعجاب مہم جوئی،سراغ رسانی،سس پنس اور دلچسپ واقعات سے لبریز ہے۔ہر باب میں ایک آدھا ایسا پُر لطف اور حیرت انگیز واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ بچوں کی دلچسپی آئندہ واقعات کو معلوم کرنے میں برقرار رہتی ہے۔ ناول کی زبان،روزمرہ کی بول چال کی زبان ہے جملے چھوٹے چھوٹے اور رواں دواں ہیں۔بانو سرتاج نے کمسن قارئین کی ذہنی استعدار کو ماحوظ رکھتے ہوئے ثقیل الفاظ پیچیدہ جملوں اور ژولیدہ بیانی سے اجتناب کیا ہے مجموعی طور پر اس ناول کو میں بچوں کے ادب میں ایک قیمتی اضافہ مانتا ہوں اور اسے بچوں کا بہترین ناول قرار دیتا ہوں۔"[1]

''عبدالرحیم نشتر لکھتے ہے ۔بانوسرتاج نے ادھر بچوں کے ادب میں بھی قابل اشک پیش قدمی کی ہے اور بچوں کے لئے بڑا خوبصورت ناول ''جنگل میں منگل'' تحریر کیا۔اچھے گھروں کے اچھے بچوں کے لئے یہ ناول ایک اچھا سا ادبی تحفہ ہے۔دلچسپ ،حیرت انگیز اور سبق آموز واقعات کو مصنفہ نے نہایت چابک دستی سے بُنا ہے ۔زبان اور انداز بیان نہایت دل نشین ہے ۔ناول جنگل میں منگل مسرتوں اور سچی خوشیوں کا استعارہ ہے جس میں خطرات کے پس پردہ سکون وعافیت کا انمول خزانہ چھپا ہوا ہے۔''۲؎

☆تبصرہ راشٹر یہہ سہارا:۔میں تحریر ہوا ہے کہ'' جنگل میں منگل''ناول بچوں کے لئے خوبصورت تحفہ ہے۔اس میں بچوں کے عقل پیمانے کوملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی پسندیدہ میں سبق آموز باتین کہی گئی ہیں ہم اسے مصنفہ کی اہلیت اور صلاحیت ہی کہیں گے کہ انہوں نے جب الوطنی ،سچی لگن محنت کے ثمر آپسی بھائی چارہ تعلیم کے فائدے بزرگوں کی خدمت جیسے پیغام اس ناول کے زریعے بچوں تک پہنچائے

☆ہیں۔ناول میں جو زبان استعمال کی گی ہے۔وہ نہ صرف بچوں کے لئے بلکہ بڑوں کے لئے بھی پرکششہے۔''۳؎

بچوں کی باہمی یگانگت اور بڑوں کوان تفریقات سے بے گانہ رہنے کا مثبت رویہ بانوسرتاج نے بڑی دیانت داری اور خلوص سے ابھارا ہیں۔بانوسرتاج نے اپنے ناولوں کو ہر پہلو سے کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے ۔جس میں وہ کامیاب بھی ہوئی ہیں ۔ان کے نالوں میں ہر کردار اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں ۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ بانوسرتاج ہر لحاظ سے ایک کامیاب مصنفہ ادیبہ بہ حیثیت ایک اچھی ناول نگار ہیں۔وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسا ادب پڑھا جائے جو تہذیب وثقافت فرقہ وارنہ امن وآشتی ،قومی ایکتا کا درس دے۔قوم کے یہی بچے مستقبل کے مفید، باعمل، بےتعصب

کشادہ طرف شہری بن سکیں۔ڈاکٹر بانو سرتاج کا تخلیقی سرمایہ بچوں کے ادب کی اس کسوٹی پر کھرا اترتا ہے اس میں ان کے خلوص ،فکر، ریاض اور خون جگر کی بھرپور نقش گری جلوہ گر ہے۔

بانو سرتاج کے ناول ''پکیا اور پرچھم''اور''جنگل میں منگل''اردو ناول کی تاریخ میں زندگی اور فن کی عظمت اور بلندی کے بہترین مظہر ہے۔ادبِ اطفال میں بانو سرتاج نے ناول کو ایک نیا مفہوم عطا کیا ہے۔

ادبِ اطفال کو زندگی اور انسان خدمت گزاری کا جو منصب بانو سرتاج نے سونپا ہے وہ اہم ہے۔بانو سرتاج نے ادبِ اطفال کو بے تعلق اور مقصود بالزات نہیں مانا ان کے فکری سفر کی ہر منزل پر ان کی حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بانو سرتاج نے ادب کے مشکل مرحلے یعنی ادبِ اطفال پر قلم اُٹھایا ہے جو نہایت مشکل فن ہے۔انہوں نے اپنی نگارشات میں خوبصورت الفاظ کی تراش وترکیبسے عبارت کی آراستگی سے،یا رنگ وبو کے تخلیقی مجسموں اور آسانی سے حسن وجمالیات کی تخلیق نہیں کی بلکہ ادبِ اطفال میں بچوں کی زندگی کے واقعات،گردوپیش ان کے دکھ تکلیفوں ،مسرتوں اور آرزوں میں خوشی اور حسن کی تاثیر کا جادو جگایا ہے۔ان کے ناولوں میں کرداروں کی تعمیر کا فنّی احساس ملتا ہے۔بانو سرتاج جس سیدھے سادے بیانیہ انداز میں واقعات کی نشتریح کرتی ہیں۔وہ ہمیں کہانیوں اور داستانوں کی یاد دلاتا ہے۔وہ اپنے مشاہدہ اور تخیل کی قوت سے ہر واقعہ مشاہدہ اور منظر کی تفصیلات بیان کر کے تصویر بنا دیتی ہیں۔بانو سرتاج کے ناول بچوں کے ذہن پر اثر کرتے ہیں۔وہ اُنھیں کسی الجھن میں نہیں ڈالتے ان کے ناول کی زبان بھی آسان ہے جسے بچے بولنا پسند کر تے ہیں۔اور بولتے بھی ہیں۔بانو سرتاج کے ناول میں ادبِ اطفال کی واضح نقش ملتے ہیں۔جسکا مطالعہ بے حد دلچسپ اور اہم ہے۔اردو ادب کے ادب اطفال میں بانو سرتاج کی ناول نگاری کے متزکرہ بالا تجزیہ سے یہ نتجہ اخز کیا جاسکتا ہے۔کہ ڈاکٹر بانو سرتاج کا تخلیقی عمل نہایت سنجیدہ ،متن، دیانت دارانہ معصومانہ اور بچون کی ناول نگاری میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ناول زندگی کی طرح وسیع

صنف سخن ہے، جب وارث علوی بڑوں کے لئے کہہ گئے کہ ناول بن جینا بھی کوئی جینا ہے۔'' تو بچوں کے لئے بانو سرتاج بھی کہہ سکتی ہیں کہ ''ادب اطفال میں بچوں کے لئے ناول لکھے بغیر کوئی تخلیق کار بھی بھلا تخلیق کار ہے'' تو بے جانہ ہوگا کیونکہ ناول خود ایک مشکل اور اہم صنف ہے، پھر بچوں کے لئے لکھے جانے والے ناول تو اور زیادہ ریافت طلب اور صبر طلبی کا کام ہے۔ جانفشانی کا کام ہے، خود بچہ بننا اور قلم کی رفتار کو الفاظ کا جامہ پہناتے وقت جملوں، مکالموں، کرداروں، منظر، مقصد، حسن، جمالیات فن کی باریکیوں عرض یہ کہ تمام فنی اصول وضوابط کو مدِنظر رکھ کر خود بچہ بن جانا بڑی عمر کے مصنف کے لئے نہایت مشکل کام ہے۔ بانو سرتاج نے اس مشکل کام کو پورا کیا ہے اور نہایت کامیابی سے کیا ہے۔ ان کی ناول نگاری ادب اطفال میں انفرادیت کی حامل ہے اور انھیں اس میدان میں امتیاز حاصل ہے۔

بانو سرتاج کی ڈرامہ نگاری

ڈرامہ ایک مخلوط فن ہے جو مختلف فنون کے امتزاج سے اور مختلف فنکاروں کے اشتراک سے وجود میں آتا ہے۔ پیش کش ہے اس کی روح۔ ڈرامہ دیکھنے اور سننے دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ اسٹیج، ریڈیو اور ادب ڈرامے کے تین میڈیا ہیں۔ جن میں اب ٹیلی ویژن بھی شامل ہو گیا ہے۔ ڈرامہ انفرادی نہیں معاشرتی صنف ادب ہے۔ بچّے کے ساتھ والدین اور اسے دیکھنے والے اس کا لطف لیتے ہیں ڈرامہ ان سب کو جوڑنے والی کڑی ہے۔ ڈرامہ دوہرا کردار نبھاتا ہے۔ وہ پڑھنے پر لطف دیتا ہے اور دیکھنے میں تسکن۔ ڈرامہ ایک آئینہ ہے جس میں بچے ہی نہیں والدین اور دوسرے بڑے لوگ اپنی شکل دیکھ کر اپنے آپ میں تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔ ڈرامہ دوسری اصنافِ ادب کے مقابلے زیادہ اہم ہے کیوں نکہ کہانی اور نظم پڑھتے ہوئے بچے کا دھیان اِدھر اُدھر جا سکتا ہے لیکن ڈرامہ پوری طرح بچے کو اپنے ساتھ باندھے رکھتا ہے۔ اس میں کہانی کی روانی بھی ہے اور نظم کی نغمگی بھی۔ پھر ڈرامہ بچوں کو فعال بناتا ہے، ان میں بچّہ چاہے سادھوسنت، پیر فقیر کے کردار میں ہو یا چور، ڈاکو، رہزن کے، بھرت کی طرح شیر کے دانت گن رہا ہو، اورنگ زیب کی طرح شیر سے لڑ رہا ہو یا ٹیچر کی ڈانت کھا کر کونے میں دبک رہا ہو، اپنے کردار میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ کوئی مزاحیہ رول کر رہا ہو یا سنجیدہ فلاسفر کا یا مکھوٹا لگا کر کوئی جانور بنا ہو یا سفید داڑھی مونچھ لگا کر بزرگ، اس کا جوش دیدنی ہوتا ہے .....اور یہ سب ایسی باتیں ہوتی ہیں جو بچوں ہی کے ڈراموں میں ہوتی ہیں۔ اکثر بڑوں کے ڈراموں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ ڈرامے کے میڈیا کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ ڈرامہ نگار جب ڈرامہ لکھنے بیٹھتا ہے تو اسے پہلے یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ وہ ڈرامہ کس میڈیا کے لیے لکھ رہا ہے ہے۔ ڈرامہ نام ہے ایک ایسی کہانی کا جسے اداکاروں کے توسط سے اسٹیج پر، اسٹیج کے لوازم کے ساتھ تما شائیوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ڈرامے کی ترتیب جن بنیادی عناصر یا اجزاء سے ظہور پزیر ہوتی ہے۔ ان میں اسٹیج، اسٹیج کے لوازم کہانی اداکار اور تماش بین اہم ہیں۔ میرزا ادیب نے ان

اجزاء کی وضاحت اس طرح کی ہے:۔

''پہلا جزو کہانی ہے۔کہانی مختلف واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے۔یہ واقعات ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ کسی واقعہ کو الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہر واقعہ دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔

دوسرے جزو میں اداکار آتے ہیں۔کہانی جب اسٹیج پر دکھائی جائے گی تو اداکاروں کے ذریعہ ہی دکھائی جائے گی۔ یہ اداکار کہانی کے کردار ہوں گے جن میں ہر ایک کا اپنا اپنا رول ہوگا۔

تیسرا جزو اسٹیج کے لوازم ہے۔اس سے مراد ہے پردہ، روشنی، فرنیچر اور خاص خاص کیفیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے موسیقی۔ڈرامے کے واقعات جس جس مقام پر رونما ہوتے ہیں اسٹیج اس مقام کے مطابق تیار کیا جاتا ہے۔واقعات کسی ڈرائنگ روم میں صورت پزیر ہوتے ہیں تو اسٹیج پر ڈرائنگ روم بنایا جائے گا۔واقعات کا تعلق اسکول کے کسی کمرے، باغ کے کسی حصے یا گھر کے صحن سے ہوگا تو اس کو پیش نظر رکھ کر اسٹیج کے لوازم مہیا کرائے جائیں گے۔

چوتھے جزو میں تماشائیوں کی موجودگی ضروری تصور کی جاتی ہے۔ظاہر ہے اگر ڈرامے کو دیکھنے والے ہی نہیں ہوں گے تو ڈراما آخر دکھایا کیوں جائے گا؟ ڈراما صرف اس لیے اسٹیج کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والے یعنی تماشائی اسے دیکھیں۔''[1]

آزادی کے بعد ریڈیو ڈراموں نے اُردو کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ریڈیو کے پروگراموں میں ڈراموں نے اہم جگہ حاصل کر لی۔لکھنے والوں نے اچھے اچھے ڈرامے تخلیق کیے لیکن چونکہ ریڈیو ڈرامے اسٹیج ڈراموں سے کافی الگ ہوتے ہیں، ان کی ضروریات الگ ہوتی ہیں، اس لیے انھیں اسٹیج ڈراموں کے ساتھ نہیں رکھا جا سکتا۔اردو میں ریڈیائی ڈراموں کی تعداد خاصی

ہے۔مگرانہیں اسٹیج پر پیش کرنے کے لیےان میں مناسب تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔

''اخلاق اثر ریڈیوڈراموں کی خصوصیات کےضمن میں کہتے:

''ریڈیوڈرامے میں مکالمے اور ان کی ادائیگی خاص اہمیت رکھتی ہے۔صوتی اثرات اور موسیقی ریڈیوڈرامے کے جزب واثر میں اضافہ کرتی ہے۔لفظی اورصوتی اشارے سامعین کے تخیل کو متحرک کرتے ہیں اور وہ ان اشاروں اورآوازوں سے تخیل کی ایک دنیا آباد کرتے ہیں،جس میں پل پل نئے نئے جلوے، نئے مناظر سامنے آتے ہیں۔ڈرامہ نگاراور ہدایت کار،ڈرامہ کے مسودے اور اس کی ادائیگی میں مخصوص مقامات اور حالات پیدا کرتے ہیں۔اداکار مکالموں اور ماحول میں روح ڈالتا ہے۔اورسامع اپنے تخیل میں ڈرامہ کی دنیا سجاتا ہے جوکسی اور حالت میں ممکن نہیں۔''[۱]

اسٹیج اورریڈیائی ڈراموں کےعلاوہ ادبی ڈرامے بھی ہوتے ہیں جوادب کی دوسری اصناف کی طرح صرف پڑھنے کے لیے ہوتے ہیں''۔ڈاکٹرمحمدحسن ان ڈراموں کے تعلق سے کہتے ہیں:۔

''ادبی ڈرامے کتابی ڈرامے ہیں جوصرف پڑھے جاتے ہیں، کھیلےاوردیکھےنہیں جاتے۔وہ زندگی کی طرح متحرک اورحقیقی ہونے کی بجائے اس کی لفظی تصویرہوتے ہیں۔''[۲]

کتابی یاادبی ڈرامے کےسلسلے میں''میرزاادیب کا کہنا ہے:۔

''جب ڈراماپڑھاجاتا ہےتو قاری کا اپنا ذہن ایک قسم کا اسٹیج بن جاتا ہے۔مگر یہ ڈرامے کی وہ صورت ہے۔

جسے کم قبول کیا گیا ہے۔ڈرامے کا اساسی تقاضہ یہی ہے کہ اسے دیکھا جائے،اسے عملاً پیش کیا جائے،اسے کسی معروف میڈیا کے زریعے سامنے لایا جائے۔''[۳]

ٹیلی وِژن کا ڈرامہ وسیع کینوس کا ڈرامہ ہے اس میں مقام محدود نہیں ہوتے ۔جس مقام پر چاہیں اس مقام پر واقعات کو پیش کیا جا سکتا ہے ۔ارسطو نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''بوطیقا'' میں ڈرامے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

''نقالی انسانی جبلت میں شامل ہے۔اس کا آغاز بچپن سے ہوتا ہے اور ڈرامہ اس کا ارتقائے کمال ہے۔''[۴]

گویا نقل کر کے سیکھنا فطری عمل ہے اور دوسرے طریقوں کی بہ نسبت زیادہ آسان اور قابل بھی ۔درس وتدریس کے علاوہ بچے ڈراموں سے بہت کچھ کچھ سیکھ سکتے ہیں ۔اسکول میں بچوں کو مختلف مضامیں،مختلف طریقوں سے پڑھائے جاتے ہیں ۔جہاں تک طریقہ تعلیم کا تعلق ہے وہی طریقہ سب سے بہتر ہے جسے بچے پسند کریں ۔بچوں کی نفسیات اوران کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھ کر تعلیم دینا مناسب بھی ہے اور ضروری بھی ۔ ہر بچہ چاہے سوال نہ کرتا ہو مگر اس کے دل میں یہ سوال ضرور موجود ہوتا ہے کہ اگر میں اس طریقہ سے کچھ نہیں سیکھتا جس طریقے سے آپ مجھے سکھاتے ہیں تو آپ مجھے اس طریقے سے کیوں نہیں پڑھاتے جس سے میں کچھ سیکھ سکوں ،یعنی مشکل سمجھے جانے والے خشک ترین موضوع بھی اگر دلچسپ اور آسان بنا کر پیش کیے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بچے پڑھائی میں دلچسپی نہ لیں ۔درسی مضامین میں ادب اور تواریخ کے لیے تمثیل نگاری نہایت مناسب ہے ۔اسٹیج ڈرامے ویسے ہر مضمون کا علم دینے کی اہلیت رکھتے ہیں ۔ اُردو میں دوسری اصناف کے مقابلے ڈرامے کم لکھے گئے ہیں ۔ بڑوں کے لیے بھی اور بچوں کے لیے بھی ۔لیکن بچوں کے لیے لکھے جانے والے ڈراموں کی حالت پھر بھی اطمینان بخش ہے ۔ بڑوں کے لیے لکھنے والے اکثر ادیب بچوں کے لیے ڈرامے لکھ رہے ہیں ۔مگر چند ادیب ایسے بھی ہیں جنھوں نے خود کو ادب اطفال اور خصوصاً ڈراموں کے لیے وقف کر دیا ہے ۔ یہ تمام ڈرامے یک بابی ہیں اور بچوں کے لیے یک بابی ڈرامے ہی ہونے چاہئیں ۔

اآج کل بچوں کے لیے طبع زادڈرامے کافی تعداد میں سامنے آرہے ہیں ۔یہ ڈرامے دورِ حاضر کے مسائل پرخاصی گرفت رکھتے ہیں ۔دوسرے نمبر پر حکایات ،دانوں کا کوئی حصہ یالوک کتھاؤں پرمبنی ڈراموں کا ہے۔

اس کے علاوہ دوسری زبانوں کی کہانیوں سے مرکزی خیال اخز کر کے بھی ڈرامے لکھے جارہے ہیں ۔بعض ڈرامہ نگارخوداپنی یامشہور مصنفین کی کہانیوں کوڈرامے میں تبدیل کردیتے ہیں ۔راست ترجمے بھی کیے جارہے ہیں ۔بچوں کے ڈراموں کی تاریخ پرانی نہیں ہے کیونکہ یہ نظریہ بعد میں پختہ ہوا کہ ڈرامہ بچوں کے ذہن پروہ مثبت اثر ڈال سکتا ہے جو پند ونصیحت سے ممکن نہیں۔

اردو ڈرامے کے نامور محقق عشرت رحمانی نے اپنی کتاب ’’اردو ڈرامے کا ارتقاء میں ایک باب ’’نئے افق‘‘میں بچوں کے ڈراموں کے تعلق سے لکھا ہے:۔

’’برصغیر میں بچوں کے ڈراموں کا جائزہ لیں تو ہمیں حصول آزادی سے پہلے کے دور پرنظر ڈالنی ہوگی تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ کب سے کب تک اس سلسلے میں کیا کیا کام ہوا؟ بچوں کے ڈراموں کے معاملے میں جامعہ ملیہ،دہلی نے پیش قدمی کی ۔ڈاکٹر ذاکرحسین اورڈاکٹر عابدحسین جیسے اہل علم اور ماہرین تعلیم نے خودڈرامے لکھے اوران کے اسٹیج کرنے میں خصوصی دلچسپی لی۔‘‘۵

بانوسرتاج بچوں کے لیے کہانیاں،نظمیں،ناول اورڈرامے لکھتی ہیں ڈرامہ ان کی پہلی پسند ہے۔’’مجھے شکایت ہے‘‘ان کے ڈراموں کا پہلا مجموعہ ہے۔اس میں مجھے شکایت ہے،شیر کی دہاڑ، سچّ کا بول بالا،انگریزی کا بھوت اورشرط منظور ہے ڈرامے شامل ہیں۔

’’مخمور سعیدی دیباچے میں ان ڈراموں کے تعلق سے لکھتے ہیں:۔

’’کتاب میں جوڈرامے شامل ہیں ان میں بچوں کی تفریح اورتربیت دونوں کوملحوظ رکھا گیا ہے

زبان بہت آسان اور پیرایۂ بیان ایسا ہے کہ ہر ڈرامہ بچے مزے لے کے پڑھیں گے۔''[۶]

ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر رقم طراز ہیں:۔

بانو سرتاج نے بچوں کے لیے جو ڈرامے تحریر کیے ان میں ایک عورت کی کھوج بین، سوجھ بوجھ اور مقبولیت، ایک ماں کی ممتا، تڑپ اور ارمان، ایک معلم کا شعور وادراک، قلم کار کی فکر، تجربہ اور مشاہدہ کچھ اس طرح گھل مل گیا ہے کہ ڈرامے اپنے موضوع، کہانی، مکالمے اور منظروں کے سبب بچے اور بڑے دونوں کو متاثر کرتے ہیں۔ یہ سبھی ڈرامے پڑھنے میں پُر لطف ہیں اور دعوت فکر دیتے ہیں۔ جابجا چست اور برجستہ مکالموں سے ڈرامے اور بھی موثر اور جاندار ہو گئے ہیں۔ ہر ڈرامہ ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کے سالانہ جلسوں میں باآسانی کھیلا جاسکتا ہے۔''[۷]

بانو سرتاج کی ڈرامہ نگاری کا جائزہ لے تو مراٹھی ایکانکیوں کا ایک چھوٹا سا مجموعہ مراٹھی سے تراجم کی شکل میں وجود میں آیا ہے۔ یہ چار یک بابی ڈراموں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ''ہندی مراٹھی ڈرامے (تراجم)'' ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ بانو سرتاج کے کامیاب ترجمے ہیں جن میں اصل فنکا ہیہ اور شوخی کا تلذز محفوظ رکھا گیا ہے۔

پہلا ایکانکی ''مسٹر مرغا ودآوٹ ٹکٹ'' میں ایک دیہاتی پوپٹ لال اور ریلوئے اسٹیشن کے گیٹ پر تعینات ٹکٹ کلکٹر کے باہمی سوال جواب، نوک جھوک لطف اور ہنسی سے بھرپور ہیں۔ وہی دیہاتی کی شرارت آمیز بزلہ سنجی اور حاضر جوابی سے دئے گئے جواب لطف دیتے ہیں۔

ڈرامہ مسٹر مرغا وِدآؤٹ ٹکٹ:۔

(پردہ کھلتا ہے۔ اسٹیج پر ریلوئے کے گیٹ کا منظر گیٹ پر ٹکٹ کلکٹر وردی میں ملبوس کھڑا ہے۔ پوپٹ لال نام کا ایک شخص اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ گیٹ کے باہر جانے کے کوشش

کرتا ہے۔اس کی بغل میں مرغا ہے۔ساتھ میں بیوی اور دو چھوٹے بچے ہیں قلی کے سر پر سامان لدا ہوا ہے۔)

پوپٹ لال:۔ ٹی سی صاحب یہ رہے دو ٹکٹ

ٹکٹ کلٹر:۔ مرغا کیوں نہیں بک کرایا؟

پوپٹ لال:۔ ہیں..... ہیں.... ہیں...مرغا کوئی پڑھا لکھا تھوڑے ہی ہے اس کا بک یا کاپی سے کیا تعلق؟

ٹکٹ کلٹر:۔ اف فوہ! بک سے میرا مطلب ہے کہ آپ نے اس کا کرایہ دے کر رسید کیوں نہیں بنوائی؟

پوپٹ لالا:۔ اب آپ کہیں گے دونوں بچے کیوں نہیں بک کیے؟

ٹکٹ کلکٹر:۔ بچّے تین سال سے نیچے ہیں۔

پوپٹ لال:۔ مرغا بھی تین سال سے نیچے ہے

ٹکٹ کلکٹر:۔ ساتھ کا سامان بک کرانا ضروری ہے۔

پوپٹ لال:۔ یعنی پراٹھے اور لیمو کا اچار بھی

ٹکٹ کلکٹر:۔ وہ کھانے کی چیزیں ہیں

پوپٹ لالا:۔ مرغا بھی کھانے کی چیز ہے اس کے تایا، ابّا اور چچا سب میرے پیٹ میں پہنچ چکے ہیں۔کیا سمجھے جناب

ٹکٹ کلکٹر:۔ بحث مت کیجئے۔مرغے کا کرایہ اور جرمانہ دینا ہوگا آپ کو۔

پوپٹ لال:۔ جرمانہ کیسا؟ مرغے نے کیا جرم کیا ہے؟ کون سی آپ کر چونچ ماردی؟

ٹکٹ کلکٹر:۔ میں کہتا ہوں آپ کو کرایہ اور جرمانہ بھرنا ہی ہوگا۔(حساب جوڑ کر) نکالئے سولہ روپئے پچاس پیسے۔

پوپٹ لال:۔ کیا کہا؟ چھ روپئے کا مرغا اور ساڑھے سولہ روپئے کرایہ؟ آپ مرغا کیوں نہیں لے لیتے؟

ٹکٹ کلکٹر:۔ مجھے کرایے سے مطلب ہے مرغے سے نہیں۔

پوپٹ لالا:۔ مجھے مرغے سے مطلب ہے کرایے سے نہیں۔

ٹکٹ کلکٹر:۔ میں پولس بلاتا ہوں۔

پوپٹ لال:۔ ملٹری بھی بلا لیجئے مگر پہلے یہ بتایئے کہ اگر میں مرغا کھا کر چلا ہوتا تو کیا پیٹ کا بھی کرایہ دینا پڑتا؟

ٹکٹ کلکٹر:۔ وہ الگ بات ہے۔آپ تو زندہ مرغا بغل میں داب کر لا رہے ہیں۔

(مرغا بولتا ہے ککڑوں کوں......ککڑ وں....کوں)

پوپٹ لال:۔ اپنی گھڑی ملا لیجئے۔ دن کے ٹھیک بارہ بجے ہیں۔ یہ مرغا اسی وقت سو کر اٹھتا ہے۔

ٹکٹ کلکٹر:۔ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ کرایہ نکالئے مرغے کا۔

پوپٹ لال:۔ (جھنجلا کر) جہنم میں گیا کرایہ۔ دیکھئے میرے مرغے کا۔ موڈ نہ خراب کیجئے۔ یہ سو کر اٹھنے کے فوراً بعد نمکین بسکٹ کا ناشتہ کرتا ہے۔ یا تو مجھے باہر جانے دیجئے یا میر ے مرغے کے لئے نمکین بسکٹ منگوا دیجئے۔

بیوی:۔ ہے بھگوان! کتنی دیر ہو رہی ہے۔ میں کہہ رہی تھی مرغے کو ساتھ لیے کر مت چلو لیکن.......

پوپٹ لال:۔ تم چپ رہو جی۔ یہاں میری نہیں، میرے مرغے کی عزت کا سوال ہے۔ پردیس میں چھوڑ آتا اڑوس پڑوس کے بچوں کے ساتھ کھیل کر وقت برباد کرتا۔ مجھے اس کا کیریئر چوپٹ نہیں کرنا ہے۔

ٹکٹ کلکٹر:۔ آپ اپنے مرغے کو یونیورسٹی بھیجئے یا جرمنی۔ پہلے کرایہ دیجئے۔
(لوگ گیٹ پر اکٹھے ہو کر ان کی نوک جھونک کا لطف اٹھا رہے ہیں)

پوپٹ لال:۔ (تقریر کے انداز میں) بھائیو اور بہنو! آپ دیکھ رہے ہیں کہ مرغے پر کتنا ظلم ہو رہا ہے... ابھی ابھی بچوں کا سال بیتا ہے اور ننھے منوں پر ظلم ہونے لگا۔ اچھے اور تندرست مرغے ملک کی رونق ہیں۔ میرے علاوہ اس مرغے کا بھلا اس دنیا میں اور کون ہے؟

ٹکٹ کلکٹر:۔ (چڑھ کر) تقریر مت کیجئے۔سیدھی طرح مرغے کا کرایہ اور جرمانہ نکالئے ۔میں رسید دیتا ہوں

پوپٹ لال:۔ دیکھ رہے ہو بھائیو! کیا وقت آ گیا ہے۔مرغے کی رسید۔آج تک میں نے نہ جانے کتنے مرغے ڈکار گیا مگر رسید کی بات کبھی نہ نکلی۔

ایک نوجوان:۔ (آگے آ کر) آپ یہ مرغا فروخت کریں گے؟
(آنکھ سے اشارہ کرتا ہے)

پوپٹ لال:۔ ضرور کروں گا مگر ایک شرط پر۔اسے صبح شام بسکٹ اور دوپہر میں آملیٹ کھلا ئیے گا ۔ہو سکے تو اس کی پڑھائی جاری رکھئے گا۔ایک دو کتابیں پڑھ چکا ہے۔

نوجوان:۔ (ہنس کر) بہتر ہے لیجئے.... یہ روپے۔
(پوپٹ لال مرغے کی چونچ چوم کر اسے نوجوان کے حوالے کر دیتا ہے)

ٹکٹ کلکٹر:۔ (آگ بگولہ ہو کر) آپ کرایہ نکالتے ہیں یا نہیں؟

پوپٹ لال؛۔ کاہے کا کرایہ؟

ٹکٹ کلکٹر:۔ مرغے کا۔

پوپٹ لال:۔ کون سا مرغا؟ میرے پاس کوئی مرغا ورغا نہیں ہے۔

(ٹکٹ کلکٹر دیکھتا رہ جاتا ہے۔پوپٹ لال اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ گیٹ کے باہر نکل جاتا ہے)

ٹکٹ کلکٹر:۔ (نوجوان سے) آپ دیجئے مرغے کا کرایہ۔

نوجوان:۔ کرایہ؟ کیسا کرایہ؟ میں اسے سفر سے تو نہیں لایا۔آپ سب کے سامنے میں نے اسے پلیٹ فارم پر خریدا ہے۔اگر مرغے کا پلیٹ فارم ٹکٹ لگتا ہو تو ابھی کے آتا ہوں۔

(مرغے کی چونچ چوم کر) چل بیٹے! تجھے نمکین بسکٹ کھلاتا ہوں۔(نوجوان مرغے سمیت گیٹ کے باہر ہو جاتا ہے۔ٹکٹ کلکٹر کو کچھ سوجھتا نہیں باہر پوپٹ لال کھڑا ہے۔)

نوجوان:۔ (پوپٹ لال کو مرغا دے کر) یہ رہا آپ کا مرغا۔اس کی چونچ ذرا تیز ہے۔مجھے پسند نہیں آئی۔میرے روپئے واپس کر دیجئے۔

(پوپٹ لال مرغے کو سنبھال کر جیب سے روپئے نکالتے ہیں اور نوجوان کو دے دیتے ہیں پھر ہنستے ہوئے دونوں اپنی راہ لیتے ہیں۔ٹکٹ کلکٹر دانت پیس کر دیکھتا رہ جاتا ہے۔)

سامع اور قاری اپنی ڈ ئیلا گوں سے حظ اٹھاتا ہے۔اور آخر چالاکی سے دیہاتی اپنے مرغے کا ریل کرایہ بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ڈرامہ نگاری،شاعری اور نثر نگاری سے کسی قدر مشکل فن ہے۔

''بقول پروفیسر خواجہ امین.......

فنّی تقاضوں کے پیش نظر ڈرامہ نویسی کو چاول کے دانے پر ''قُل ھواللہ'' لکھنے یا شمشیر پر چلنے کا حوصلہ شکن عمل ہی سمجھنا چاہیے۔'' [۸]

ڈرامہ ''چوری ہوئی نہیں'' بھی مزاحیہ عنصر غالب لوگ جھوٹ بول کر چوریوں کا معاوضہ لینے کے دعویدار کیسے بن جاتے ہیں ۔ یہ جھوٹ طشت از بام ہوجاتا ہے ۔مثلاً (ایک درمیانی طبقے کے کلر ک کی کھولی۔کھولی ایک چال کی ہے اس لیے زیادہ نہ کہنا ہی بھلا کھولی کے درمیان میں داخلی دروازہ ہے ۔اور دروازے کی دونوں طرف کھڑکیاں ہیں ۔اسٹیج پر گوایک ہی کمری دکھائی دے رہا ہے ۔مگر دائیں طرف باورچی خانہ بھی ہے ۔وقت آدھی رات کا ہے مگر پردہ اٹھنے پراتنی روشنی اسٹیج پر رہے گی جس سے کمرے کی چیزیں دکھائی دے سکیں ۔رات کے وقت روشنی کیوں ہے اس طرح کا سوال اٹھا نے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ناٹک اگر اندھیرے میں شروع ہوگا تو ناظرین کو دکھائی کیسے دے گا؟ اس لیے تھوڑی بہت روشنی ضروری ہے ۔اس وقت دونوں کھڑکیاں بند ہیں ۔دروازہ بھی بند ہے ۔اس کا مطلب یہ کہ شاستری بودا،ان کی پتنی ،بائی اور فرزند مدھوکہیں باہر گئے ہیں ۔آدھی رات کو کہاں گئے ہوں گے اس طرح کی بحث میں نہ پڑتے ہوئے یہ واضح کردیں کہ یہ لوگ سینما گئے ہیں ۔

پردہ اٹھتا ہے تو شاستری اور بائی دروازہ کھول کر اندر آتے ہیں اور ہڑ بڑا کر لائٹ آن کرتے ہیں کمرے میں تتر بتر پڑے ہوئے سامان کو دیکھ کر دبی دبی آوازوں میں چیختے ہیں ۔)

بائی: ضرور کچھ گڑ بڑ ہے ورنہ تالا کھلا کیسے تھا؟

شاستری: میں نے ستر مرتبہ کہا کہ دو دو بار تالا کھینچ کر دیکھ لو،تمہیں دیکھنا چاہئے تھا۔

بائی: چار مرتبہ کھینچ کر دیکھا تھا مگر بند تالا بھی توڑ لیا ہو کسی نے تو کوئی کیا کرسکتا ہے ۔

شاستری: (پیشانی پر ہاتھ مار کر) اب تالے کو مرنے دو۔چور کیا کیا لے گئے پہلے وہ دیکھو (قدم آگے بڑھاتے ہی ایک گٹھری سے اٹک کر گر پڑتے ہیں گرتے ہی چور چور چلاّتے ہیں ۔)

بائی: (گھبرا کر) کہاں ہے چور؟

شاستری: (جھینپ کر اٹھتے ہیں) نہیں گٹھری ہے میں سمجھا چور ہے۔

بائی: ساری دنیا سے نرالا ہے تمہارا ڈر۔ میں عورت ہو کر نہیں ڈری اور تم مرد جیسے مرد ہو
کر چیخنے لگے۔

(عین اسی وقت ریک پر سے ایک گلاس کڑھکتا ہوا بائی کے اوپر گرتا ہے۔ بائی، چور چیختی ہوئی کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دوڑتی ہیں۔)

شاستری: (پہلے خود بھی ڈر جاتے ہیں پھر گرا ہوا گلاس دیکھ کر چڑ جاتے ہیں) یہ کیا بچوں کی طرح چیختی ہو؟ وہ دیکھو چوہا بھاگا جا رہا ہے۔ چوہے نے گلاس گرایا تو اس میں گھبرانا کیسا؟ فرض کر لو اگر چور ہی ہوتا کیا کر لیتا؟ یعنی میرے یہاں ہوتے ہوئے کیا کر لیتا؟

اسٹیج کے اپنی فنی تقاضے ہیں اسٹیج ڈراموں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:۔

''ڈرامہ کا تصور اسٹیج کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ڈرامہ صرف لکھی اور پڑھی جانے والی چیز نہیں ہے ڈرامہ کا مسودہ اور اس کے مکالمے محض جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسٹیج پر ڈرامہ کی کامیابی کے لیے اچھے ڈرامے کے علاوہ دوسرے بہت سے اجزاء درکار ہوتے ہیں جیسے اداکاری، پوشاک، اسٹیج کی آرائش، سیٹنگ، روشنی موسیقی اور وہ آہنگ و ترتیب جسے ڈائریکٹر کی ہنرمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ڈرامہ صرف مکالموں اور واقعات ہی سے عبارت نہیں ہوتا بلکہ وہ بامعنی خاموشیوں اور بے نام لمحوں سے بھی عبارت ہوتا ہے۔'' [9]

ڈرامہ ''ریہرسل'' اس میں سڑک چھاپ وئیدوں، طبیبوں، ماہرین ذہنی امراض ڈاکٹروں اور نفسات کے پرو فیسروں کا مضحکہ خیز خاکہ ہے۔

کردار؛

ایک بیمار عورت پروفیسر پانڈورنگ

وید پرمانند ایک بچہ

کسان، بچے کے ماں، باپ وغیرہ

اسکول ماسٹر

(وید پرمانند کا کمرہ۔ وید جی ایک کرسی پر بیٹھے ہیں۔ میز پر قلم اور دوات رکھی ہے۔ کاغذ بے ترتیبی سے پھلیے ہیں۔ ایک لمبی شیشی رکھی ہے، جس کے لیبل پر موٹے حروف میں ''امر بھاسکر چورن'' لکھا ہے۔ دائیں طرف ایک بنچ ہے۔ پرمانند ایک موٹی، پرانی کتاب پڑھنے میں مشغول ہیں۔ عمر لگ بھگ پچاس برس، آنکھوں پر چشمہ، لمبی داڑھی، جھری دار مونچھیں ہیں۔)

(ایک ادھیڑ عمر کی ماڈرن لباس سے سجی عورت آتی ہے اور بنچ پر بیٹھ جاتی ہے)

عورت: میں بیمار ہوں وید جی

پرمانند: بیمار ہو تبھی تو یہاں آئیں ورنہ کیوں آتیں؟ بیماری تفصیل سے بیان کیجئے۔

عورت: میرا دل دھڑکتا ہے (پہلے چھاتی کے دائیں طرف ہاتھ رکھتی ہے۔ پھر سنبھل کر بائیں طرف ہاتھ رکھتی ہے۔

پرنانند: اس عمر میں دل؟ آثار اچھے نہیں ہیں۔ ہارٹ فیل ہوسکتا ہے۔

عورت: ہمیشہ گھبراہٹ محسوس کرتی ہوں۔

پرمانند: یہی تو موت کی نشانی ہے۔

عورت: (اور زیادہ گھبرا کر) نیند بہت کم آتی ہے۔

پرمانند: (کتاب بند کر کے میز پر رکھتے ہوئے) آپ کا بچنا مشکل ہے بہن جی....نبض دکھایئے۔

اس طرح یہہ ڈرامہ مزاحیہ انداز سے لبریز ہیں۔

''ڈاکٹر خوشحال زیدی یک بابی ڈراموں کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اسٹیج کے وسائل ظاہر ہے کہ بچوں کو محدود پیمانے پر دستیاب ہوتے ہیں۔ نیز طویل پلاٹ پر مشتمل ڈراموں کی ریہرسل وغیرہ میں بھی انھیں دشواریاں پیش آسکتی ہیں۔ کسی لمبی اور پیچدہ داستان کو ڈرامے کی شکل میں پیش کرنے کے لیے جس پیمانے پر ریہرسل کی ضرورت ہوتی ہے، لمبے چوڑے مکالموں کو یاد کرنے کے لیے جتنا وقت درکار ہوتا ہے وہ بھی بچوں کے لیے ایک مسلۂ ہے کیونکہ اس طرح ان کی تعلیم متاثر ہوسکتی ہے۔ ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بچوں کے لیے مختصر اور آسان پلاٹ پر مبنی چھوٹے موٹے قصوں کو ڈراموں کی شکل میں پیش کرنا زیادہ قرینِ مصلحت نظر آتا ہے۔ یہ بھی ہے کہ زیادہ دیر تک کھیلے جانے والے ڈراموں کو دیکھنے سے بچے اکتا بھی سکتے ہیں نیز اس طرح ڈرامے کی دلچسپی اور تاثیر میں کمی ہوسکتی ہے، اس لیے موجودہ ڈراموں کے اختصار اور سیدھے انداز سے بے اطمینانی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔'' [۱۰]

''چالاک سیار'' ڈرامہ میں سیار کی عیاری پکڑی جاتی ہے۔ یہ کام چور جانور کسی بھلائی کے کام

میں تعاون نہیں کرتا اسے ڈیوٹی دی نہ جائے اس سے کسی نہ کسی بہانے سے غیر حاضر ہوجاتا ہے اس کی چالاکی بالا آخر ثابت ہوجاتی ہے تو بطور سزا اسے جنگل کے سوکھے پڑے درختوں اور بیلوں کو سخت نگرانی میں صاف کرنے اور سینچنے کا حکم دیا جاتا ہے۔اس ڈرامے کا سبق یہ ہے کہ سماج کے مفت خورے اور کام چور افراد کو (چاہے وہ نیتا ہی کیوں نہ ہوں) معافی نہیں دی جاسکتی۔

(جنگل میں آج شیر مہاراج نے ایک میٹنگ کا انعقاد کیا ہے۔چھوٹے بڑے تمام جانور آئے ہیں سوائے سیار کے۔پردہ اٹھتا ہے تو شیر مہاراج ایک اونچی چٹان پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔نزدیک ہی ایک شیر کھڑا ہے۔بقیہ سب جانور زمین پر بیٹھے ہیں۔)

شیر: جنگل کے باسیو! آپ سب کو معلوم ہی ہوگا کہ ہم لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں؟

بھیڑیا: (کھڑا ہوکر) مجھے نہیں معلوم۔

شیر: گدھے ہو تم! تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں جمع ہونے کا ہمارا مقصد کیا ہے؟

بھیڑیا: مجھے گدھا نہ کہئے۔میں نے کہا جناب......میں بھیڑیا ہوں بھیڑیا۔

شیر: بس بس....زیادہ ہوشیاری نہ دکھاؤ۔خاموشی سے بیٹھو۔

اُردو میں دوسری اصناف کے مقابلے ڈرامے کم ہی لکھے گئے ہیں۔بڑوں کے لیے بھی اور بچوں کے لیے بھی لیکن بچّوں کے لیے ڈراموں کی تعداد پھر بھی تسلیِ بخش ہے۔کچھ ادیب ایسے ہے جنھوں نے خود کو ادبِ اطفال اور خصوصاً ڈراموں کے لیے وقف کردیا۔دورِ حاضر میں ضیاء الاسلام، ایم مبین، اقبال نیازی، نورالحسین، مہر رحمٰن، محمد خالد عابدی، مسرت بانو شیخ، شہناز بنی اور ایک نام بانو سرتاج کا بھی سرِ فہرست ہے۔

رام پرکاش راہی: بانوسرتاج خاصی پڑھی لکھی خاتون ہیں اور کئی زبانوں کی مستند ادیبہ ہیں۔مکمل ڈرامے کے مقابلے میں یک بابی ڈرامہ ایک محدود کینواس پرسہہ بابی ڈرامے کی سی کیفیت اجاگر کرنے کے لئے زیادہ دیدہ ریزی اورفنی باریک بینی کا مطالبہ کرتا ہے۔یک بابی ڈرامے میں پلاٹ کی تشکیل اور مکالمات کے بیانیہ کے علاوہ اسٹیج کرافٹ کے لوازمات ہدایتی انداز میں مہیا کرانا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔بانوسرتاج کے ڈرامے،ان تمام تکنیکی مطالبات کو بڑے اہتمام کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔بانوسرتاج کے مشاہدات اور تجربات کی بوقلمونی نے انہیں طرح طرح کے پلاٹ تراشے،اایک بے ساختہ آغاز دینے،معراج تک پہنچانے اور معقول ومعتبر انجام دینے کی تخلیقی صلاحیت کافی عطا کی ہے۔مکالمات میں بے ساختگی،بول چال کا رکھ رکھاؤ اور ہلکی ہلکی سادہ سی مزاحیت کافی خوش گوار بنا دیتی ہے۔ڈرامے تاریخی اور سماجی نوعیت کے ہیں۔حقیق کی ترجمانی کرتے ہیں۔

مخمور سعیدی۔اردو میں بچوں کے اچھے لٹریچر کی کمی ہے۔امید ہے بانوسرتاج کا رواں دواں قلم اس کمی کی تلافی کرنے میں معاون ہوگا۔بانوسرتاج کے ڈرامہ میں بچوں کی تفریح اور تربیت دونوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔زبان آسان اور پیرایۂ بیان ایسا صاف ہے کہ ڈرامہ بچے مزے سے لے کر پڑھتے ہیں۔[۱۱]

کوثر مظہری:۔بانوسرتاج ایک سلجھی ہوئی قلم کار ہیں۔بچوں کی نفسیات بخوبی سمجھتی ہیں۔ڈراموں کے لئے وہ دور کی کوڑی نہیں لاتیں۔بلکہ گھر اور آنگن میں بچوں کی نفسیات اوران کے طور طریقوں پر گہری نظر رکھتی ہیں اوران ہی کے بیچ سے پلاٹ تیار کرتی ہیں وہ بچوں پر کہانی تھوپتی نہیں بلکہ ہلکے پھلکے مزاحیہ انداز میں ان کی ذہنی تربیت کرتی ہیں۔[۱۲]

مرتضی ساحل تسلیمی:۔(ایڈیٹر بچوں کا حلال،رامپور)بانوسرتاج کوئی غیر معروف نام نہیں

ہے۔اردو کے معتبر اور معیاری رسائل میں ان کی نثری کاوشات شائع ہوتی رہتی ہیں ۔انہوں نے معاشرتی مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔اوران کی موثر ترجمانی کی ہے۔بانوسرتاج کے ڈرامے دلچسپ اور افادیت سے بھرپور ہیں۔زبان آسان ہے قابل ہیں کہ انہیں اسٹیج کیا جائے۔''

بانوسرسرتاج کی سوجھ بوجھ ان کی فکراورتجر بہ اور مشاہدہ سے ڈرامہ اپنے ،موضوع کہانی،مکالمہ اورمنظر نگاری کے سبب بچّے اور بڑے دونوں کو متاثر کرتے ہیں ۔یہ ڈرامے پڑھنے سے ایک نئی سوچ کو پروان چڑھتی ہے۔مکالمے پُر اثر ہونے کے سبب بے حد متاثر کرتے ہیں ۔اور پڑھنے میں بھی لطف اور دعوت فکر دیتے ہیں ۔ ہر ڈرامہ ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کے سالانہ جلسوں میں با آسانی کھیلا جاسکتا ہے۔

''مجھے سکایت ہے'' ڈرامہ میں بچوں کی اپنے بڑوں اوراستادوں سے،جوشکایتیں ہیں ان کا بیان ہے۔

ڈرامہ ''اگر یزی کا بھوت'' جب بچوں پر سوار ہوتا ہے توان سے کیا کیا کرواتا ہے اس کا دلچسپ بیان ہے۔'ڈرامہ شیر کی دہاڑ''،تمثیلی ڈرامہ ہے جو جانوروں کو مرکز میں رکھ کر مصیبت کا مقابلہ بے خوفی سے کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

ڈرامہ ''ڈرامہ وطن کے لیے'' بانوسرتاج کا دوسرا مجموعہ ہے جو۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔''وطن کے لیے'' ڈرامہ شیرِ میسور ٹیپوں سلطان کا وطن کے لیے کچھ بھی کرنے یہاں تک کہ اپنی اولاد کی قر بانی دینے کے جز بے کو عیاں کرتا ہے ۔''ایک سے بڑھ کر ایک'' ڈرامے میں سکندر اعظم کے ہندوستان کے فتح کرنے اور ہندوستان کے علماء کی فہم وفراست ،علم وفضل سے متا ثر ہونے کے واقعے کو ڈرامے کی شکل دی گئی ہے۔ڈرامہ ''کہیں دیر نہ ہوجائے'' عدلِ جہانگیر کا بیان کرتا ہے جہاں وہ اپنی رعایا ہی کا نہیں ،بے زبان جانوروں کا درد سمجھ کرانہیں انصاف دیتا ہے۔''فقیر کی نصیحت'' میں

محمود غزنوی کی عبادت در یاضت اور رعایا اور غربا پروری کا ذکر ہے ساتھ ہی فقیروں درویشوں کی نصیحت پر عمل کرنے کے اس کے وصف کا بیان ہے۔ ''گالیاں اور گولیاں'' ایک مختصر ڈرامہ ہے۔

جوایک برٹش افسر کے غیر ذمہ دارنہ رویے پر ایک نوجوان کی خوداری کے جاگنے اوراحتجاج کرنے کے واقعے پر مبنی ہے۔ ''سڑک کا پتھر'' ڈرامہ بادشاہ وقت کی اور رعایا کی نفرادی ذمہ داریوں کا بڑی خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔

ڈرامہ ''آئی برسات آئی'' بانو سرتاج کا تیسرا مجموعہ ہے۔ اس میں سات ڈرامے ہیں جن میں چار تمثیلی ڈرامے ہیں۔ ''آئی برسات آئی کردار زمین، بادل، برسات اور بجلی ہیں جن کے ذریعہ ماحولیاتی آلودگی اور ماحول کی تبدیلیوں کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(زمین بستر مرگ پر پڑی ہے۔ جسم لاغر ہو گیا ہے۔ چہرہ پر زردی چھائی ہے۔ لُو چل رہی ہے۔ خشک پیتاں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں۔ پس منظر میں سوکھے درخت اور گرمی سے بے حال جانور نظر آرہے ہیں۔)

زمیں:۔ شکر ہے......شکر ہے خدایا!

(رشنی کا جھما کہ ہوتا ہے، سفید چمکیلے کپڑوں میں ملبوس بجلی داخل ہوتی ہے۔)

بجلی:۔ مقدس ما! میرا سلام قبول کریں۔

زمین:۔ (نقاہت سے آنکھیں کھول کر) جُگ جُگ جیو بجلی رانی

بجلی:۔ مبارک ہو، وہ آرہی ہیں جن کا کہ آپ کو انتظار تھا۔

زمین:۔ شکریہ یہ مژدہ سن کر میری جان میں جان آ گئی

بجلی:۔ خدا کرے کہ آپ جلد صحت یاب ہو جائیں۔اب میں جاتی ہوں۔(تیزی سے جاتی ہے)

ڈرامہ ''بڑا کون'' میں بھوک، پیاس، نیند اور امید مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں۔اور اپنے اپنے کاموں کے بارے میں بتاتے ہیں۔ڈرامہ ''سچی بات'' میں علم، دولت اور عزت تین کردار ہیں۔ دولت آنی جانی ہے، علم ایک حد تک ساتھ دیتا ہے لیکن عزت جب ملتی ہے تو اسے سنبھال کر رکھنا پڑھتا ہے ورنہ وہ ایک بار چلی جائے تو نہیں ملتی، یہی اس ڈرامے میں بتایا گیا ہے۔ڈرامہ ''سچائی کی کہانی'' دورِ حاضر میں معاشرے میں بڑھتی ہوئی برائیوں کی طرف اشارہ ہے۔اس ڈرامے میں ان برائیوں کو دور کرنے کے لیے بچوں کو کیا کرنا چاہئے یہ بھی بتایا گیا ہے۔''زبان کا کرشمہ'' اور انمول تحفہ'' ڈرامے، گفتگو کے آداب اور سلیقہ سکھانے پر زور دیتے ہیں۔ان ڈراموں کے متعلق رفیع احمد کی رائے ہے کہ:۔

''ڈرامے دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔کرداروں کے لحاظ سے بہت مناسب مکالمے لکھے گئے ہیں۔ڈرمہ ''سچی بات'' میں علم دولت اور عزت کے مابین مکالمے بچوں ہی کے لیے نہیں بڑوں کے لیے بھی قابل غور اور قابلِ عبرت ہیں۔اسی طرح ''سچائی کی کہانی'' میں سماج کے اندر دروغ گوئی کی بڑھتی ہوئی برائی کو اجاگر کیا گیا ہے۔''انمول تحفہ'' اور ''زبان کا کرشمہ'' ڈراموں میں بچوں کو گفتگو کا سلیقہ سکھیا گیا ہے۔تمام ڈرامے بآسانی اسٹیج کئے جا سکتے ہیں۔''

''ٹکلم ٹولا کھی کا گولا'' مجموعہ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔اس میں پانچ مزاحیہ ڈرامے شامل ہیں۔'ٹماٹر کھا' محنت سے روزی کمانے کا تو 'ٹکلم ٹولا کھی کا گولا' ہر حالت میں زبان پر قابو رکھنے کا پیغام بچوں کو دیتا ہے۔'پیار کی طاقت' میں پاگل خانوں میں پاگلوں سے نامناسب سلوک کو موضوع بنا یا گیا ہے۔ابتدا میں پاگلوں کی حرکتیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے مگر آخر میں ان کی بے چارگی پر بے اختیار

آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔'چوں چوں کا مربہ'ایک نیم پاگل شخص کے اخبار کے دفتر میں پہنچ کر ایڈیٹر کی کرسی پر بیٹھ جانے سے پیدا ہونے والے مراحیہ حالات کا احاطہ کرتا ہے۔

ڈرامہ ''جب جاگے تبھی سویرا']۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔اس میں شرط منظور ہے، جب جاگے تبھی سویرا، سالگرہ کی پارٹی، سیر کو سوا سیر اور دیوالی کا تحفہ کل پانچ ڈرامے شامل ہیں۔شرط منظور ہے' میں ایک ضدی لڑکی بٹو کو مرکز میں رکھا گیا ہے جو میں بچوں کو اچھی باتیں سکھا دیتے ہیں۔''جب جاگے تبھی سویرا'' میں بچوں کی پڑھائی کے تین اہم زاویوں یعنی والدین ،اساتذہ اور خود بچے کے رول کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔'سالگرہ کی پارٹی' میں بچوں کی اپنی بیمار ہم جماعت کی مالی مدد کرنے کے جزبے کی کہانی ہے۔رشمی غریب ماں باپ کی بچی ہے۔اس کے علاج کے لیے امیر ماں باپ کا بیٹا کشور اپنی سالگرہ کی پارٹی کی پوری رقم دے دیتا ہے اور دوستوں کے ساتھ سادگی سے سالگرہ مناتا ہے۔ڈرامہ ''سیر کو سوا سیر'' ایک بہادر بچے کی کہانی ہے جو والدین کی غیر موجودگی میں گھر میں گھس آئے چوروں کا عقلمندی سے سامنا کرتا ہے اور نوکر کے ذریعے پولس طلب کر لیتا ہے۔ڈرامہ ''دیوالی کا تحفہ'' ہندوستان کی رنگارنگ تہذیب کا آئینہ دار ڈرامہ ہے جہاں بچے تہوار مناتے وقت سرف بچے ہوتے ہیں کسی مذہب کے نمائندہ نہیں ہوتے۔محبت اور امن کے سفیر ہوتے ہیں اور محبت کا پیغام بڑوں تک پہنچاتے ہیں۔

''ڈرامہ چناؤ کا چکر' مجموعہ بھی ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔بانو سرتاج نے یہ مجموعہ کلاس روم میں شرارتوں کے درمیان اپنی صلاحیتوں کو پہچان کرانے والے بچوں کے نام معنون کیا ہے۔اس میں پانچ ڈرامے شامل ہیں۔

''کیا میں نے غلط کہا'' ڈرامہ میں اسکول کی ٹیچرس خصوصاً پر جوش اور محنتی ٹیچرس کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو موضوع بنایا گیا ہے۔بچے اساتذہ کو ان کی کن خصوصیات کی بنا پر پسند

کرتے ہیں یہ بھی بتایا گیا ہے۔

ڈرامہ ''چناوکا چکر'' مجموعہ بھی ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔ بانوسرتاج نے یہ مجموعہ کلاس روم میں شرارتوں کے درمیان اپنی صلاحیتوں کو پہچان کرانے والے بچوں کے نام معنون کیا ہے۔اس میں جپانچ ڈرامے شامل ہیں'' کیا میں نے غلط کہا'' میں اسکول کی ٹیچرس خصوصاً پر جوش اور محنتی ٹیچرس کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو موضوع بنایا گیا ہے۔ بچے اساتذہ کو ان کی کن خصوصیات کی بنا پر پسند کرتے ہیں یہ بھی بتایا گیا ہے۔'' چناؤ کا چکر'' کلاس مانیٹر کے لیے ہونے والے چناؤ کی بے حد دلچسپ اور موثر کہانی ہے۔اچھے بچے سب کو پسند آتے ہیں اچھائی کی قدر ہوتی ہے یہی اس ڈرامے میں بتایا گیا ہے۔ڈرامہ'' ترقی کی راہ پر'' ایک جزباتی ڈرامہ ہے جہاں کلاس روم میں بچوں بچوں کے درمیان ہونے والے متضاد سلوک کا بچوں پر پڑنے والے منفی اثرات کو واضح کیا گیا ہے۔ ڈرامہ ''شواجی کا انعام'' ۲۰۱۰ء مجموعے میں بانوسرتاج کے پانچ ایسے ڈرامے شامل ہیں جو تاریخی واقعات پر مبنی ہیں۔''خوش قسمت کون'' عباسی خلیفہ ہارون رشید اور مولوی حضرت اصمعیؒ کے زمانے کے اس مشہور واقعہ پر مبنی ہے جب حضرت اصمعیؒ استاد کو دنیا کا سب سے خوش قسمت آدمی قرار دیتے ہیں۔ ڈرامہ ''شواجی کا انعام' میں شواجی کی رعایا پروری اور انصاف پسندی کا بیان ہے۔ڈرامہ 'چودھری کا دعویٰ' میں اورنگ زیب کی رعایا میں سے ایک چودھری کا ہندوستان کے شہنشاہ کے خلاف کئے گئے دعویٰ کا بیان ہے۔اورنگ زیب اپنی کوتاہی کو قبول کرتے ہوئے چودھری کو ماضی میں لی گئی رقم فوراً ادا کردیتے ہیں۔ یہ ڈرامہ انصاف کی بالادستی سے بچوں کو واقف کراتا ہے۔ڈرامہ'' ملہاری کا ڈھیلا' تاریخ کے بہادر سپوت ملہار رؤ ہولکر کے بچپن کی کہانی ہے جہاں وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھا کر پیشوا باجی راؤ کے سایہ عاطفت میں پہنچتے ہیں۔آخری ڈامہ چھوٹی بات، بڑی بات' اس عظیم الشان تاریخی واقعہ پر مبنی ہے جب شہنشاہ ہند جالال الدین محمد اکبر کو ان کے استاد محترم ملا عبدالنبی سرِ دربار طمانچہ مارتے ہیں اور وہ جلیل القدر شہنشاہ استاد کی سزا کے آگے سر جھکا تا ہے۔مگر جب ماں کی گود میں سر چھپا کر

روتا ہے تو مادرِ محترم اسے استاد کی عظمت سے واقف کراتی ہیں۔

بانو سرتاج کے ڈرامے، دلچسپ ہیں۔ سبق آموز ہیں۔ ڈرامے کی تعریف پر کھرے اُترتے ہیں۔

ڈرامہ ''رات اور دِن'' میں بچوں کو سائنسی معلومات حاصل ہوتی ہے مثلاً دن اور رات کیسے بنتے ہیں۔ چاند، سورج، تاروں کی گردش کن کن کاموں کے نظم وضبط کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ قدرت کے تمام کرشمہ سازی اس ڈرامہ کی جان ہے۔ اس لئے یہ ڈرامہ بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے لئے بھی اہم ہے۔

''ہندوستان کی مٹّی'' ڈرامہ میں بانو سرتاج نے ایک رقص کرنے والی عورت کے دل میں ہندوستان کی محبت اور ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی دلانے کے جزبے کو پیش کیا ہے۔ عزیزن کا کردار بہت ہی عمدہ کردار ہے جو بے خوف ہوکر ہندوستان کی آزادی کے لیے لڑتی ہے اور آخر میں اسی جزبے کے ساتھ اپنی جان تک دے دیتی ہے۔ یہ ایک تاریخی ڈرامہ ہے۔ جس میں حب الوطنی کا جزبہ بھر پور ہے۔ ''ڈرامہ محنت کی کمائی'' میں استاد سے محبت اور اس کے احترام کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہی دوسری طرف اس ڈرامے میں بادشاہ اورنگ زیب اپنے اُستاد کے احترام میں مستعد نظر آتے ہیں۔ دوسروں کی مدد کرتے رہنا اس ڈرامے کا مرکزی نقطہ ہے۔ ڈرامہ ''فرض کی پکار'' میں ایک دائی ماں جس کا نام پنّا ہے۔ جسے ایک راجکمار جو ایک چھوٹا بچہ ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ اور وہ جانتی ہے کہ اس کے بڑے ہونے پر پورے ملک کی زمے داری اس کی ہوگی اس سوچ میں وہ اس بچے خدمت دل جان سے کرتی ہے۔ مگر بن ویر سنگھ جو میواڑ پر حکمت کرنے کی غرض سے وہ اس بچے راجکمار کی جان لینا چاہتا ہے۔ پنّا دائی اپنے فرض کو نبھاتے ہوئے اس راجکمار کے کپڑے اور زیورا پنے بیٹے کو پہنا دیتی ہے۔ اور اس کے بیٹے کے کپڑے راجکمار کو پہنا کر ایک باغبان کو سونپ

کراسے وہاں سے جانے کو کہتی ہے۔ کچھ ہی دیر میں بن ویر سیکھ آتا ہے اور اسے راجکمار سمجھ کر قتل کر دیتا ہے۔اس طرح پنا دائی اپنے فرض کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کر دیتی ہے۔ڈرامہ ''میں ہونا!'' ایک پیڑ اپنا فرض کس طرح ادا کرتا ہے اور وہ ہمارے لیے کس طرح فیضیاب ہوتا ہے۔ڈرامے میں بیان کیا گیا ہے۔انسان اور پیڑ پودوں کا اہم رشتہ ہوتا ہے۔قربانی،فرض،دوسروں کے لیے جینا ان کے کام آنا ایک درخت کے زریعے نصیحت کی گئی ہے۔اور بانو سرتاج نے بتانے کی کوشش کی ہے کی بے غرض محبت قیمتی موتی کی طرح ہوتی ہے۔اس موتی کو اپنے دل کی سیپ میں محفوظ کر کے رکھنا چاہیے جس سے مستقبل میں ہماری رہنمائی ہو سکے۔''آسمان سے آیا فرشتہ''ڈرامہ بہت ہی دلچسپ اور نصیحت بھرا ڈرامہ ہے جو برائی کے راستے پر چلنے والوں کو نیکی کی راہ دکھاتا ہے۔اس میں چار چور اور ان کی مکالمہ نگاری سے ایک مزاحیہ انداز ملتا ہے جو ڈرامے میں لطف پیدا کرتا ہے۔

بانو سرتاج کے ڈرامہ میں ہر طرح سے بچوں کو نصیحت دی ہے انہوں نے ہر پہلوں پر قلم اٹھایا ہے۔اور اپنے ڈراموں کے زریعے بچوں کے ذہن اور ان کے مستقبل کو روشن کرنے کی ہدایت کو پیش کیا ہے۔ان کی ڈرامہ نگاری ہر لحاظ سے پر لطف اور دلچسپ ہے۔کچھ ڈرامے تمثیلی ہیں تو کچھ مختصر ہیں۔با آسانی سمجھ میں آنے والے بھی ہیں کہی کوئی الجھاؤ نہیں ملتا وہ اپنے قلم کے جادو سے ڈرامے کے الجھاؤں کو سلجھا لیتی ہیں۔ان کے کردار بھی پختہ ہیں اور مکالموں کی ادائیگی سے ڈرامے میں جان ڈال دیتے ہیں۔بانو سرتاج نے اپنے ڈراموں میں قلم کے جوہر بکھیرے ہیں۔وہ قابلِ تعریف ہیں۔

بانو سرتاج ''اپنی بات کے تحت''ڈرامہ 'گھر واپسی کا طویل سفر' میں رقمطراز ہیں۔گھر واپسی کا طویل سفر' ڈرامہ ہائے رنگارنگ کا مجموعہ ہے۔اس میں کل ۲۱ ڈرامے ہیں،جن میں اُردو ۲ ہندی ۱۲ مراٹھی ۳ انگریزی ۲ گجراتی ۱ اور بنگالی ۱ ڈرامے ہیں۔یہ وہ ڈرامے ہیں جنھیں ۱۹۹۲ء سے آج تک کے مختلف اوقات میں اُردو کا جامہ پہنایا ہے،(اُردو کے ڈراموں کو چھوڑ کر)

☆ ان میں ہندی، مرٹھی اور انگریزی کے ڈرامے راست ان ہی زبانوں سے ترجمہ کیے گئے ہیں‘‘

☆ ’دالیا‘ رو بندر ناتھ ٹیگور کی کہانی پر مبنی ڈرامہ ہے۔

☆ دُکھوا میں کا سے کہوں‘‘ آچاریہ چتر سین شاستری کی کہانی پر مبنی ہے۔

بانو سرتاج کے ڈرامے مختلف موضوعات پر مبنی ہیں۔ ان میں خاصہ تنوع ہے۔ مثلاً

☆ ’بیگم حضرت محل‘ بہادر رانی درگا وتی اور پان دے جیٹھی ہندوستانی تاریخ کی بے مثال خواتین کی عظمت ہمتّ اور بہادری کے مظہر ڈرامے ہیں۔

☆ کاؤلے سیکنڈری اسکول‘ میں تعلیم اداروں و درس گاہوں کی ،فری اسٹائل گواہی اور بیگن کا بھرتہ‘ میں عدالتی کاروائی کی اور دھرم راج کی عدالت‘ ڈرامے میں مختلف محکموں کی بدعنوانیوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔

☆ کون ہارا! کون جیتا! ڈرامہ ہندوستان کی سنہری تاریخ میں ہندو مسلم اتحاد کا مظہر ایک زرّیں باب ہے۔

☆ چالاک سیار‘ چوری ہوئی ہی نہیں‘ ٹرپا ہوس‘ مسٹر مرغا وِداؤٹ ٹکٹ‘ مقصدی اور تعریجی ڈرامے ہیں۔

☆ گھر واپسی کا طویل سفر‘ ڈرامہ غیر ملکی معاشرے کی بے رحم زندگی کی جھلک دکھلاتا ہے جہاں ماں سے ملنے کی خواہش رکھنے والا نوجوان ملّاح اپنی بری عادتوں کو تو قابو میں کر لیتا ہے مگر دھوکہ باز ایجنٹوں کے جال سے نہیں بچ پاتا اور غلام بنا کر دُور دیس میں بھیج دیا جاتا ہے۔ضعیف ماں انتظار کرتی رہ جاتی ہے۔

☆ ’فیس واپس کرو‘ کم عقل طالبِ علم اور عقلمند اساتذہ کے درمیان مسلۂ کی دانشمندانہ پیش کش ہے۔

☆بھارتیندو ہریش چندر، روبند ناتھ ٹیگور، آچاریہ چتر سین شاستری، مرھوکر آشنی کر، جیونت دلوی، اوجین اونیل، فرٹز کرنیتھی، ہندی، بنگالی، مراٹھی، انگریزی ادب کے سنگ میل قرار دیئے جاتے ہیں۔ان کے ڈراموں کی شمولیت اس مجموعے کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔'' ۱۳۱

بانوسرتاج کے ڈرامہ 'ایک بیمار سوانار' 'میڈم میری' '' مجھے شکایت ہے ڈرامے اسکولوں کالجوں میں اسٹیج کیے جا چکے ہیں۔

مزکرہ بالا جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ بانوسرتاج کی ڈرامہ نگاری ادب اطفال میں نمایاں حصہّ ہے۔صنفِ ڈرامہ سے بانوسرتاج کی دلچسپی ظاہر ہوتی ہے اسی لئے مختلف زبانوں کے بڑے شاہکاروں کوانہوں نے اُردو زبان کے قالب میں ڈال کر کہانی کی بنیاد بتاتے ہوئے اُردو ادب میں خاص طور سے بچوں کے ادب میں بہترین اضافہ کیا ہے۔معلومات بہم پہنچائی ہے۔ڈرامہ کی تکنیک سے فنے بانوسرتاج نہ صرف بہ خوبی واقف ہیں بلکہ بچوں کی دلچسپی اور نفسیاتی عمل کے رجحان کو بھی سمجھتی ہیں اور ڈرامے کی سنجیدگی کو برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کرتی ہیں۔

بانوسرتاج کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

بانوسرتاج کی نظر ہمیشہ ادبِ اطفال کے روشن پہلوں پر پڑتی ہے۔اور وہ اس ماحول سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوتی ہے اگر بچوں کی فطرت رنگینوں اور موسمی کیفیتوں کی طرف بانوسرتاج متوجہ ہوتی ہے تو ہر شے ان کو عیش وعشرت کا سامان فراہم کرتی ہے۔حق تو یہ ہے کہ ان کے کلام میں بچوں کے لئے عبرت کے اشارے بھی ہیں۔جو بچوں کی زندگی کو مفید اور تابناک بنانے میں اعانت کرتے ہیں۔' آزادی' نظم کے ذریعے بانوسرتاج نے نصیحت کی ہے کی آزادی سب کا حق ہیں۔:

اچھے بھیاّ پیارے بھیّا	تتلی باغ میں آئی ہے
نیلے پیلے رنگوں والی	تتلی مجھ کو بھائی ہے
اچھے بھیّا پیارے بھیّا	تتلی لا دو احساں کر دو
کھیلوں گی میں تتلی ہی سے	پورا میرا ارماں کر دو
گڈّا گڑیا موٹر گاڑی	اور کہو میں کیا کیا لا دوں
کھیل کھِلونے پیارے پیارے	جو دل چاہے وہ سب لا دوں
ننھی سی تتلی کے پیچھے	میری بہنا مت جاؤ تم
آزادی اس کا بھی حق ہے	گڑیا سے دل بہلاؤ تم!

بانوسرتاج نے اس نظم کے زریعے بچوں کو نصیحت دی ہیں کی انسان ہو یہ پرندے سبھی کو اپنی اپنی آزادی پیاری ہوتی ہے۔بانوسرتاج نے سبھی نظموں کو یکجا کرکے ''مرغے میاں کی ککڑوں کو'' عنوان کے تحت ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ابھی تک ان کی نظموں کی ایک ہی کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔ اس مجموع میں ان کی پہلی نظم ''مجھ کو میرا اللہ کافی ہے''

عزّت ذِلت اس کے ہاتھوں

قبضہ اس کا سانسوں سانسوں

احساں اس کے، مجھ پر لاکھوں

اللہ کافی، اللہ شافی

مجھ کو میرا اللہ کافی

مجھ پر ہے رحمت کی چھاؤں

پھر آفت سے کیوں گھبراؤں

مشکل رستوں پر بڑھ جاؤں

اللہ کافی اللہ شافی

مجھ کو میرا اللہ کافی

بالہ نظم میں بانو سرتاج نے اللہ کی تعریف اور بچّوں کے لئے نصیحت آمیز نظم کو پیش کیا ہیں۔اور بچوں کے ذہن میں اللہ کی شان کو برقرار رکھنے اور اسی سے مدد طلب کرنے کی ایک شاندار پہل کی ہے اور یہ بتانے کوشش کی ہیں کی اللہ کی رحمت ہی آفت مشکلوں سے نجات دلاتی ہے۔

بانوسرتاج کے یہاں سب کے بھلے میں اپنا بھلا ،خالص ادبِ اطفال کا نقطہ نظر ہے۔بانوسرتاج کی بھرپور شخصیت پوری طرح ان کے نظموں میں اُجاگر ہوتی ہے ایسا لگتا ہیں مانوں وہ خود بچہ بن کر اپنی نظموں کی تحریر کررہی ہوں۔ان کی نظموں میں ہندوستانی خصوصیات کی بھی مثال ملتی ہے۔

نظم ''ہم ہندوستانی''

میں دیپک ہوں وہ ہے قاسم　　　میں ہندوں وہ ہے مسلِم
میں پڑھتا ہوں بھاشا ہندی　　　اردو سے اس کو دلچسپی
مجھ کو بھاتی ہے دیوالی　　　اس کی خوشیاں عیدوں والی
مِل جُل کر دُکھ سُکھ سہتے ہیں　　　آپس میں ہم کب لڑتے ہیں
ہندوستانی ہم پہلے ہیں　　　بھارت ماں کے ہم بچّے ہیں
ہندو مسلم سِکھ عیسائی
آپس میں ہیں بھائی بھائی

بالہ تر اس نظم میں بانو سرتاج نے بچوں کو نصیحت دی ہے کی چاہے کوئی بھی مذہب ہوں لیکن سبھی پہلے ہندوستانی ہے۔ اور سبھی کو آپس میں مل جل کر رہنا چاہئے۔ بانو سرتاج نے ادبِ اطفال کی نظموں میں لطف اندوز کو بھی پیش تر کیا ہے۔ ان کی نظموں میں ہنستا بولتا اور چلتا پھرتا منظر ملتا ہے۔ اور بچوں کی بھیڑ بھاڑ ان کی چیخ پکار ان کا ہسنا گانا اور ان کی معصومیت نہایت دلچسپ نایاب ہے انھیں ادبِ اطفال سے بے پناہ محبت وعقیدت ہے انہوں نے مختلف عنوان کے تہت نظمیں لکھی۔ جیسے ''ہائے بستہ''!

لا د لا د کر بستہ
حال ہو گیا خستہ
کھیل کا کہاں موقع
گر نہ ہو سبق پختہ
اِک طرف جُھکے کندھے
پشت ہو گئی تختہ

مدرسہ چمن گر
بچّے اس کے گلدستہ
علم کی بڑھی قیمت
خون ہو گیا ستا
کاش بھول ہی جاتے
کاٹونٹ کا رستہ
جانتے ؟ بڑے ہیں کیا
بوجھ بن گیا بستہ !

☆

نظم ''ممّی گوریاّ''

گورّیا او گورّیا تو !
آتی جاتی کب کیسے تو !
کھڑکی، دروازے چوبارے
سب کے سب ہیں تجھ کو پیارے
تِنکا دھیرے تو رم جاتی
ننھّے ننھّے بچّے تیرے
رہتے تجھ کو ہر دم گھیرے
اِک اِک دانہ چُن کر لاتی

بچّوں کے منہ میں رکھ جاتی
دن کو دانہ پانی دیتی
رات کو پہرہ بھی ہے دیتی

☆

''میری پتنگ''،نظم

پیاری سی اِک بچّی جیسی
اٹھلاتی ہے میری پتنگ
گیہوں کی بالی جیسی ہے
لہراتی ہے میری پتنگ
رستے سے سب ہٹ جاتے ہیں
جب چلتی ہے میری پتنگ
اونچا اٹھنا ہی جیون ہے
سمجھاتی ہے میری پتنگ
حرکت میں برکت ہوتی ہے
سکھلاتی ہے میری پتنگ
ڈھیروں خوشیاں مجھ کو دے کر
اِتراتی ہے میری پتنگ

☆

'''ہائے بستہ'' میں بانو سرتاج نے بچے کی مشکل کو بیان کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کی بچے کس طرح بستے کے بوجھ سے پریشان رہتے ہیں جہاں ان کا معصوم بچپن بستے کے بوجھ سے دب

کر کہی گُم ہو جاتا ہیں ۔بالہ تر نظموں میں بانو سرتاج نے بچوں کی چل بلی حرکتوں کو نظم بند کیا۔ بانو سرتاج نے بستہ کے بو جھ کو کم کرنے کے لئے اپنی نظم ''جھولا جھولیں'' لکھ کر بچوں میں خوشی کی ایک لہر چلا دی۔اس نظم میں چھوٹی لڑکیا اپنی ہم جھولی کے ساتھ خوشی سے جھولا جھولتی ہوئی اور گڈا گڑیا کا کھیل کیھلتی ہوئی نظر آتی ہیں نظم ۔''چھولا جھولیں''

آ و ببلی ، آ و پنکی
جھولا جھولیں، جھولا جھولیں
جھونکا لے کر اونچا جائیں
اونچے جا کر ٹہنی پکڑیں
آ و ببلی ، آ و پنکی
کھیلیں کھیلیں آ ؤ کھیلیں
لوڈو، ڈوری، چُھپا چُھپی
جی بھر کر ہم کھیلیں کودیں
آ و ببلی، آ و پنکی
ہلّا گلّا اب کچھ کر لیں
تیرا گڈُ ا اس کی گڑیا
دونوں کی ہم شادی کر دیں
دوڑ و دوڑ و بھاگو بھاگو
خوشبو سوندھی سوندھی آئی
امیّ لائیں پیڑے چھولے
بدّھو ہو گا اب جو کھیلے

بالہ تر نظموں میں بانو سرتاج نے بچوں کی چل بلی حرکتوں کو نظم بند کیا۔ بانو سرتاج کی نظموں کے مطلع سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جگہ جگہ بچوں میں اُمنگ بھرنے کی کوشش کی ہے۔ایک احساس شاعر کی حیثیت سے وہ بچّوں کی خوشی شدّت سے محسوس کرتی ہیں۔:

نظم ''پکنک''

دن بھر دھوم مچائیں گے
ہم پکنک پر جائیں گے
میٹھی پوری، شاہی ٹکڑے   برفی، لڈّو، شکّر پارے
بھرواں بیگن بسکٹ کھارے   کھائیں اور کھِلائیں گے
ہم پکنک پر جائیں گے
لوڈو، ڈوری، کرکٹ، بلاّ   کیرم، شطرنج گلی ڈنڈا
کیسٹ کا اِک پورا ڈبہّ   گاڑی میں لے جائیں گے
ہم پکنک پر جائیں گے
پیڑوں میں جھولے باندھیں گے   پانی میں بھی ہم کھیلیں گے
اندھیرا ہونے سے پہلے   لوٹ کے ہم گھر آئیں گے
ہم پکنک پر جائیں گے
دن بھر دھوم مچائیں گے

☆

بانو سرتاج کا مقصد یہی ہے کہ بچّے کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی بہانے سے زرا سی دیر کے لئے ہی سہی مگر خوش ہوں، ہنسے بولیں اور زندگی کا لطف اٹھائیں۔

ایک ایسی ہی نظم ''میرے ساتھی''

کومل، جمّی، اسلم، راجی
مکتب کے یہ میرے ساتھی
ان میں گُن ہیں اچھّے اچھّے
کہلاتے سب اچھّے بچّے
کومل ہر دم اوّل آتی
باتیں کرتی، گیت سُناتی
مانیٹر جمّی چوتھی کا
پڑھنے میں جو آگے رہتا
اسلم گائیڈ، بھولا بھالا
سب کی خدمت کرنے والا
راجی گانا دلکش گاتی
کوئل جیسی چہکا کرتی

بانو سرتاج نے اپنی نظم کے زریعے بچوں میں قومی یکجہتی کے تصّور کو ابھارا ہے۔ وہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں نے بچوں کی چلتی پھرتی اور منھ بولتی تصویریں پیش کی ان کی نظمیں تفصیلات کا خزانہ معلوم ہوتی ہیں۔ بچوں میں نصیحت کی بات کو اپنی نظم میں صاف صاف الفاظ میں کہہ جاتی ہیں۔ مقامی رنگ کے سلسلے میں سب سے پہلے بانو سرتاج کی وہ نظمیں آتی ہے جن میں مختلف تیوہاروں کا ذکر کیا گیا ہیں۔

ان میں ''عید کا چاند'' نظم

آ ہا! دیکھوں نکلا چا ند
اُ جلا اُ جلا پیا را چا ند
جھانکے بادل کے پیچھے سے
جھلمل کرتا پیارا چا ند
کل کا ہوگا عید کا دن
خوشیاں کتنی لاتا چا ند
چم چم کپڑے جگ مگ ٹوپی
عید لے کر آ تا چا ند
خُر ما، کا جو، کشمکش والی
میٹھی کھیر بھی لایا چا ند
''منّو ، پپّو ، گڈی ، رانی
سب کو کتنا بھا یا چا ند

بالہ تر نظم میں بانو سرتاج نے بچوں میں چاند کے نکلنے کے انتظار کی خوشی کو بیان کیا ہیں کس طرح بادلوں کے پیچھے سے جھلمل کرتا ہوا چاند جب عید کا پیغام لاتا ہے تو بچّے ہی نہیں بڑوں کے لئے بھی خوشی کا پیغام لاتا ہے۔ بچّے عید کی خوشی منانے کے لئے کیا کیا تیاری کرتے ہیں ان کی خوشی کا ٹھکا نہ ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ اپنی عید کی خوشیا مناتے ہوئے اس نظم میں نظر آتے ہیں۔

''دیوالی تہوار کیسا!'' نظم میں بانو سرتاج نے دیوالی کی خوشیاں اور اس کی رونک کو پیش کیا ہیں۔

د یو ا لی تہو ا ر کیسا ؟
خو شیو ں کے ا نبا ر کے جیسا !

دیوالی میں چُھٹی ملتی
ہم بچّوں کے من کی ہوتی
دیوالی میں کپڑے بنتے
بچّے سب اٹھلاتے پھرتے
پاپا ممّی پیسے دیتے
بچّے لاتے خوب پٹاخے
دیوالی میں دیپک جلتے
جگمگ سارے گھر کو کرتے.
بچّے بوڑھے خوش ہو کھاتے
خوان مٹھائی کے جب پاتے
دیوالی تہوار ہے کیسا!
خوشیوں کے انبار کے جیسا!

ان کی ایک اور نظم ''آؤ منائیں دِوالی''

آو منائیں سبھی دِوالی جگمگ تاروں جیسی دِوالی
آو منائیں سبھی دِوالی جلتے چراغوں جیسی دِوالی
آو منائیں سبھی دِوالی کھلتے گلابوں جیسی دِوالی
آو منائیں سبھی دِوالی میٹھی مٹھائی جیسی دِوالی
آو منائیں سبھی دِوالی چھٹتے پٹاخوں جیسی دِوالی
آو منائیں سبھی دِوالی
ٹھنڈی ہواؤں جیسی دِولی

بانو سرا تاج کی نظموں میں سادگی ہےاور آسانی سے سمجھ میں آنے والی نظمیں ہے۔ بانو سرتاج نے زیادہ ترنظمیں جانوروں پر لکھی ہیں۔ بچّے بھی ایسی ہی نظمیں پسند کرتے ہے۔ جیسے نظم:۔

''نٹ کھٹ بندر'' کل ہم نے اِک بندر دیکھا

چڑیا گھر میں جا کر دیکھا

جیسا دیکھے ویسا کرتا

ہنستا روتا، روتا ہنستا

اُپر نیچے اُلٹا سیدھا

کرتب خوب انوکھے کرتا

دھرتی پر وہ سر رکھتا تھا

دُم کے بل لٹکا کرتا تھا

ٹیڑھا میڑھا منہ کرتا تھا

بچوں کو خوش وہ کرتا تھا

ہم کو بھایا نٹ کھٹ بندر

چڑیہ گھر کا نٹ کھٹ بندر

بالہ ترنظم میں بانو سرتاج نے بندر کی نقل کرنے کی عادت اوراس کی حرکتوں سے بچّے کس طرح خوش ہوتے ہےاس نظم میں بتایا ہے۔ وہی ان کی ایک اور نظم ''چوہا ماما''

چوہے ماما چوہے ماما	کل پھر آنا کل پھر آنا
روٹی کا ٹکڑا لے جانا	بسکٹ بھی میٹھا لے جانا
آنا جانا کرتے رہنا	سب سے ملتے جلتے رہنا

لیکن اِک دن چوہے ماما ہم کو دعوت میں بلوانا
دیکھیں گے ہم، کیسے رہتے؟ چھوٹے بل میں کیسے سوتے؟
کتنے کھاتے، کتنا رکھتے گھر میں اپنے کیا کیا کرتے؟
ہوگا بچوّں کا ہنگامہ جب تم دوگے دعوت نامہ
تیاری کر کے تم آنا
چوہے ماما کل پھر آنا

نظم :۔ ''کالی کوئل'' اس نظم کے زریعے بانوسرتاج نے بچوں کو چھوٹی سی نصیحت دی ہے کی ہمیں کوئل کی طرح میٹھی بولی بولنی چاہیئے۔

دیکھو کوئل گانے آئی
دل سب کا بہلانے آئی
چھوٹی سی ہے کایا اُس کی
دریا سی ہے مایا اس کی
گانے پیارے پیارے گاتی
کان میں امرت رس ٹپکاتی
سب کو اپنے گیت سناتی
بوڑھوں بچوں کے من بھاتی
بولو بچوّں بولی اچھّی
کوئل جیسی میٹھی میٹھی

☆

نظم :۔ ''ہریالا توتا'' نظم میں بانوسرتاج نے بتایا ہے کہ بچوں تم کبھی توتے کی طرح رٹو طوطا نہ

بنا طوطے کی فطرت ہوتی ہے کی جو کچھ وہ سنتا ہے اسی کو دوہرا دیتا ہے۔

ہریالا سا پنچھی ہے وہ
لال کنٹھی والا ہے وہ
پنجرے میں ہیں اس کو رکھتے
طوطا طوطا اس کو کہتے
بھاشن کرتا گانا گاتا
اپنے منہ سے مٹّھو بنتا
مٹھو بیٹے خود کو کہتا
جس کو چاہے پھر جو کہتا
طوطا تو بس ہوتا توتا
سُن لے کچھ تو، بس رٹ لیتا
ایشور کہہ دو اللہ کہہ دو
کل تم اس کے منہ سے سُن لو
لیکن بچوّں یاد یہ رکھنا
رٹن توتا تم مت بننا

☆

نظم:۔ پوسی بلّی میں بانو سرتاج نے بلیّ کی دعوت کو مضوع بنا کر لکھا ہے۔

پوسی بلیّ اِک دن بولی　　جنگل کی مشہور ہے ہولی
دعوت مجھ کو بھی ہے آئی　　بڑا ہی عمدہ موقع لائی
جنگل کا جو شہزادہ ہے　　میرا اپنا وہ بھانجا ہے

میں نہیں چل کر جانے والی بھیجے گا وہ مجھ کو ڈولی
دیکھا سب نے ڈولی آئی خالہ بلّی کی بن آئی
جھٹ پٹ کی تیاری اس نے سب کی لی فرمائش اس نے
ہو کر سب رخصت پوسی
ڈولی سے جنگل میں پہنچی

اس طرح بانو سرتاج کی نظمیں بچوں کے کھیل اور نصیحت کے عناصر سے بھرپور نظر آتی ہے۔ کلامِ بانو سرتاج کی یہی وہ خصوصیت ہے جو انھیں دوسرے شعراء سے ممتاز کر دیتی ہے۔انہوں نے ادب پر لکھا اور خوب لکھا بانو سرتاج کے کلام کو پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک خوش دل اور شگفتہ مزاح رفیق ادب کو مل گئی ہے۔جس کو انسان اور ادبِ اطفال سے محبت ہے وہ ہر چیز میں ادبِ اطفال کے خیر کا پہلو دیکھتی ہے۔وہ بچوں کے ساتھ ہنستی ہے۔قہقہے لگاتی اور ٹھٹھے مارتی ہے وہ ان کے کھبلو اور تغر بچوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔نظم الٹا پلٹا ایسی ہی نظم ہے۔

بچّے کا دل َکھل جائے
الٹا پُلٹا گر ہو جائے
چوہا بلیّ کو دوڑائے کتا مرغی سے گھبرائے
کوّا کوئل جیسا گائے توتا مینا میں ٹھن جائے
بچے کا دل َکھل کِھل جائے
اُ لٹا پُلٹا گر ہو جائے
دادا جی کو پڑھنے بھیجے بستہ سے پاپا جُھک جائیں
کڑوی گولی امّی کھائیں بھیاّ کو پل پل دوڑائیں
بچّے کا دل َکھل َکھل جائے

اُ لٹا پُلٹا گر ہو جا ئے

دُھوپ نہ جب دن بھر نکلی ہو   مکتب کی جب گُل بجلی ہو

ہر ٹیچر کی جب چھٹّی ہو پڑھنے پر جب پابندی ہو

بچّے کا دل کھل جائے

اُلٹا پلٹا گر ہو جائے

بانو سرتاج بچوں کے درد کو بھی محسوس کرتی ہیں۔ان کی ایک نظم کوئی مجھ کو اپنا لے! میں یتیم بچّے کی داستاہے۔جو اسکول جانا چاہتا ہے اور وہ محبت چاہتا ہے وہ اپنا درد اس طرح بیان کرتا ہے۔

میں ہوں اِک بچہ چھوٹا سا

میرا سپنا بھی چھوٹا سا

اچھّا کھانا میں نہ چاہوں

اچھّا کپڑا میں نہ چاہوں

بنگلہ گاڑی میں نہ مانگوں

کھیتی باڑی میں نہ مانگوں

روکھا سوکھا کھا کر جی لوں

موٹے کپڑے سے تن ڈھک لوں

چھوٹی سی کٹیا میں رہ لوں

میں ہر ایک مصیبت سہہ لوں

چاہتا ہوں میں پڑھنا لکھنا

چاہتا ہوں میں مکتب جانا

میری ماں ہیں اور نہ بابا

کوئی مجھ کو اپنا لے نا!

بانوسرتاج کی نظمیں یہ زندہ دلی ہنسی خوشی اور عیش وعشرت کے نغمے اس ادبِ اطفال کی پیداوار ہے۔ بانوسرتاج کی نظر ہمیشہ زندگی کے روشن پہلوں پر پڑتی ہے۔ اور وہ اپنے ماحول سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوتی ہے۔ بانوسرتاج کی حسن پرستی اور لزت اندوزی ان کی رجائیت کی آبرو ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خوشی اور مسرت سے بانوسرتاج کا تعلق جسم اور جان کی طرح استوار ہے۔ ہندوستانی بچّوں کے معاشرت، ان کے نازونعم سے پرورش کئے جانے کے حالات، اور بچوں کے متعلق والدین کے جزبات کا صحیح نقشہ ان نظموں میں موجود ہے ان کی نظم کے بند کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کو اپنے بچپن کے ایاّم یاد آرہے ہوں۔

بانوسرتاج کو بچپن سے متعلق جو جو خیالات ان کے ذہن میں آتے جاتے ہیں وہ بغیر کسی مبالغے کے نظم کرتی جاتی ہے وہ سادگی سے حقیقت اور واقفیت کے ظریفانہ اظہار کا ہنر جانتی ہیں۔ اور لفظوں میں تصویر کھیچ کر رکھ دیتی ہیں۔ بچوں کا معصوم حسن کس کو متاثر نہیں کرتا۔ پیغمبر تک باوجود تقدس تر بتر کے اس معصوم حُسن سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور بچّوں سے بچّوں کی طرح کھیلنے لگتے ہیں۔ پھر بانوسرتاج اس حسن سے کیونکر متاثر ہوتی ہے۔ نظم:۔ ''من بھاتا کھاجا!''

دادی جی نے اِک دِن پوچھا　　کس کو کیا ہے بھاتا کھاجا!
ببلو بولا لڈو مجھ کو　　جونو بولا پیڑے مجھ کو
بٹوّ سوہن حلوہ مانگے　　رشمی باکوشاہی چاہے
اس رس گُلے سمیؔں کے پیارے　　رافی کھائے شکرّ پارے
پاشا، راجہ کھیلے دن بھر　　میوے کھائیں مٹھّی بھر بھر
ارشد کو برفی ہے کافی　　عظمت کو پیاری ہے ٹافی
گڈو کو میٹھا نہ بھاتا　　شاہد بھی نمکین ہی کھاتا
گڈّی میٹھی پوری کھاتی　　شاداں کو جیل ہے بھاتی

چینی کی دیوانی آیما	خوش ہو کھائے مٹّی اقصیٰ
گڑیا پانی پوری والی	چُھٹ کا چوٗ سے دن بھر انگلی

☆

جس طرح چھوٹے بچوں سے، ماں باپ، عزیز و اقارب، احباب طرح طرح سے اپنے لاڑ پیار کا اظہار کرتے ہیں کوئی ان کے رخسار پر بوسہ لیتا ہے تو کوئی انھیں اپنے ہاتھوں پر اُچھالتا ہے اور کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتا ہے۔

بہر حال شیر خوار بچّے ہر انسان کو اپنی محبت میں اسیر کر لیتے ہیں۔ مثلاً:۔نظم ''اچھے بچّے''

اچھے بچّے وہ ہوتے ہیں
کہنا سب کا جو سُنتے ہیں
بوڑھوں کی عزّت کرتے ہیں
چھوٹوں کا بھی دل رکھتے ہیں
اچھّے بچّے وہ ہوتے ہیں
محنت ہر دم جو کرتے ہیں
مشکل سے وہ کب ڈرتے ہیں
آگے بڑھتے ہی رہتے ہیں
اچھّے بچّے وہ ہوتے ہیں
سب کی جو خدمت کرتے ہیں
اندھے کی لاٹھی بنتے ہیں
کمزوروں کا بل ہوتے ہیں

☆

نظم بارش کے دِن:۔

بارش کے دن آئے آئے آئے آئے بارش کے دن
بجلی چمکے، بادل گرجے بادل گرجے، پانی برسے
پانی برسے، دھرتی بھیگے دھرتی بھیگے، ہل دھر جاگے
ہل دھر جاگے، دھرتی جوتے دھرتی جوتے، فصلیں بوئے
فصلیں بوئے، کوپل پھوٹے کونپل پھوٹے، پودے لہکے
پودے لہکے، سونا دمکے سونا دمکے، بچّے چہکے
بارش کے دن آئے ائے
آئے آئے بارش کے دن

☆

بانو سرتاج نے بچوں کے لئے موسم کے عنوان کے تحت بھی نظم لکھی ہیں ۔ان کی ایک نظم ''موسم کتنے'' بڑی ہی پیاری نظم ہے۔

مُنّی بولو موسم کتنے؟
گھر میں اپنے لوگ ہیں جتنے
ابوّ کچھ ہیں روکھے پھیکے
گرما جیسے تیکھے تیکھے
سرما جیسی امّی اپنی
تھوڑی کھٹی تھوڑی میٹھی
بارش برسے جَم جَم تھم تھم
منّی کھیلے چھم چھم، چھم چھم

دوسری نظم ''گرمی کے دِن'' میں بتانے کی کوشش کی ہے کی گرمی کے دِن شروع ہوتے ہےتو اسکولوں کی چھٹّی شروع ہوجاتی ہے۔اور یہی چھٹی بچّوں میں ایک خوشی کی لہر پیدا کرتی ہے۔اور بچّوں کوقلفی،شربت لطف دیتی ہے۔

گرمی کے دن آئے آئے
چھٹّی کے دن آئے آئے
کاپی کو بستہ میں رکھ دو
ناچو گاؤ کھیلو کودو
قلفی لاؤ شربت لاؤ
یا ٹھنڈا پانی پلواؤ
گرمی کے دن آئے آئے
پنکھا ہواب، کولر ہواب
یا پانی والا ہو اِک ٹب
جس میں بیٹھیں دن بھر ہم سب
کھیلیں پانی چھپ چھپ چھپ چھپ
گرمی کے دن آئے آئے
خربوزہ، تربوزہ آم
لمکا، مازا، جیلی، جام
لےلو ان کو دے کر دام
کھاؤ جب ہو جائے شام
گرمی کے دن آئے آئے
چھٹی کے دن آئے آئے

نظم ''بارش کے دِن'' جب بارش کے دِن آتے ہےتو چاروں طرف جومنظر ہوتا ہے۔اسے دیکھ کر بچےّکس طرح خوش ہوتے ہیں اس نظم میں بتایا ہے۔

بارش کے دن آئے	آئے آئے بارش کے دِن
بجلی چمکے، بادل گرجے	بادل گرجے، پانی برسے
پانی برسے، دھرتی بھیگے	دھرتی جوتے، فصلیں بوئے
فصلیں بوئے،کونپل پھوٹے	کونپل بھوٹے، پودے لہکے
پودے لہکےسونا دمکے	سونا دمکے، بچےّ چہکے

بارش کے دن آئے آئے

آئے آئے بارش کے دن

بانوسرتاج ہم عصراردو کا یک اہم نام ہےان کی اہمیت بیک وقت کئی جہتوں میں منقسم اورکئی حیثیتوں پرمشتمل ہےادب میں بانوسرتاج کی تخلیقی شناخت کئی وسیلوں پرمبنی ہے۔مقامِ مسّر ہے کہ گزشتہ کچھ برسوں سے بانوسرتاج نے بچوّں کے لئے چھوٹی چھوٹی کہانیوں اورنثری مضامین کے علاوہ دلچسپ شوخ اورچلبلی نظموں کی تخلیق کی اوراپنی توجہ مبزول کرکے ایک بڑے خلاکو پارکرنے کے مستحسن عمل کی شروعات کی ہے۔بچوں کے معیارمزاح سےاہم آہنگ ان کی پیاری نظموں نے بچوّں کے رسائل وجرائد میں اکثر توجہ ؔکا باعث بن رہی ہیں اپنی ان نظموں میں بانوسرتاج ہم عصراردو کا ایک اہم نام ہے۔ان کی اہمیت بیک وقت کئی جہتوں میں منقسم کی حیثیتوں پرمشتمل ہےادب میں بانوسرتاج کی تخلیقی شناخت کئی وسیلوں پرمبنی ہے۔

انہوں نےنظموں،کی تخلیق پربھی اپنی توجہ ّمبدول کرکے ایک بڑے خلاکو پورا کرنے کے مستحسن عمل کی شروعات کی ہے۔بچوّں کے معیارومزاج سےاہم آہنگ ان کی پیاری پیاری نظموں، بچوّں کےرسائل وجرائد میں اکثرتوجہ باعث بن رہی ہیں۔اپنی ان نظموں کویکجا کرکے''مرغےمیاں

کی ککڑوں کوں'' عنواں کے تحت زیرِ نظر مجموعہ شائع کر کے دراصل بچّوں کے لئے مفید اور کار آمد ادب تخلیق کرنے کے لئے بنیادی طور پر جو صلاحیتیں مطلوب ہوتی ہیں۔ جو وسائل و مواقع درکا ہوتے ہیں وہ کم تخلیق کاروں کو میسر آتے ہے۔لیکن خالقِ حقیقی نے یہ صلاحیتیں ، وسائل اور مواقع بانو سرتاج کے نامہ اعمال میں وافر مقدار میں درج کر رکھے ہیں ۔ان کی حیات مستعار کا معتد یہ حصہّ تعلیمی مشاغل اور تدریسی مصروفیات میں بسر ہوا ہے۔ان کے فرائضِ منصبی میں بچّوں کی تعلمی وتربیت کے علاوہ بچّوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دینے والے زیرِ تربیت اسابیت اساتزہ کی ذہن سازی اور فکری تشکشیل وتعمیر بھی شامل رہی ہے لٰہذا یہ سب کرتے ہوئے ان کے تجربے میں یہ باتیں بھی آئیں کہ بچّے کیا چاہتے ہیں؟ ان کی طبعی استداد کیا ہے؟ ان کے فطری مطالعے کون کون سے ہیں؟ ان کی ذہنی صلاحیتوں کے معیارات ومدارج کیا ہیں؟ ان کے نفسیاتی تقاضے اور جبلّی ضرویات میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟ ان کی پسند اور ناپسند کی فہرست میں کون کون سی باتیں آتی ہیں؟ ان کا مزاج کن باتوں سے مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے؟ ان کے رجحانات کن کن ترغیبات وترجیحات کی نشاندہی کرتے ہیں؟ ان کے معاملات اور معمولات سے ان کے خیالات جاننے میں کیا مدد ملتی ہے؟ بچوں کے لئے لکھی گئی نظموں کہانیوں کی زبان کیسی ہونا چاہیئے؟ طرزِ بیان کیسا ہونا چاہیئے؟ ان کے پسندیدہ موضوعات کیا کیا ہو سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

بانو سرتاج نے اپنے زیرِ نظر مجموعے میں شامل بچّوں کے لئے تخلیق شدہ نظموں میں اپنے متزکرہ بالا تجربات ومشاہدات کو شعوری طور پر خوب خوب کام میں لایا ہے اور جس قدر ممکن ہو پایا ہے۔ اپنی کم وبیش تمام نظموں کو ان تمام اُصاف متصف کرنے کی شعوری کوشش کی ہے جو بچّوں کی دلچسپی اور دلکشی کا موضو ہو سکتے ہیں۔ بانو سرتاج نے بچّوں کے لئے اگر کچھ نصیحت آموز نظمیں لکھی بھی ہیں۔تو انھیں دلکشی شوخ ،چلبلی لفظیات ، بچکانہ نٹ کھٹ اصط حات ، روزمرّہ سنے سنائے محاورات ،ہلکی پھلکی قابلِ فہم تشبہات اور دلچسپ پہلوں سے سجا سنوار پیش کیا ہے۔مثال کے لئے ان کی

نظمیں ''نٹ کھٹ بند''''چوہے ماما'' ''جانے ایسا کیوں ہوتا ہے؟''''پوسی بلیّ'' ''بُھلی مینا''
''گرمی کے دن''''اُلٹا پلٹا''''گڈو کی بکری''موسم کتنے! گڑیارانی کیسا شور مچائے کوّا اپیش کی جا سکتی
ہیں۔یہ تمام نظمیں ایسی دلچسپ اتنی پیاری پیاری ہیں کہ بچّے انھیں ہنستے کھیلتے ،ناچتے کودتے گاتے
رہیں اور ہنسی ہی ہنسی میں کھیل ہی کھیل میں لاشورری طور پر کام کی باتیں بھی ان کے ذہن نشین ہو
جائیں۔کھیل کھیل میں تعلیم آزمودہ بنیادی اور کارآمد اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے بانو سرتاج نے
خصوصی طور پر جو نظمیں تخلیق کی ہیں۔''جھولا جھولیں'' پکنک اور''میری پتنگ'' قابلِ ذکر
ہیں۔۔جوایک ماں کی صورت میں اپنی ممتا بھری شفقتوں کولوریوں میں ڈھال کر بچّوں کو ہنسانے ،گد
گدُانے ان کا جی بہلانے کے لئے ان کے ساتھ کھیل کوداور شوخیوں شرارتوں میں خود بھی شریک
ہیں اوراس طرح ان کی دل بستگی کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت اور ذہنی تشکیل وتعمیر کا فریضہ بھی
انجام دے رہی ہے۔ بڑا ادیب یا فنکار انسان کی مقرر کردہ حد بندیوں سے آزاد ہوتا۔ہے اس کا
پیغام آفاقی نوعیت کا حاصل ہوتا ہے وہ ملک وقوم ،رنگ ونسل ،میلت و مذہب کی سرحدوں میں مقید
نہیں ہوتا اس کی تخلیقات اوراس کا پیغام ساری انسانیت کے لئے ہوتا ہے۔ہر فنکار اپنے فن سے
انسانیت کی بےلوث خدمت کا جزبہ رکھتا ہے یہ حق ہے کہ اسکی تخلیقات ایجادات اور معلومات سے ہر
انسان بلا محاظ مذہب وملت ، ملک وقوم ،رنگ نسل ،زات پات زماں ومکاں سے فیض حاصل کر سکتا
ہے۔یہ حق ہے کہ ہر عظیم فنکار کا تخلیل اور روحانی وخود قدمی تہذیب کے ہر رنگ سے توانائی ،قوت ،سر
سبزی اور شادابی حاصل کرتا ہے۔لیکن اس کی تخلیقات میں ساری دنیا انسانیت اس کی مخاطب ہوتی
ہے۔آزادی امن وآشتی ،مساوات ،انصاف اور حقوق انسان کی جدوجہد میں وہ اپنے زورِ قلم سے
رہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔

بانو سرتاج نے بھی اپنے فن پاروں کے زریعے پوری فعالیت سے اپنے اس منصب جلیلہ کو بہ
حسن بہ خوبی سنبھال لیا ہے۔ان کی تخلیقات نے انہیں اردو ادبِ اطفال میں زوام بخش کر زندہ جاوید

بنا دیا۔ بانوسر تاج کا کلام لفظوں کی انمول اور بے مثال قوسِ قزح ہے۔ مثلاً:۔ نظم۔ ''بڑ ابولا کوّا''

کوّا جیسے تن کا کالا

ہے ویسے ہی من کا کالا

کڑوی بولی اس کی عادت

بڑبولا پن اس کی فطرت

تا کا کرتا بیٹھے بیٹھے

حاصل کر لیتا جو چاہے

بِن محنت کے سب کچھ پاتا

کھاتا پیتا موج مناتا

ہشیاری، مکّاری، دھوکا

چھینا جھپٹی میں وہ یکتا

☆

اس نظم میں بانوسر تاج نے کوّا کی مکّاری ہوشیاری اور اس کے دھوکا کاری کے بارے میں بتایا ہے۔ جو کوّا کی فطرت ہوتی ہے۔ بانوسر تاج کی نظموں میں حسن و عشق کی باتیں نہیں ملتی بلکی بچوں کی چلبلی اداؤں سے بھری نظمیں ملتی ہیں۔ وہ حسن کی شیدائی نہیں بلکہ بچوں کے محبّت کی شیدائی ہیں۔ ان کی نگاہیں ہمیشہ بچوں کی نٹ گھٹ حرکتوں پر رہتی ہیں۔۔ ان کی نظر ہمیشہ زندگی کے روشن پہلوں پر پڑتی ہے اور وہ اپنے ماحول سے زیادہ لطف اندوز ہوتی ہیں۔ ان کی نظموں میں فلسفیت اور فکر انگیزی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ان کے کلام میں عبرت کے اشارے بھی ہے۔ رجائیت کے اشارے ہیں جو بچوں میں زندگی کو مفید اور تابناک بنانے میں اعانت کرتے ہیں۔

بانوسر تاج کی بھر پور شخصیت پوری طرح ان کے نظموں میں اجاگر ہوتی ہے۔ بانوسر تاج وہ نظم

نگار ہیں جن کی پوری نظمیں بچوں کے محبت کی فضا میں سانس لیتی ہوئی نظر آتی ہے ۔ان کی نظمیں بچوّں کے ذہن کو متاثر کرتی ہیں انہیں ہنسنے مسکرانے پر مجبور کرتی ہیں ۔اور بچہ ان نظموں کو پڑھ کر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ویسے تو انہوں نے نظمیں کم ہی لکھی ہیں لیکن ان کی نظموں میں ادبِ اطفال کے لئے قومی یکجہتی کا جزبہ بھی نظر آتا ہیں ۔ان کے کلام میں کہیں بھی ان ہونی دیکھنے کو نہیں آتی فکری سطح پر بانو سرتاج اس بات کی قائل ہیں کہ مسرت اور خوشی انسان کا پیدائشی حق ہے وہ زندگی کے اس فطری حق کو نشاط زیست کے ساتھ ساتھ نشاط شاعری بھی بنانے کے روادار ہیں ۔یہی وجہہ ہے کہ ہمیں روتے بسورتے شاعر کے بجائے ایک تنومند شخصیت بانو سرتاج کی صورت میں نظر آتی ہے ۔جو جی بھر کر جینا چاہتی ہے ۔مثلاً نظم ''چنداماما''

چنوّ اِک دن ماں سے بولا　　پیارے دو دو میر ماما
اِک میرے وہ چنداماما　　اِک میرے یہ چوہے ماما
نیلا امبر چندا کا گھر　　چوہے ماما بل کے اندر
ماما چندا بھی کیسے ہیں　　ملنے مجھ سے نہیں آتے ہیں
چوہے ماما کتنے اچھےّ　　مجھ سے روز ہیں ملنے آتے
امیّ مسکائیں اور بولیں　　باتیں تیری میں نے سُن لیں
چوہے ماما گھر میں رہتے　　آتے جاتے ملتے رہتے
چنداماما اوپر رہتے　　اوپر سے ہیں دیکھا کرتے
ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں دیتے
خاموشی میں باتیں کرتے

بچوں پر بانو سرتاج کی نظم نے بہت گہرا اثر ڈالا ہے ۔انہیں الفاظ کے وسیع خزانے پر کمال کی دسترس حاصل ہے ۔الفاظ جوق در جوق ان کے سامنے شعروں میں پرونے کے لئے امڑ آتے ہیں ۔

جزئیات نگاری کے ذریعے بانوسرتاج چلتی پھرتی اور منھ بولتی تصویریں پیش کرتی ہیں ۔جذئیات نگاری کی خوبی بانوسرتاج کے پورے فن پر چھائی ہوئی ہے۔جذئیات نگاری میں الفاظ کوخاص اہمیت حاصل ہے۔بانوسرتاج الفاظ اورسلیقے سے استمال کرتی ہیں کہ ان کی نظمیں تفصیلات کا خزانہ معلوم ہوتی ہیں۔جس چیز پر یہ قلم اٹھاتی ہیں تو تصویر بہ حسن قاری کی نظروں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔اور پڑھنے والے کواس تصویر کی حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

بانوسرتاج بہ حثیت محقق

بانوسرتاج نے اپنے کلام کوتحقیقی مقالے سے بھی تر برتر کیا ہیں۔اور ہندوستان جوکی تہواروں کا ملک ہیں. ہولی، دیوالی، عید اور ان سے وابستہ قصےّ کہانیا ان تہواروں کے پیچھے جوڑی داستا کو بانوسرتاج نے اردوشاعری اور قومی یکجہتی میں پیش کیا ہیں۔اور ساتھ ہی تمام نثر ونظم نگاروں نے اپنے اپنے کلام سے تہواروں کی خوشی کو بیان کیا ہیں۔پھر چاہے شاعر اور مصنف کسی بھی دھرم کے ماننے والے ہوں۔سبھی کی شاعری اور نظم میں قومی ایکتا کا پیغام ملتا ہیں۔بانوسرتاج نے اپنے تحقیقی مقالے کے زرئے قائیرن کو یہ بتانے کی کوشش کی ہیں کہ اردو کے غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام کیسا رہا۔اُردو شاعری میں شری رام کی زندگی کوتمام شعراوں نے اپنے شعر کے زریے ان کی زندگی کے ہر پہلوں پر روشنی ڈالی۔اُردوشاعر کے زریعے ہولی اوراس کے اہمیت کوتمام شعراء چاہے وہ ہندی شعراء ہو یہ کوئی اور زبان کے شاعر سبھی نے اپنے انداز سے اُردو میں ہولی کی اہمیت کوواضح کیا۔وہی تمام شاعر نے اُردو ہی میں عید کی مٹھاس کا بیان کیا۔اگر ہم آسان زبان میں کہےتو بانوسرتاج نے اپنے تحقیقی مقالے میں تمام تر زبانوں کے شعراوں کا بیان کیااور ان شعراوں نے اُردو میں جس طرح اپنے خیالات اور کئی تہواروں کا ذکر کیاہیں۔وہ قابلِ تعریف ہے۔اور بڑی عظیم شخصیتوں اوران کی زندگی سےہمیں روبروں کرایہ ہیں۔یہ بانوسرتاج کی تصانیف کا ہی کمال ہوسکتا ہیں۔

ادبِ اطفال ایک مطالعہ تحقیقی مضامین مین بانوسرتاج ادبِ اطفال کی کئی نفسیات سے اہمارا تعارف کرواتی ہوئی نظر آتی ہیں۔مثلاً ادبِ اطفال میں نفسیاتِ اطفال کا باہمی رشتہ کیسا رہتا ہیں۔ اور سبھی ادیبوں کے اپنے کیا کیا خیالات ادبِ اطفال کی جانب رہتے ہیں انہیں پیش کیا ہیں۔اور یہ بھی بتایا ہیں کی حکمت کس حدتک ادبِ اطفال کے لئے پیش پیش رہی۔آزادی کے بعد راج گوپال آچاری (۱۹۵۱) نے اپنے ایک خط میں پنڈت نہرو کولکھا تھا، ملک آزاد ہو چکا ہے بہتر ہے اب آپ ایک کونے میں بیٹھ کر اب ادبِ اطفال تخلیق کریں۔ادبِ اطفال کیا ہے؟اس کی وضاحت

عالموں، فلاسفروں، ادبِ اطفال کے تنقید نگاروں، ماہرینِ نفسیات سب نے الگ الگ کی ہیں۔

''ڈاکٹر'' ظ۔انصاری کے قول پر بھی ایک نظر ڈالیں جو کہتے ہیں ''میرے دِل سے پوچھوتو بچوں کا ادب وہی سب سے اچھا ہے جسے بچوں کے باپ دادا بھی پڑھ کر لطف لیں، جس طرح موسم کے پھل، تہوار کی جلیبی اور برفی سے بچے بوڑھے دونوں خوش۔۔مزے کا مزا غزا کی غزا''۔[1]

اب آئے بچوں کی نفسیات پر مشہور ماہرِ نفسیات کر واینڈکرو کہتے ہیں : child psychology is the scientific study of the individual from his prenatal begining through the early stages of his adolescent development بچے کی شخصیت کا اس کا پیدائش کے قبل سے بلوغت کے ابتدائی عرصے تک کا سائنسی مطالعہ نفسیاتِ اطفال کے تحت آتا ہے۔[2]

اس طرح بانو سرتاج نے کئی ماہر نفسیات ادیبوں کا اس میں زکر کیا ہیں۔مثلاً۔مراٹھی وشوکش ۱۹۸۲ برٹانیکا، جو نیرء انسا ئکلو پیڈیا ۱۹۵۱ء، ہنری اسنیل ۱۹۶۹ء، چلڈرن آف دی ورلڈ۱۸۷۳ء، عبداللہ ولی بخش قادری، وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ادبِ اطفال: حکمت اور پیش کش: اس ضمن میں بانو سرتاج کہنا چاہتی ہیں قدیم زمانے سے لئے کر آج تک حکمت ادبِ اطفال کی حوصلہ افضائی اور ان کی تعلیم وتربیت کی نئ نئ کھوج میں لگی ہیں۔اور ادبِ اطفال کو ایک اچھا ادب فراہم کرنے میں لگی ہیں۔بچے پریوں کی کہانیا پڑھنا پسند کرتے ہیں اور سننا بھی۔کہانی دنیا کی سب سے قدیم صنفِ ادب ہے۔کہانی کی مقبولیت کا سب سے بڑا راج نفسیاتی ہے۔کہانیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔مثلاً طلسمی کہانیاں، مذہبی کہانیاں، اخلاقی کہانیاں، تاریخی کہانیاں، بہادری کی کہانیاں، جن بھوت جادوگر، راکشسوں کی کہانیاں وغیرہ۔

بانوسرتاج نے اپنی تحقیق میں یہ بتانے کی کوشش کی ہیں کہ کہانی کوئی بھی ہو اس میں چند خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے

☆ کہانی میں تحیرّ اور تجسّس لازمی ہے
☆ کہانی میں بچوں کی ذہنی استطاعت کا خیال رکھا جائے
☆ کہانی میں مثبت نظریہ فکر پر زور ہو۔
☆ کہانی بچوں کی قوت متخیلہ کو مہمیز کرنے والی ہو
☆ کہانی کے واقعات بچے کی دماغ نشو ونما میں مدد کرنے والے ہوں۔ وغیرہ

تصویری کہانیاں :۔آغاز اور فروغ بانوسرتاج نے اس میں یہ بھی بتایہ ہیں کی زیداتر بچّے تصویری کہانیوں سے زیداہ متوجہ ہوتے ہیں۔لیکن اس کا آغاز کہاں سے ہوا اور اس کوفروغت کہاں سے ملی اس بات کا جائزہ بانوسرتاج یہاں لیتے ہوئے نظر آتی ہیں۔

ابتداء میں تصویری کہانیوں کے موضوع ملک تہذیبی وراثت ،اخلاقی اقدار اور عمدہ تعلیم وتربیت تک محدود ہوتے تھے ۔آج کے تصویری کہانیوں میں حب الوطنی ،قومی یکجہتی کے علاوہ بہادری، ایمانداری انسانیت کو فروغ دینے والے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ کہانیاں مصیبت میں پھنسے لوگوں کی مدد کرنے اور مظلوموں کا ساتھ دینے کے لئے بچوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ اچھی اور صحت مند تفریح میسر کرانا تو ان کا اولین مقصد ہے ہی۔

۱۶۵۸ سے ۱۸۰۰ء تک پہلی تصویری کہانی ۱۶۵۸ء میں چیک زبان میں شائع ہوئی۔

۱۸۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک اس دور کی تصویری کہانیوں میں کافی تبدیلی نظر آئیں۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۰ء تک دور میں رنگین تصاویر سے مزین کتابوں نے ادبی دنیا میں ہلچل مچادی

۱۹۷۱ء کے بعد تصریری کہانیوں کے مارڈن دور کا آغاز ۱۹۷۱ء کے بعد ہوا۔ بھارت کی تصویری کہانیاں انیسویں صدی کی چھوٹی دہائی سے بھارت میں تصویری کہانیوں کا آغاز ہوا۔ کہانی کامکس کی کوئی بھی کارٹون تصویر یا تصویری کہانی جس میں مزاح ہو جیسے پڑھ کر ہنسی آئے وہ کامکس کے زمرے میں رکھی جاسکتی ہے۔

بانوسرتاج نے اپنی اس تحقیق میں کامکس کی ابتدائی سے لئے کر چندخاص کامکس کا زکر کیا ہیں۔ کارٹون کی کہانی کا بھی کچھ اس طرح ذکر کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتی ہیں۔ اوراینی میشن کی جادوئی دنیاں سے بھی ہمارا تعارف کرواتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سائنس فکشن کیا ہے؟ میں بانوسرتاج فکشن کو معاشرہ کے لئے دورِجدید کا ایک تحفہ مانتی ہے اور صحیح بھی ہیں۔ کیا ہے سائنسی فنتاسی؟ لوری پالنے کے اور صبح کے گیت میں بانوسرتاج نے لوری کی ماہئیت ،لوری کے مقاصد،لوری الگ الگ طرح سے کیسے گائی جاتی ہیں اس کا بھی بیان اپنی تحقیق میں شامل کیا ہیں۔

''غلام نبی آتش کشمیری فوک کے تعلق سے لوری اور پنگوڑے کے گیتوں کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں'' پنگوڑے کے گیتوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک بچہ خود غوں غاں نہیں کرنے لگتا غوں غاں کی ابتدا ہوتے ہی ماں اسے لوریاں سنا کر اس کو بھی ان کی گنگناہٹ کا عادی بانا دیتی ہے۔ پنگوڑے کے گیت اور لوریاں بچّے کے کانوں اور اس کے ذہن کو ترنم آشنا کر کے اس کی خوبیدہ روئے پسند فطرت کو جگا کر رکھتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جس طرح بادِصبا کے جھونکوں سے باغوں میں غنچہ ہائے شگفتہ یکاایک واہد کر ہنسنے لگتے ہیں، اسی طرح شیر خوار بچوں کے نرم ونازک ہونٹوں پر پنگوڑے کے گیتوں اور لوریوں سے پیاری پیاری مسکراہٹ کھلنے لگتی ہے۔[۳۲]

وہی دوسری طرف بانوسرتاج نے اُردو میں بچوں کے ڈرامے پر بھی اپنی تحقیق کے زہر بیکھرے ہیں۔ آزادی کے بعد ریڈیوڈراموں نے اُردو کے فروغ میں کیا کیا نمایاں کردار ادا کیا اس

کا بیان بانوسرتاج نے کیا اور بتایہ کی اُردو میں دوسری اصناف کے مقابلے میں ڈرامے کم لکھے گئے۔ لیکن بانوسرتاج نے بچوں کے لئے کئی ڈرامے لکھے اورڈرامہ ان کی پہلی پسند بھی ہے۔اور کئی ڈرامہ نگار کا بھی اس تحقیق میں بانوسرتاج نے ذکر کیا ہیں۔۱۹۳۶ء میں 'سعدی مچھلی شہری' کے ڈراموں کا مجموعہ بچے کا دل، اظہر افسر، خدیجہ بیگم، برج کٹیال کا ڈرامہ ننھی سی لڑکی، کرشن چندر کا ڈرامہ گیند، عمر عادل مار ہروی' کا مختصر ڈرامہ لڑائی کڑائی معاف کرو، امتیاز علی تاج کا انوکھا دربار و جیسے ڈرامے بچوں کے لئے ادب میں تخلیق کئے گے۔

اُردو میں بچّوں کے ادب کو فراہم کرنے کے لئے کیا کیا دشواری کا سامنا کرنا پڑھتا ہیں ایک ادیب کس مرحلے سے گزرتا ہیں۔اوران کا حل کس طرح نکالتا ہیں جو بچوں کے ادب میں بہتر ثابت ہوں بانوسرتاج نے اپنی تحقیق میں شامل کیا ہیں۔ ہندی زبان میں کس طرح بچوں کا ادب تخلیق کیا جارہا ہیں۔اور بچوں کو ایک اچھا ادب فراہم کیا جارہا ہیں۔اس طرف تمام ادیبوں کو بانوسرتاج نے اُردو میں اس کا اضفہ کرنے کی داوت دی ہیں اور ادبِ اطفال کے ہر پہلوں پر بانوسرتاج اپنے کالم کے زوہر بیکھرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔

بانوسرتاج نے اپنے تمام مضامین کو یکجا کرکے اسے مآل کے عنوان کے تحت شایہ کیا اسے انہوں نے اپنی ان مصروفیتوں کے نام کیا جنہوں نے ان مضامین کے لئے وقت دیا یہ کتاب ۱۸۰ص پر مشتمل کتاب ہیں۔اس میں انہوں نے ہندی غزل ایک جائزہ کو پیش کیا غیر سسنکرت دانوں کی سنسکرت میں کیا خدمات رہی اس کا جائزہ لیا۔قدیم مراٹھی شاعر کے کیا عناصر تھے اس کا جائزہ پیش کیا۔ڈاکٹر شباب للت کی شاعری میں ہندو دیومالائی کے کیا علائم رہے۔اسے بانوسرتاج نے اپنے مضامین کے ذریے پیش کیا۔وہی دوسری طرف سلیمان خطیب کا اُردو زبان کے لئے ان کا کیا مشن رہا وہ کس حد تک اپنے مشن میں کامیاب رہے۔اس کا ذکر اپنے مضامین میں کیا۔اور ساتھ ہی ہندی میں شاعری کرنے کے ساتھ ہی بانوسرتاج آگے بڑھتی ہے اور اُردو میں بچوں کے ڈراموں کی کیا

وجوہات رہی اس کا بھی ہمیں بانوسرتاج کے ان مضامین سے آگاہ کرتی ہے ۔بانوسرتاج کے مضامین میں قومیت کی کیا اہمیت ہیں اس کا پتہ ہمیں اٹل بہاری واجپیئ کی شاعری سے چلتا ہے۔ان کی ایک آومَن کی گانٹھیں کھولیں، نظم میں وہ کہتے ہیں کہ ادب کی خدمت کرنے سے لکشمی چاہے نہ ملی ہو گر ان کا ارادہ متزلزل نہیں ہوا:۔

سرسوتی کی دیکھ سادھنا
لکشمی نے سمندھ نہ جوڑا
مٹّی نے ماتھے کا چندن.
بننے کا سنکلپ نہ چھوڑا

قوم کو ایکجا کرنے میں خواتین کا اہم رول رہا ان کی کہا تک حصہّ پردازی رہی ان کا بھی علم بانوسرتاج نے اپنے مضامین میں کیا ہے۔کرشن چندر نے ڈرامے کے کیا کیا فن بتایہ جوڈرامے کو مکمل کرتے ہیں ان کا ذکر بھی ہمیں بانوسرتاج کے مضامین سے لگتا ہے۔ہندی ادبِ اطفال میں حِس پزیری کی کیا اہمیت ہے۔ان سب کا ذکر کر بانوسرتاج نے اپنے مضامین میں کیا اور اسے ایک عنوان کے تحت شائع کیا۔

اردوزبان اور اُردو غزل کی دلکشی،اس کے سحر کا بیان کرنے والے سیکڑوں اشعار کہے گئے چند اشعار پیش ہیں جان نثار اختر کا کہنا ہے:۔

ہم سے پوچھو کہ غزل کیا ہے غزل کا فن کیا
چند لفظوں میں کوئی آگ چھپا دی جائے

اصغرؔ گونڈوی غزل تب مانتے ہیں جب:۔

اصغرؔ غزل میں چاہے وہ سوج زندگی

جو حُسن ہے بتوں میں، جو مستی شراب میں

یوں بھی کہا جا سکتا ہے:۔

زخم سینے میں چُھپا کر مسکرانا ہے غزل

سہتے سہتے دردِ دل گدگدانا ہے غزل

ڈاکٹر راج کمار تجات کہتے ہیں۔ ''اگر غزل پائل او پیر کا انداز ہے تو ظلم اور ناانصافی کرنے والوں کے لئے لفظوں کا ایک ہتھیار بھی ہے جو چوٹ کرتی ہے تو بارُود کا سا احساس دے جاتی ہے۔ اُتدار کی گلیوں میں بندوق کی گولی کی طرح داخل ہوتی ہے۔''[۴]

سنسکرت زبان کو دیوتاؤ کی زبان ہونے کا درجہ حاصل ہے۔اس میں علم وادب کا پیش بہار خزانہ بھرا پڑا ہے۔ساری کائنات ایک خاندان ہے یہ سنسکرت کا بنیادی پیغام ہے۔سائنس اور ٹیک نولوجی کے اس دور میں بھی سنسکرت اپنی اہمیت منوا چکی ہے۔کچھ لوگ حالانکہ کم علمی کے سبب اس کا سیکھنا اور استعمال کرنا مشکل سمجھتے ہیں جبکہ ایسا ہے نہیں ہے۔مراٹھی کے شاعر وسنت گاڑگلِ کہتے:۔

مڑاٹھی ادب کا آغاز مہانو بھاو پنتھ کے بانی شری چکر دھر سوامی ۱۱۹۴ء تا ۱۲۷۶ء سے مانا جاتا ہے۔

بارہویں صدی عیسوتک کتابیں صرف سنسکرت زبان میں لکھی جاتی تھیں بول چال کی بھی وہی زبان تھی مگر چکر دھر سوامی نے مہانو بھاؤ پنتھ کے پرچار پرسار کے لئے مراٹھی زبان کو فوقیت دی جو عوام کی زبان تھی۔

۱۸۷۵ء سے مراٹھی شاعری کا انقلابی دور شروع ہوا جس کا ذکر اس مختصر سے مقالے میں ممکن

نہیں ہے ۔لیکن اتنا ضروری ہے کہ مہاراشٹر کی زبان ،مراٹھی کا ادب وقفے وقفے سے اس کے جائزے کی مانگ کرتا ہے ۔اس طرف مقالہ نگاروں کو دھیان دینا چاہئے ۔بانو سرتاج نے ایک نئی سوچ کو جنم دیا اردو شاعری میں ہندو دیو مالا کا دوطرح سے استعمال ہوا ۔ایک تو اپنشد پُران ، وید، رامائن ،مہابھارت وغیرہ مذہبی کتابوں سے راست دیوی دیوتاؤں کے قصے لئے گئے ہیں ۔اپنے اشعار کی گیرائی اور گہرائی وغیرہ مذہبی کتابوں سے راست دیوی دیوتاؤں کے قصے لئے گئے ہیں ۔ اپنے اشعار کی گیرائی اور گہرائی میں اضافہ کرنے لے لئے شبابؔ صاحب نے ہندو دیو مالائی علائم وتلمیحات کا اس کثرت سے استعمال کیا ہے:۔

زفرقا تا نہ قدم ہر کجا کہ می بینم

کرشمہ دامنِ دل کشد کہ جا اینجا نت

سلیمان خطیبؔ کی شاعری فن اور زبان کے لا تعداد پہلو ہیں ۔سردست تین اہم نکات کی طرف توجہ دینا اور معروضات پیش کرنا مقصد ہے ۔اوّل سلیمان خطیبؔ کا مشن اور ان کی زبان جس کو انھوں نے بطورِ خاص اظہارِ زات کا وسیلہ بنایا ۔دوئم زبان کی لفظیات ،محاورہ ،فنیّ ضروتوں کا خیال فنیّ روایات کی پاسداری اور اصولوں وقداعد کا احترام عروض سے واقفیت ،کروں کا انتخاب ،مکمل تشبہات ،مرکبّ استعاروں کا استعمال جامع اور سلیغ راکیب پیکر تراشی ،منظر نگاری ،احساسات اور جزبات کی عکاّ ی خالص ادبی اور دکنی زبان میں یکساں قدرت اور دسترس ۔۔اور سوئم کلام خوانی ۔۔نظم اور اشعار پڑھتے وقت سلیمان خطیبؔ کا انداز وہ منفرد انداز تھا جس کی کامیاب تقلید اور اسی نوعیت کے تاثرات کے حصول کا تصوّر بھی محال ہے ۔

ان اشعار میں دیکھے خطیب کس انداز سے اپنی بات کہتے ہیں ۔

ہمے بے سہارا ہیں بندونواز　　غریبوں کا تمنا سہارا کتیں

تمے کیا سمجھتیں کی معلوم نہیں　　ہمارے کولوگاں تُمارا کتیں

پھر کہتے ہیں:۔

اپنچ رنگ میں رنگ لے میرے خواجہ

اپنا دوپٹہ تیرے رنگ میں رگانے آئیوں

چاندی کا پورا گنبد کوئی بنالے تیرا

میں تو بندوڑی تیری قربان جانے آئیوں

ارسطو نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف بوطیقا میں ڈرامے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ نقالی انسانی جبلت میں داخل ہے اس کا آغاز بچپن سے ہوتا ہے اور ڈرامہ اس کا ارتقائے کمال ہے۔

اظہر افسر بچّوں کے پیارے ادیب ہیں۔ ہاتھوں نے اپنے ڈراموں میں صرف پند و نصیحت ہی پر زور نہیں دیا بلکہ بڑے فطری انداز میں ایسی اہم باتیں کہہ دی جو سیدھے دل میں اتر جاتی ہیں۔ ''ایک تھا قاسم ایک تھا بابا'' ندی کا بھوت، جل پری، پاپا اور شمو، سالگرہ کا تحفہ، ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔' ایک تھا قاسم ایک تھا علی بابا کا پلاٹ لیہ سے ماخوذ ہے۔ اس طرح خدیجہ بیگم، شجاع احمد قائد، برج کٹیال، شوکت تھانوی، کرشن چندر، مہر رحمٰن، مسرت بانو، بانو سرتاج اہم ڈرامہ نگار ہیں۔

ان کے ڈراموں کو پڑھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کی واقعی بچوں کے ڈراموں کی طرف سے مایوس ہونے کی کوئی وجہہ نظر نہیں آتی۔

اٹل بہاری جی نے ۱۹۵۰ء میں سیاست میں قدم رکھا اور راشٹر یہ سوئم سیوک سنگھ سے وابستہ ہوئے یہی سے ان کی شناخت بنی۔۔انھوں نے اپنی مشہور نظم ہندوستان، ہندو جیون میں اپنا تعارف اس طرح دیا۔

ہو کر سوتنتز میں نے کب چاہا ہے کرلوں جگ کو غلام

میں نے تو سدا سکھیا ہے، کرنا اپنے من کو غلام
گو پال، رام کے نام پر، کب میں نے اتیّا رچار کے
کب دُنیا کو ہندو کرنے، گھر گھر میں نرسنہار کئے
ہندو تن من، ہندو جیون
رگ رگ ہندو میرا پریچے!

۲۴/ اپریل ۱۹۹۲ء کو اٹل بہاری واجپی جی کو پدم بھوشن سے سرفراز کیا گیا۔ اس اعزاز کو قبول کرنے کے بعد انھوں دُعا مانگی:۔

مجھے اتنی اونچائی کبھی مت دینا
غیروں کو گلے نہ لگا سکوں
اتنی رُکھائی کبھی مت دینا

۱۸۵۷ء کے بعد آزادی کے حصول اور مضبوط وتوانا سماج کی تعمیر کے لئے عوامی مساعی کو ایک حقیقت تسلم کر کے اہمیت دی گئی اس لئے ایک مخصوص میل جول، بھائی چارہ، رواداری کی فضا کی تشکیل وتعمیر فطری انداز میں ہوتی رہی خواتین قلم کاروں کا دائرۂ عمل محدود تھا اس لئے اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں اور بیسویں صدی کے اوائل تک اُردو میں خواتین کی کوئی مستقل، منصبظہ اور باقاعدہ تخلیق کار رجحان نہیں ملتا۔

نثری ادب کے سینے میں خواتین قلم کاروں کی فہرست طولانی نہیں۔ بیگم امتیاز علی، قراۃ العین حیدر، رضیہ سجّاد ظہیر، عصمت چغتائی، زکیہ مشہدی، شبنم مسیح الزماں، اصغرا مہدی، عطیہ پروین وغیرہ کے نام قابلِ تعریف ہیں۔ کرشن چندر کا شمار اُردو کے صفِ اوّل کے افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں کے زریعے بھی اُردو ادب کو بہت کچھ دیا۔ ''کارنیوال'' مولتا کا ڈرامہ ہے جیسے ہندوستانی ماحول میں رنگ دیا گیا کرشن چندر اس ڈرامے سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اس کے

مرکزی خیال پر بعد میں انھوں نے ایک ناول بھی لکھا۔شو بھا، رسنا، لالی، منر ہوشنگ، چاچی اور چند اس ڈرامے کے مرکزی کردار ہیں جو خالص ہندوستانی ماحول کے پر ددہ لگتے ہیں ۔وہ بمبیاّ بولی بولتے ہیں اور ممئی کی مخلوط تہذیب کی نمائندا گی کرتے ہیں۔ ہندی میں آج کل بڑی تعداد میں ادبِ اطفال کی تخلیق ہو رہی ہے۔

ڈرامہ سوانح غرضیکہ ہر صنف میں بچّوں کی ضروریات کے مطابق تخلیقات لکھی جاری ہیں۔

آزادی کے ایک عرصہ بعد بھی بچّوں کی ایک بڑی تعداد اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہے۔ ان کا بچپن ان سے چھن گیا ہے۔ ہندی ادب میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں ادیبوں نے اپنے اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے۔ ہندی ادب میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں ادیبوں نے اپنے اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے۔راجہ چور سپاہی کی نظم ایسے بھی ہیں کتنے بچے' ان مظلوم، محروم بچّوں کا بخوبی تعارف کراتی ہے۔

ایسے بھی ہیں کتنے بچّے جو من ہی من روتے ہیں
ایسے بھی ہیں کتنے بچّے مٹّی گارا ڈھوتے ہیں
ایسے بھی ہیں کتنے بچے بنا بچھاوَن سوتے ہیں
ایسے بھی ہیں کتنے بچے اپنا بچپن کھوتے ہیں
ایسے بھی ہیں کتنے بچے کپڑے برتن دھوتے ہیں
ایسے بھی ہیں کتنے بچے پھٹے حال جو ہوتے ہیں
ایسے بھی ہیں کتنے بچے سپنے ماتر سنجوتے ہیں

حکومت کوشش کرے، سماجی فلاحی ادارے سامنے آئیں ،فلم اور کھیلوں کی مقبول اور بااختیار شخصیت ان بچّوں کی زندگیوں سے اندھیروں کو دُور کر سکیں۔

بانو سرتاج کی تحقیق مقالہ کے بارے میں جائزا لئے تو ان کی ایک کتاب ''اُردو شاعری اور قومی یکجہتی'' سے مالوم ہوتا ہیں ۔کی ان کی تحقیقی مقالے میں کچھ سمیٹ کر رکھ دیا ہو جو کافی وصیح بھی ہیں ۔وہی دوسری اور اُردو کے غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کالام :۔اردو زبان اور ادب کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے مذہبی رواداری کو اہمیت اونچا مقام دیا ہے ۔بھارت کی تہذیبی قدروں کو اہمیت دی ہے تو قومی یکجہتی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار اور عالمی امن کے فروغ کا کام کیا ہے ۔بھارت میں مختلف مذہب کے ماننے والے رہتے ہیں ۔یہاں ہندو مذہب کے پیرو ہیں تو اسلام کے ماننے والے بھی ہیں اور عیسائی سکھ، بودھ اور بھی مذہب کے نام لیوا بھی ہیں ۔

اُردو شاعری میں تمام مذہب اور مذہبی رہنماؤں کو اعلٰی مرتبہ عطا کیا گیا ہے ۔محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ۔وہ محسن انسانیت ہیں ۔''رفعت اختر کے الفاظ میں'' جی ہیگٹر ڈیبنی سن، جارج برناڈ شا، تھا مس کار لائل ،جی ایل بیری ،میکس ملن ،ڈبلیواسکاٹ ،نپولین بوناپارٹ ،موہن داس کرم چند گاندھی، سردار گروت سنگھ، رابندر ناتھ ٹیگور جیسے دانشورران ،ویاس ،کبیر اور گرونانک جیسے مصلح قوم، پنڈت گوپال کرشن آر کے کرنجیا جیسے عظیم صحافی ،بنیی بارائن ،مالک رام ،انفریڈ ڈی لیمارٹن ،ایس بی پانڈے اور سوامی لکشمی پرساد جیسے ادیبوں نے رسول ﷺ کو مختلف پہلوؤں سے انسانی عظمت کا بہترین شاہکار اور بے مثال نمونہ قرار دیا ہے ۔یہ صحیح بھی ہے ۔انسانیت کی تاریخ میں حضرت محمد ﷺ کا نام سرفہرست آتا ہے ۵

حضرت محمد ﷺ سے عقیدت رکھنے والے مسلم شعراء کے کلام میں یہ عقیدت جابجا جھلکتی ہے مگر دوسرے مذہب کے شعراء بھی انہیں عظیم فلاسفر، رہنما اور انسانیت کے پوجاری کی شکل دیکھتے اور اپنی شاعر میں ان کا ذکر کرتے ہیں ۔اسی لئے کہتے ہیں کہ جب عقیدت اور فلسفہ آپس میں مل جائیں تو نفت گوئی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے ۔

''محمد احمد دانش'' بھارت کی گنگا جمنہ تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔مسلم شعراء کا ہندتیوہاروں جیسے ہولی ، دیوالی اور دسہرہ پرنظمیں کہنا ،حسرت موہانی کا کرشن جی کے کردار کی تعریف کرنا ،اقبال کا اپنی نظم میں رام چندر جی کو'چراغ ہدایت'' اور' امام ہند' جیسے القابات سے نوازنا اور ہندوشعراء کا عید بقرعید پرنظمیں کہنا اور بارگاہ رسالت میں عقیدت کے پھول نچھاور کرنا ہندوستانی یکجہتی کے بیںّ ثبوت اور روشن دالائل ہیں ۔ بھارت میں بسنے والے دیگر مذہب کے افراد نے شعر گوئی کی رُغبت اختیار رکی تو مدح رسولﷺ کے ایسے بے مثال جوہر دکھائے کہ بے ساختہ ان کی وابستگی اورنسبت پرستی پرداد دینے کو جی چاہتا ہے ۔٦؎

اگراُردو کے غیرمسلم نعت گوشعراء کی فہرست تیار کی جائے تو ایک عظیم ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی پھر بھی چند اہم ناموں کا ذکر تو کیا ہی جا سکتا ہے ۔لالہ لچھمی نارائن شفیق ،راجیشور راؤ اصغرؔ،راجہ ماکھن لال ماکھنؔ ،راگھویندر راؤ جزب ،مہاراجہ چندولال شاداںؔ ،مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ ،منوہر لالا بہارؔ، بہادری لال رمز،دتوّ رام کوثریؔ، فراق گورکھپوری ،تلوک چند محرؔو،جگن ناتھ آزاد، پنڈت برج نارائن چکبستؔ ،رتن ناتھ سرشارؔ، دیاشنکرنسیم ، جالندھریؔ ہرگوپال تفتہ ، پنڈت رام ناتھ وغیرہ کچھ ایسے نام ہیں جنھوں نے نعتیں لکھی ہیں ۔کچھ شعراءایسے بھی ہیں جن کی غزلوں میں کم ازکم ایک شعرضرور ہی حضور کی تعریف میں ہوا کرتا تھا۔''مولانا سعید اکبرآبادی'' اس ضمن میں لکھتے ہیں ۔

''مسلمانوں کے علاوہ نیک دل ہندوحضرات نے بھی حضور کی شان میں کثرت سے نعتے لکھی ہیں ۔جس طرح محسنؔ کاکوری اور مضطرؔ خیرہ آبادی نعت گوئی میں خاص شہرت رکھتے ہیں ۔اسی طرح ہندؤں اورسکھوں بعض شعراء نے وصنف میں کمال حاصل کیا ہے۔''

''سید یونس شاہ'' کا کہنا ہے کہ -۔ ہندؤں اور سکھوں نے آلہ حضرت کے بارے میں ایسے ہی محبت افروز بات کولباسِ شعر پہنایا ہے ۔جیسے خود مسلمانوں کے سینوں میں موجزن تھےاور ہیں ۔

اگر ایسا کلام نام کے بغیر شائع کر دیا جائے تو مسلم اور غیر مسلم کے جزبات میں فرق کرنا مشکل ہو جائے۔

تلوچند محروم:۔

واہ! اے نشاہد کماں آبرو
کس ادا سے تنا ہوا ہے تو
خود نمائی بھی ہے ادا بھی ہے
اس پر بھی کاہشِ حیا بھی ہے
بزم بالا میں خلوت آرائی
ہے سزاوار تجھ کو ناز و غرور
کھینچ بے شک تو اپنے آپ کو دور
سارا عالم ہے تیرا شیدائی
سب کو دیکھا ترا تماشائی
چشم بد دور کیا نزاکت ہے!
تجھ پہ بار نظر بھی آفت ہے
یوں آیا ہے شفق کے دامن میں
جیسے بہہ رو ہنو کوئی گلشن میں

جگن ناتھ آزاد نے حضور کی خدمت میں سلام پیش کیا ہے:۔

سلام اس ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں، دنیائے انساں پر
رہا جو بے کسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا

سلام اس پر، جولائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں، اس پر دعائیں دیں

پنڈت ہری چند اخترؔ نے محمد ﷺ عربی کو انسانیت کا نام اونچا کرنے والا قرار دیتے ہوئے کہا:۔

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
ادمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
کہہ دیا ''لاتقنطو'' اخترؔ کسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محو تماشہ کر دیا

اور اس طرح چندر پرکاش جوہرؔ بجنوری محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ محمد ﷺ کی نظر عنایت سب کے لئے ہے۔ پنڈت بال مکند عرشؔ ملسیانی کے نعتیہ کالام کا مجموعہ ''آہنگ حجاز'' شائع ہو چکا ہے۔ وہ عزاب وثواب کے حساس کتاب سے بے نیاز محمد ﷺ کے سامنے دل کھول کر رکھ دینے کے حامی ہیں۔ کہی غیر مسلم شعراء کا جزبہ ہمیں اس میں دیکھنے کو ملتا ہیں۔ اور آخر میں رویندر جین کا ایک شعر درج ہے جس میں وہ محسن انسانیت کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں:۔

آپ تکمیلِ مساوات، امین وصادق
آپ ہیں افضل الانساں رسول اکرم ﷺ

''اُردو شاعری میں شری رام'':۔اُردو میں رامائن کے تراجم دستیاب ہیں۔منشی جگن ناتھ خوسترؔ، منشی شنکر دیال فرحتؔ، اقبال ورما، منشی داور کا رپرساد افقؔ اور رام سہائے تمناؔ کے رامائن کے

تراجم مشہور ہیں۔اُردو کے جن شعراء نے رام کے کردار،ان کی شخصیت اور رامائن کے واقعات پر نظمیں لکھی ہیں ان میں بابوگرونارائن کی، سیتا سوئمبر۔مکندلال خوشدل کی ''لکشمی پرشوتم مکالمہ''۔ ظفرعلی خاں کی ایک رِشی کے داغ جگر کی کہانی رجہ دشرتھ کی زبانی'' سرور جہاں آبادی کی ''سیتا کا اصرار''ملوک چندمحرومؔ کی ''سیتاہرن'' جگت موہن رواںؔ کی ''تارا کی فریاد''نظمیں مشہور ہیں۔رام کی شخصیت اور رامائن کے اہم واقعات کواردوشاعری میں پیش کیا گیا ہے۔ساغرنظامی رام،نظم میں رام کوعقیدت کے پھول پیش کرتے ہیں:۔منشی تلوک چندمحرومؔ''نیرنگ معانی''،نظم میں کہتے ہیں کہ رام کے نام سے من کوشانتی ملتی ہے۔''رام چرت'' پڑھنے سے بھکتی کاانمول خزانہ حاصل ہوتا ہے۔

ڈاکٹرسرمحمداقبال کی ''بانگ دار'' میں ایک نظم بہ عنوان رام شامل ہے۔ابتدامیں بھارت دیش کا گُن گان کیا گیاہے۔پھروہ رام کی عظمت کوسلام کرتے ہیں۔

اُردو کےقصیدوں کی طرز پراقبال نے شری رام کی مدح میں نظم لکھی اسی لئے وہ رام کوتلوار کا دھنی کہہ گئے۔جبکہ رام تیرکمان کے دھنی تھے۔جوبھی ہو،اقبال اسلامی شاعر کہے جاتے ہیں۔پھربھی انھوں نے رام کی عظمت کااعتراف کیاہے،ہندومذہب کے سادھوسنتوں اور مذہب پرنظمیں لکھنے کی شروعات اقبال ہی نے کی۔سبھی شعراء نے اپنے اپنے کلام کے زریے دیوتا سوئمر،کیکئی اورشرتھ، کوشلیا کی آہ وزاری،سیتا کا اصرار،بن کوروانگی میں شری رام کی شخصیت کو بڑی ہی خوبی کے ساتھ بیان کیاہیں۔

''اُردوشاعری اور ہولی'' بھارت مختلف مذاہب کے ماننے والوں اورمختلف زبان بولنے والوں کا ملک ہے یہاں کے رہنے والے چاہے کسی مذہب کو مانتے ہوں چاہے کوئی بھی زبان بولتے ہوں،قومیت ان کی ایک ہے یہ سب بھارتیہ ہیں،یہ سب ہندوستانی ہیں۔ہولی ہندومذہب کا ایک اہم تیوہار ہے۔باقرعلی داستاں گونے لکھاہے''ہولی،ہندوؤں کابڑاقدیم تیوہار ہے۔اس میں زات

پات کی تعریف نہیں کی جاتی ۔ پرانی دشمنی بھی دوستی میں بدل جاتی ہے ۔عورت مرد،سب ملکر اسے مناتے ہیں ۔مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد بھی بادشاہ سےلیکر فقیر تک،سب نے اس متبرک تیوہار کو بڑی دھوم دھام سے منایا ہے۔ ہولی جب آتی ہے تب دل کی کلی کھِل کھِل جاتی ہے۔ کیونکہ ہولی ،ملن کا تیوہار ہے۔ دوستوں سے میل ملاپ کا بدلتے ہوئے موسم کے استقبال کا تیواہار ہے۔

امیر خسروؔ کے بعد کسی شاعر کے کلام میں ہندوستان کا سچا عکس نظر آتا ہےتو وہ نظیرا کبرآبادی کی شاعری ہے۔ وہ عیداور ہولی میں ایک جیسی خوشی محسوس کرتے تھے۔ان کی نظر میں ہولی ،مشترکہ سماج جہاتیوہار تھا اسی لئے تو ہولی کے ہر رنگ، ہر پہلو پران کی نگاہ رہی ہے۔ان کی شاعری سے ہولی کے رنگ کیا خوب عیاں ہوتے ہیں! ہولی کے دن بادل ،بجلی ،ہواسب مسحور ہوکر ماحول کا ایک حصہّ بن جاتے ہیں۔

جو گھر کے ابر بھی اس مزے میں آتا ہے
تو بادلوں میں وہ کیا کیا ہی رنگ لاتا ہے
خوشی سے رعد بھی ڈھولک کے گیت گاتا ہے
ہوا کو ہولیاں گا گا کے کیا سناتا ہے

نظیرا کبرآبادی نے ہولی پر تقریبان دس نظمیں لکھی ہیں۔قلی قطب شاہ نے اپنی ایک نظم میں ہولی کی سرمستی کا بیان کیا ہے کہ ہولی آتی ہے تو تینوں لوک میں خوشیاں چھا جاتی ہیں۔

وسنت کھیلیں عشق کی آ پیارا
تمہیں میں چاند، میں ہوں جو ستارا
جوبن کے حوض خانے میں رنگ مدن بھر

سوں روم روم چکریاں لائے دھارا
نبی صدقے بسنت کھیلیا قطب شاہ
رنگیلا ہور ہیا ترلوک سیارا

میر تقی میرؔ ہولی کے جشن پر ہولی کی شادیوں (خوشیوں) کا ذکر کرتے ہیں۔

آؤ ساقی شراب نوش کریں　　شور سا ہے جہاں میں گوش کریں
قمقمے جو غلاں کے مارے　　مہوشان لالہ رخ ہوئے سارے
خوان بھر بھر عبیر لاتے ہیں　　گل کی پتی مِلا اڑاتے ہیں
جشن نوروزِ ہند ہولی ہے　　راگ ورنگ اور ہولی ٹھٹھولی ہے
آؤ ساقی بہار پھر آئی　　ہولی میں کتنی خوشیاں لائی

ہولی کے ہر رنگ کا نقشہ نظیر اکبر آبادی نے بڑی خوبصورتی سے کھینچا ہے۔

ہر تھال گلابوں کے، خوش رنگت کی گل کاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں داگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسری سی کیاری ہے
کچھ کودے ہیں کچھ اچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ لکھتے ہیں
یہ طور یہ نفشہ عشرت کا، ہر آن بنایا ہولی نے

حسینوں کی اٹکھلیاں:۔ رنگ اور گلال اڑ رہے ہیں، پچکاریاں چل رہی ہیں ایسے میں ان حسیناؤں کو تن بدن کا ہوش ہے نہ سنگار کا، سجنے سنورنے کا وقت بھی نہیں ہے جوش حسیناؤں کی وار فتگی شوقؔ اس شعر میں واضح کرتے ہیں:۔

آرائشوں کی فکر نہ زیبائشوں کا ہوش
وارفتگی لالہ رخاں دیدنی ہے آج

ہولی اور برہا (ہجر):۔ مقصود بارہ ماسہ میں ایک برِہنی کے احساس سات کو کچھ یوں زباں دیتے ہیں:۔

لگا پھاگن مچی ہوری دو عالم
ہزار افسوس ہے پردیش بالم
پیا س پھاگ کھیلیں نارتاں سب
اڑاویں رنگ اور پچکاربان سب
وہیں شرابور سب کی چولیاں بھی
عبیر گلال بھر بھر جھولیاں بھی
کوئی گاوے سٹی کوئی بجاوے
پیا بن آہ! مجھ کو نہ کچھ بھاوے
اری سکھیو! مبارک ہار تم کو
دیئے اچھے خدا نے پھاگ تم کو
کہیں دل میں سب مجھ کو روانی
چلی یہ ہاتھ سے فصل جونی
سکھی سب ڈھاک پھولے انبوا بورے
پیا اب تک نہ مورے آہ! بہورے
پیا کے غم میں ساری گئی سوکھ
مرے جوبن کی پھلواری گئی سوکھ

وہابؔ نے بھی برہا کی داستان بیان کی ہے۔ جہاں جدائی میں دکھ سے چھاتی جلتی ہے، تن میں آگ لگتی ہے۔

سبھی ہل مل کے کھیلیں پھاگ ہوری
لئے بھر بھر سکھی ابرا کی جھوری
سبھوں کو گیت تنگ اب لاگ بھاوئے
مرے تن کو تو ہوری سلے جالاوے
سکھی ہل مل کے جو ہوری کو گاویں
مرے بیراگ سوں چھاتی جلاویں
سکھی ری! جگ میں نا یہ پھاگ ہے گا
ہمارے جیو کا بیراگ ہے گا
نہ جانوں آگ جب ہوری پڑے گا گی
بچاری جیو کو تب کیا گرے گی؟

افضل بکٹ کہانی'' میں پرہن کے درد کا بیان کرتے ہیں:۔

لئے ہاتھوں میں پچکاری پھرت ہیں
عبیرا پنے پیا کے مکھ پہ ملت ہیں
سبھی ہنس ہنس کے پی کے سنگ بولیں
خوشی خوشی پیا کے سنگ جھولیں
تمام رات ناچیں دن کو گائیں
شکل سب نار پی کے من کو بھائیں
اجی یہ دیکھ کر ہنگامہ ہولی
میرے جی پر قیامت آج ہولی

مسلمان حکمراں اور ہولی:۔مغل اگر چہ ہندوستان میں باہر سے آئے تھے مگر جب یہاں انھوں نے اپنی حکمت قائم کی تو ہندوستانی رعایا کے مفاد کا پورا خیال رکھا۔ باہر اور ہمایوں کا تمام عرصہ حکمت، حکمت کی بنیادیں مضبوط کرنے میں صرف ہوا۔اکبر نے تخت پر بیٹھتے ہی ہندو مسلم یکجہتی کے لئے کوشش شروع کردیں۔اکبر کے حرم میں راج پوت بیگیمں تھی۔وہ ہولی کے دن اُسے محل میں بلا کر رنگوں سے شرابور کر دیتی تھی۔اکبر بھی گلاب پاش میں رنگ ملا کران کے ساتھ رنگ کھیلتا تھا۔جہانگیر کی سوانح حیات تو ''زکِ جہانگیری''میں خوداس کے محل میں ہولی کھیلے جانے کا ذکر ملتا ہےلندن کے کتب خانہ میں ایسی تصاویر محفوظ ہیں جن میں جہانگیر کونور جہاں اور دوسری بیگمات کے ساتھ ہولی کھیلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔شاہجہاں کے دورِحکومت میں ہولی نہایت زور وشور سے منائی جاتی تھی۔اوررنگ زیب خود ہولی نہیں کھیلتا تھا مگر شاہ عالم اور شاہ جہاں ہولی میں رعایا کا ساتھ دیتے تھے۔بہادر شاہ ظفؔر اردو کے ساتھ ساتھ برج بھاشا میں''شوخ رنگ''تخلّص سے نظمیں کہتے تھے ان کی ذیل میں لکھی ہوی آج بھی گاؤں میں بڑے شوق سے گائی جاتی ہے:۔

کیوں مو پہ ماری رنگ کی پچکاری

بھاگ سکوں میں کیسے موسو بھاگ نہیں جات

بہت دنن میں ہاتھ لگے ہو کیسے جانے دوں؟

آج پھگوا تو سوں کا تھا پک پکڑلوں

نواب آصف الدولہ کی ہولی کا بیان میؔر نے اپنی مثنوی''دربیانِ ہولی''میں کیا ہے۔

ہولی کھیلا آصف الدولہ وزیر

رنگ محبت سے عجب ہیں خورد و پیر

دستہ دستہ رنگ میں بھیگے جواں

جیسے گلدستے تھے جودن پرراواں

زعفرانی رنگ سے رنگیں لباس

عطر مالی سے سبھوں میں گل کی باس

رنگ افشانی سے پڑتی ہے پھوار

رنگ یاراں تھا مگر ابر نہار

قمقمے جو مارتے بھر کر گلال

جس کے لگیا آن کر پھر منہ ہے لال

برگ گل ملواں اڑتے تھے عبیر

تھی ہوا میں گدرتا چرخ اثیر

ہاتھی آئے کوہ پیکر کیا بنے

جیسے مد ماتے جوان ہوں ان میں

گرانی میں سب کی جو آئی ہے ہولی

نیا سوانگ میں سوانگ لائی ہے ہولی

نہ پوری کچھوری نہ آلو نہ اروی

وہائی ہے ہولی، دہائی ہے ہولی

جلاتا تھا جس طرح سوکھے نے ہم کو

اسی طرح ہم نے چلائی ہے ہولی

گرانی پہلے سے پھری تھی جھاڑو

مگر پھانکنے خاک آئی ہے ہولی

یہ کیوں آئی؟ کیا بوکھلائی ہولی

میر جعفر علی افسوسؔ نے بھی ہولی پر ایک مثنوی ''بہارِ سخن'' لکھی ہے، جس میں آصف الدولہ کی ہولی کا ذکر ہے:۔

وزیر زماں آصف نامرار
چمن زار میں کھیلتا دھمار
ہر اک جا ہر طرف بجتے ہیں دف والوں کی صف
ہر اک سمت ہے سوانگ والوں کی صف

حب الوطنی، قومی یکجہتی اور ہولی :۔ ہولی کے تیوہار پر لکھی گئی تخلیقات میں صرف تفریح ہی کا نہیں، اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ اس کے زریعے جب الوطنی کے جزبات کا اظہار اور قومی یکجہتی کو فروغ ملے غریبوں کی ہولی غریب کے سامنے جو مسائل ہوتے ہیں ان کی کسک اسے کھل کر خوشیاں منانے نہیں دیتی۔ اُدھر ہولی جل رہی ہوتی ہے ادھر غریب کا دل جلتا ہے ۔احمد علی شوقؔ قدوائی نے بہت ہی پر اثر الفاظ میں مہنگائی کے زمانے کی ہولی کی تصویر کھینچی ہے۔

گرانی میں اب کی جو آئی ہے ہولی
نیا اسوانگ میں سوانگ رائی ہے ہولی
نہ پوری کچوری نہ آلو نہ اُروی
دہائی ہے ہولی، وہائی ہے ہولی
جلایا تھا جس طرح ہم نے جلائی ہے ہولی
گرانی نے پہلے سے پھیری تھی جھاڑو
مگر پھانکنے خاک آئی ہے ہولی
یہ کیوں آئی؟ کیا بوکھلائی ہے ہولی

ہولی کا پیغام۔ہولی پریم کے اور پیار کے رنگوں کا تیوہار ہے۔نزیر بنارسی ان رنگوں سے زندگی کی تصویر میں رنگ بھرنے کا پیغام دیتے ہیں۔

اُتارو اک برس اک خمار ہولی میں
گلے میں ڈال دو بانہوں کا ہار ہولی میں
ملو گلے سے گلے، بار بار ہولی میں

اُردو شاعری اور گرونا نک۔سکھ مذہب کے پیشوا گرونا نک مسلمانوں میں بے حد مقبول تھے۔ وہ پنجاب میں بابا نانک مسلمانوں میں بے حد مقبول تھے۔وہ پنجاب میں بابا نانک شاہ فقیر اور ''اور ہند کا گرو مسلمان کا پیر'' نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔مسلمان شعراء اور ادیبوں نے ہر مذہب کے پیشواؤں کو عقیدت کے پھول پیش کئے اور اس طرح اپنی فراخ دلی اور مذہبی ہم آہنگی کا ثبوت دیا ہے۔اُردو میں نثر و نظم دونوں میں گرونانک جی کی حیات، خدمت و پیام کو جگہ دی گئی ہے۔

اُردو شاعری میں گرونانک جی کو جس طرح پیش کیا گیا ہے اس کی ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں۔نظیر اکبر آبادی اپنی نظم ''نانک شاہ گرو'' میں نانک جی کے سامنے عقیدت سے سر جھکانے کئے لئے کہتے ہیں۔

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں، وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں، یوں روشن جیسے ماگرو
مقصود و مراد سبھی، برلاتے ہیں دل خواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرواہ گرو
اس بخشش کے، اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہردم ان سے دھیان لگا، امید کرم کی کرتے ہیں
وہ ان پر لطف وعنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انوں کے بھرتے ہیں
انذ عنایت کرتے ہیں، سب من کی چنتا ہرتے ہیں
اس بخش کے، اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہردم بولو واہ گرو

اقبال نے اپنی نظم 'نانک' میں انھیں مکمل انسان کے خطاب سے فراز کر انھیں دل ودماغ کو سکون بخشنے والا کہا ہے۔اور پنجاب کے اس فقیر نے ہندوستانیوں کو جگانے کا جو کام کیا ہے اس کے لیے انھیں دل کھول کر سراہا ہے۔

بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اِک مرد کامل نے جگایا خواب سے

مہدی نظمی نے گرونانک کی حیات کو ''نزرنانک'' عنوان سے قلمبند کیا۔ان کی زندگی کے تقریباً تمام اہم واقعات کو اس میں اکیجا کیا گیا ہے۔

''پیام نانک'، مہدی نظمی کی دوسری نظم ہے جس میں ''گرونانک بانی'' کا بیان ہے
تاریخ دن مہینہ موسم وہ کونسا تھا
جب قدرت خدا نے کی کائنات پیدا
تاریخ جانتے تو پنڈت بغور لکھتے

پُران میں جہاں کی خلقت کا دور لکھتے

خلقت ہوئی تھی کس دن جوگی بھی بے خبر ہے

قران پاک چپ ہے، قاضی بھی بے خبر ہے

کیا جانوں حمد باری کیسے کروں زباں سے

توصیف کبریا کی، ہوا ابتدا کہاں سے

ہے کون جو کہ وقت خلقت کو جانتا ہے

اللہ ہی ہے جو اپنی قدرت کو جانتا ہے

خواجہ دل محمد نے ''جپ جی'' اور ''سکھ منی صاحب'' کا منظوم ترجمہ اردو میں کیا ہے اس میں اردو کے ساتھ اصل گرمکھی عبارت بھی لکھی ہوئی ہے جس کے تعلق سے دل محمد کہتے ہیں:۔

میں نے اس پاک کلام کو آسان زبان میں نظم کر کے اصل ترجمہ آمنے سامنے لکھ دیئے ہیں تا کہ مطالعہ کرتے وقت دِقّت نہ ہو معنی فوراً سمجھ میں آ جائیں۔

اُردو شاعری میں عید کی مٹھاس:۔ رمضان کا مہینہ تمام مہینوں میں سے افضل ہے۔ایک ماہ کے روزوں اور عبادت کے بعد مسلمانوں کو عید کا تحفہ ملتا ہے۔اردو کے شعراء نے عید کے تیوہار کو مختلف انداز سے دیکھتے ہوئے اس کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی ہیں۔

ہلال عید:۔مشتاق حیدرآبادی اس تحفہ کی بابت کہتے ہیں۔

عید کا چند روشنی کی برات　　عید کا چاند زندگی کا شباب

عید رمضان ہے تحفۂ ربی　　عید کا چاند حسن، عشق، خواب

عید کا چاند خوشیوں کا پیغام لے کر آتا ہے۔دل کو سکون عطا کرتا ہے

تلوک چند محرم ''ہلال عید'' نظم میں چاند کی خوبصورتی کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

واہ! اے شاہد کمال آبرو
کس ادا سے تنا ہوا ہے تو
خودنمائی بھی ہے ادا بھی ہے
اس پر بھی کاہشِ حیا بھی ہے

اس طرح کئی شاعروں نے عید کی مسائل کو اپنے اپنے انداز سے پیش کیا ہے ۔سیماب اکبرآبادی کے درج ذیل اشعار کے مطابق عید کا تیوہار دکھاوے کا نمائش کا تیوہار بن کر رہ گیا ہے۔

عید میں روحانیت باقی کہاں ہے؟ اب تو عید
رحمت سرمایہ داری کی غلط تقلید ہے
پر ہے اعلان غرورِ شخصیت یا عید ہے۔

ہمیں اس غلط روایت کو توڑ کر عید کی عظمت کو بحال کرنا ہے سچے مومن کی طرح روزے رکھ کر اور عبادت کر کے عید منانا ہے۔ بانوسرتاج نے اپنی تحقیق نگاری کے زریعے اُردو شاعری میں شری کرشن کا کیا مرتبہ ہے اس کا بیان بھی تحقیق کے رائے کیا اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کی شری کرشن کی اہمیت سبھی مذہب میں اعزت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔اور ہر مذہب کے لوگ یہا تک کے شاعر بھی اپنے قلم زریے ان کی اہمیت کو واضحہ کرتے ہیں۔

اردو شعراء نے اپنے نظم کے زریعے شری کرشن کے بچپن سے لے کر ان کی پوری زندگی کے ہر پہلوں کو اپنی نظموں میں پیش کیا ہے ۔جس میں نظیر اکبرآبادی ، سیماب اکبرآبادی ، اثر لکھنوئی ، ڈاکٹر شباب للتؔ، تلوک چند محرومؔ، جوش ملیح آبادی کے نام قابلِ تعریف ہیں۔

اُردو کی عیسائی شاعری:۔ بانوسرتاج نے اپنی تحقیقی مطالعہ کے زریے یہ بتانے کی کوشش کی ہیں کی اردو میں عیسائی شاعر بھی رہے انہوں نے بھی اپنے قلم کے زریعے اردو کی خدمت کی مگران

شعراؤں کووہ مقام حاصل نہیں ہوسکا جودوسرے شعراؤں کوحاصل ہوا۔اس کی ایک وجوہات یہاںبھی رہی کی عیسائی شاعروں کوکوئی اُردوسیکھانے والانہیں ملا۔دوسرامنفی پہلوعیسائی شاعروں کے مشہور ومقبول نہ ہونے کا یہ تھا کہ ان کی شاعری میں تنوع اور نیاپن نہیں آسکا۔بانوسرتاج کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ چندعیسائی شعراءاوران کے کلام سے واقف کرسکے۔جیسے کی عیسیٰ چرن صدؔالکھنوی،پادری ۔اے ۔آربلی شؔفالکھنوی،ڈی ۔اے ۔ہیریسن قربانؔ ،ایم ۔ایم ۔فلپ میکؔ اجمیری،جنرل اسمتھؔ ،ممتازمسیحؔ ملکہ جان ملکہؔ،جوزف مانوک عاشؔق ،ای ۔ایم ۔فاکس خستہؔ بریلوی وغیرہ شعراؤں نے اپنے اپنے کلام سےاردوشاعری کو مالہ مال کیا:۔

بانوسرتاج نے’’اُردوشاعری میں دیوالی کی جگمگاہٹ‘‘ کو بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا اورشاعروں کی ان کے کلام سے دیوالی کی اہمیت سے واضح کرایہ اور بتایہ کی اُردوشاعری میں صرف عشق ومحبت کےافسانے ،گل وبلبل کی داستانیں،کفن،جنازے کاذکر،شراب وشباب کی باتیں ہی نہیں۔زندگی کی ٹھوس سچائیاں اورتلخ حقائق بھی ہیں۔روحانیت ہے،اقدار ہےعلم ودین کی باتیں ہیں،حب الوطنی ہے بھائی چارہ ہے۔اردو کےشعراءنےقومی یکجہتی اورسیکولرزم کوشاعری کا موضوع بنایاہےتو محبت کے چندشعراءکےنام قابلِ تعریف ہیں۔نظیراکبرآبادی،سیماب اکبرآبادی نازش پرتاپ گڑھی،حامداللہ افسرمیرٹھی،مخمورؔسعیدی وغیرہ کے نام سرفہرست بانوسرتاج نے’’قومی یکجہتی اور اُردوشاعری‘‘ کےزریےبھی کئی شعراءسے ہمارا تعارف کرایہ ہیں۔اورقومی یکجہتی کی مثال کوپیش کیا ہیں۔دیگر مذاہب کے ماننے والے ہندوستان میں رہتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ہندوستان کی محبت ہےاس محبت نے سبھی ماننے والوں کوایک ساتھ باندھ کررکھاہے۔جن شاعروں نے اپنے کلام کےزریےاردوکی خدمت کی وہ ہیں۔

ڈاکٹرمحمداقبالؔ،اثرلکھنوی،جمیلؔ مظہری،فضاابن فیضیؔ،شوکت صباکیفیؔ وغیرہ کےنام قابلِ ذکر ہیں۔

اردو شاعری اور شریمد بھگوت گیتا۔ بانو سرتاج نے اپنی ان تحقیق میں بڑے ہی خوبصورت انداز سے پیش کیا اس میں انہوں نے اُردو شاعروں کے اپنے اکلام سے بھگوت گیتا کی اہمیت کو واضح کیا اس کی مثال ملنا نہ ممکن ہیں۔ اور جن شعراء نے اپنے کلام سے شریمد بھگوت گیتا کی اہمیت بتائی ہیں وہ ہے۔ ظفر علی خاں، شاداںؔ گوالیاری، نثار احمد فاروقی، منشی ہیرالال، کیفی دہلوی، منور لکھنوی، کیفی اعظمی وغیرہ کے نام قابلِ تعریف ہیں۔

شریمد بھگوت گیتا کو صرف ہندوصت کی مذہنی کتاب کہنا درست نہیں ہے۔ بقول نثار احمد فاروقی ''آج بھی ہر اس مسلمان عالم کے جو وسط ایشیا اور جنوب مغربی ایشیا میں اسلامی تصوف اور اسلامی فکر کی نشونما کا محققانہ مطالعہ کرنا چاہتا ہو بھگوت گیتا کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تلاش ہند'' میں لکھا ہے۔'' کئی ہزار سالوں سے گیتا کا پیغام ہمارے لئے مشغل راہ رہا ہے۔ ہم اس سے تحریک حاصل کرتے ہیں بے لوث عمل کی۔ یہ فلسفہ حیات اتنا ہی برمحل آج ہے جتنا اس وقت تھا جب اسے بیان کیا گیا۔'' اور واقعی یہ صحیح ہے۔

حواشی

ii

۱۔ رسائل شاعر، صفحہ نمبر ۳۰، مارچ ۲۰۱۴

۲۔ رسائل شاعر، صفحہ نمبر ۳۰، مارچ ۲۰۱۴

۳۔ رسائل شاعر، صفحہ نمبر ۳۰، مارچ ۲۰۱۴

iii

۱۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۶

۲۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۷

۳۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۷

۴۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۷

۵۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۸

۶۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۱۰

۷۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۱۰

۸۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۴

۹۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۵

۱۰۔ بچوں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے، حصہ سوّم، مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج سالِ اشاعت ۲۰۱۵ء؛ صفحہ نمبر ۹

۱۱۔ رسالہ، شاعر، مارچ ۲۰۱۴، صفحہ نمبر ۲۸۔۲۹

۱۲۔ رسالہ، شاعر، مارچ ۲۰۱۴، صفحہ نمبر ۲۸۔۲۹

۱۳۔ ''گھر واپسی کا طویل سفر'' ڈرامے مصنفہ، ڈاکٹر بانو سرتاج، سنِ اشاعت ۲۰۱۴، صفحہ نمبر ۹، ۱۰

v

۱۔ ادب ایک مطالعہ، مصنفہ ڈاکٹر بانو سرتاج، ص ۱۵ سنِ اشاعت ۲۰۱۵ء

۲۔ دب ایک مطالعہ، مصنفہ ڈاکٹر بانو سرتاج، ص ۱۵ سنِ اشاعت ۲۰۱۵ء

۳۔ ادبِ اطفال ایک مطالعہ، ڈاکٹر بانو سرتاج، ص ۱۰۱ سنِ اشاعت ۲۰۱۵ء

۴۔ مصنفہ ڈاکٹر بانو سرتاج، کتب۔ مآل، ص ۱۱، سنِ اشاعت ۲۰۰۷ء

۵۔ مصنفہ ڈاکٹر بانو سرتاج، اردو شاعری اور قومی یکجہتی، ص ۹ سنِ اشاعت ۲۰۰۴،

۶۔ ڈاکٹر بانو سرتاج، کتب اُردو شاعری اور قومی یکجہتی، ص نمبر ۱۰

باب چہارم

بانوسرتاج کی دیگر کاوشات

بانو سرتاج کی دیگر کاوشاوت

بانو سرتاج کی دیگر تصانیف تیرامنوں ہو (طنز ومزاح) خطرے کا الارام (طنز ومزاح)
ہندوستان کی مسلّم اوّل خواتین، ہندوستان کی جانباز خواتین، ہندوستان کی زنگِ آزادی میں خواتین
ماحول کے محافظ، ہندوستان کی اکتالیش اوّل خواتین، دُنیاں کارڑون اور کامکِ کیر یکڑس کی! اور
ہندوستان کی اکیاّون خواتین پر مشتمل کاوشات ہیں۔ کتاب تیرامنوں ہوں میں بانو سرتاج کی
عنوان کے تحت طنز ومزاح کے ذوہر بیکھرے ہیں۔ وہ اپنے پیش لفظ میں لکھتی ہیں۔ ہم بچےّ تھے تو
ہمیں بتایا گیا تھا کی کسی پر طنز کرنا اچھی بات نہیں کسی کے تیں دل میں رنجش ہو کسی کی زات پر غصہّ
آئے تب دشمنی پر کمر بستہ نہ ہو جاؤں دشمن پر طنز کے تیر نہ برساؤں وہ اپنی راہ جائے تم اپنی راہ چلو ہم
نے ایک سعادت مند بچےّ کی طرح یہ نصیحت گاٹھ بانھ لی تھی اب جب کہ نصیحت کرنے والے
بزروگ رہے نہیں۔ ہمیں اتراف کرنے میں عار نہیں کی نصیحت کی یہ گانٹھ کھل گئ ہے۔

اُردو میں طنز یہ ادب کو ادب ہی نہیں مانا جاتا ستم درستم کی عالامتی کہانیوں، آزاد غلوں نظموں
کو جھنڈے پر چڑھایا جاتا ہے۔ ''کنوئیں کا میڈک'' (طنز وطزاح) میں آج کی نئ نسل علم کو صرف
اپنی روزی روٹی کا زریہ سمجھتے ہیں۔ اور کافی حد تک صحی ہیں۔ بڑی بڑی ڈگر یہ صرف کمائی تک ہی رہ
گئی ہیں۔ اور علم کہی غائب سا ہوں گیا ہیں۔ بانوسرتاج نے اسے طنز کا نشانہ باناتے ہوئے سماج کو
سوچنے پر مضبور کیا ہیں۔ کی علم ہماری زندگی میں کیا معنی رکھتا ہیں۔ اور اس کا صحی استعمال کسے کرنا
چاہیے۔ وہی دوسری طرف ایک مزاحیہ انداز میں ''مُوچھیں'' کو پیش کرتے ہوئے بڑا ہی لطف آتا
ہیں۔ بانوسرتاج اس میں مونچھوں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔ کہ پورانے زمانے میں
زمینداروں، جاگیروں ٹھاکروں کا رعب مزدورں پر بنائے رکھنے میں مونچھیں اہم کردار نبھاتی
ہے۔ وہی دوسری طرف مزاحیہ کا بھی وجہہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح ''بڑے بے آبرو ہوکر'' ''کتےّ
''نسخہ بلڈ پریشر کا'' 'شکشک دین' 'چائے' جسے طنز ومزاح کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا

ہے۔ ’آ وپڑوسن جھگڑا کریں‘ کے عنوان سے ہی پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں عورتوں کی جھگڑے کی جو عادت ہوتی ہے بنا کسی بات پر اس کا بیان بانو سرتاج نے مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ’’ترامنوں ہوں‘‘ میں جو طلبہ پی ایچ ڈی کرتے ہیں ان کا حال کیا ہوتا ہے اور وہ کس مرحلہ سے گزرتے ہیں اس کا بھی بیان بانو سرتاج نے ایک طنز کے ساتھ کیا ہیں۔ ساتھ ہی ایک طلبہ کے دل کی حالت اور اس کے مقالہ کے زبردست الفاظ اس میں مزاحیہ کا لطف پیدا کرتے ہیں۔

’’خطرے کا الارام‘‘ (طنز و مزاح) جس میں بانو سرتاج نے طنز و مزاح کے زو ہر بیکھر یں ہیں۔ بری نظر والے تیرا منہ کالا ’سفر ایک رات کا ‘فیشن کے مارے کتے جسے بڑے ہی دلچسپ مزاحیہ پیش کے ہے۔ اور ان کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے معاشرے کو سوچنے پر مضبور تک کر دیتی ہیں۔ وہی دوسری طرف باوسرتاج ہنسی ہنسی میں بھی بہت کچھ کہہ جانے کا ہنر جانتی ہے۔ ان کا ایک طنز ’فیشن کے مارے‘‘ ’کتے‘ کتے مختلف آوازیں نکالنے پر قادر ہے تو ری مکس اور آئٹم سانگس میں فیشن کے مارے بھی خوف ناک آوازیں نکالتے اور سسکاریا لیتے ہیں۔ کتے اور فیشن کے ماروں میں کیا باتیں ایک جیسی ہیں۔ اور دونوں میں کیا فرق ہیں۔ بانو سرتاج نے اپنے طنز کے زریعے پیش کیا ہیں۔ ان کے اس طنز و مزاح پر غور کرے تو معلوم ہوتا ہیں کی واقعی بانو سرتاج نے اس طنز و مزاح کو کتنا بارقی سے سوچا اور اسے پیش کیا ہے۔ بانو سرتاج نے بتایہ ہیں کی ایک کتے اور انسان میں اب کوئی فرق نہیں رہا۔

کیا روسوا ہمیں شوق تصویر نے‘ ’ہائے مٹاپہ‘ ’دسمبر سیل‘ ’کرائے کا مکان وغیرہ جسے طنز و مزاح کو بانو سرتاج نے تصنیف کیا ہیں۔ دوسری طرف روخ کرے تو انہوں نے طنز و مزاح کے علاوہ ہندوستان میں خواتین کی کیا اہمیت ہیں انہوں نے ہندوستان کے لئے کیا کیا اور کہا تک پیش پیش رہی اس کو بھی اپنی تصانیف میں شامل کیا۔

'ہندوستان کی مسلم اوّل خواتین' کتاب میں نوایسی مسلم خواتین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے کسی نہ کسی میدان میں اوّل رہنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔مثلاً رضیہ سلطان تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں ان کا کوئی ثانی نہیں۔'فاطمہ بی بی' سپریم کورٹ کی اوّل خاتون جج ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔بیگم محسنہ قدوائی میدانِ سیاست کی اہم شخصیت ہیں۔ثانیہ مرز،شبنم آرا،وحیدہ پرسم،نزہت گال،فاطمہ بانو اوّل درجے کی خواتین بھی شامل ہیں۔ جسے پڑھ کر ہمیں اہم خواتین کو جاننے اور سمجھنے کا موقہ ملتا ہیں۔یہ بانو سرتاج کا ایک کمال فن ہیں۔ہندوستان کی ایک سوایک اوّل خواتین کا مسودہ تیار کرتے وقت بانو سرتاج کو ایک سوایک میں صرف یہی نومسلم خواتین ملی جنہوں نے کسی نہ کسی شعبے میں اوّلیت کا تاج اپنے سر پر سجایا ہے۔ یہ فہرست بہت کم ہے۔آخر میں بانو سرتاج نے مسلم لڑکیوں اور خواتین کو پیغام دیا ہیں کہ وہ اعلٰی تعلیم حاصل کریں،صوبائی سطح سے نکل کر قومی سطح پر اپنی شناخت بنائیں اس لئے بانو سرتاج نے یہ کوشش کی ہے ان ممتاز خواتین کا تعارف ہم سب تک پہچانے کی اور اپنی تصانیف کی شروعات اس شعر سے کرتی ہے۔

''تمارے قدم خود ہی چومے گی منزل
کئے جاؤ اپنا سفر دھیرے دھیرے

''ہندوتان کی جانباز خواتین' کتاب میں بانو سرتاج لکھتی ہیں کی آج کی عورت نشانہ بازی کے لئے بندوق چلا رہی ہے۔تیر کمان اٹھاتی ہے۔بدلتے وقت کے ساتھ خواتین ہر میدان میں اپنے زوہر دکھا رہی ہیں۔خطرناک جوکھم بھرے کھیلوں کا خواتین کے دائرہ میں آنا ملک کی نصف آبادی کی ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی نوید ہے۔بانو سرتاج نے اپنی اس کتاب میں ایسی خواتین کا ذکر کیا ہیں جس کی مثال ملنا بہت مشکل ہیں۔لندن اولمپک کا درخشا سیارہ 'میری کوم' ہمت واستقلال کی مثال ہیں۔

'خلائی مسافر' کلپنا چاولہ' 'سات سمندروں کی رانی بالا چوھری' ٹینس نسنی' ثانیہ مرزا' میڈل کوئین' کنجا رانی دیوی' باکمال تیراک' آرتی ساہا' تیراگام ایکپریس ،شائنی ولین وغیرہ کا ذکر ہمیں بانوسرتاج کی اس تصنف میں ملتا ہے۔

کھیلوں میں بھارت کوکل ۱۰۱ میڈل ملے جن میں ۳۰ گولڈ، ۲۷ سلور اور ۳۶ کانسے کی میڈل ہیں۔

خواتین کھلاڑیوں نے قابلِ ذکر تعداد میں میڈل حاصل کئے۔اس کتاب کے آخر میں بانوسرتاج اپنے خواہشات کا ازہار کچھ یوکرتی ہے۔

ان چراغوں کے لئے میرا بھی خوں لے جانا
آندھیوں سے لڑنے کا جن کو خیال آتا ہے۔

''ہندوستان کی جنگِ آزادی میں خواتین'' کتاب میں بانوسرتاج ہمیں ایسی خواتین سے روبرو کرواتی ہوئی نظر آتی ہیں جنھوں نے آزادی کے لئے اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہیں کی۔

ایک انگریز افسر ''ہڈسن'' نے مجاہدہ آزادی فرحت جہاں کی لگن اور خوشی کو دیکھ کر کہا تھا۔جس ملک کی عورتیں اتنی جانباز اور وفادار ہوں وہاں انگریزوں کی حکومت صرف چند غداروں کی نمک حرامی پر منحصر ہے۔بانوسرتاج نے اپنی تصانیف میں مہارانی جھودا،بیگم حضرت محل ،رانی لکشمی بائی ،بی بی امت السلام بیگم نشاطہ انساء،بیگم زلیخا،سروجنی ،رانی چینماّ،سہاسنی گنگوئی ،جمنا دیوی ،عزیزن بائی ، سشیلا دیوی جسے اعظیم خواتین کا زکر کیا ہیں۔آج کے اس جدید دور ہی میں عورتیں مرد کے شانہ بہ شانہ کام کر رہی ہیں۔تاریخ کے اس دور میں بھی وہ مردوں کے ساتھ رہی جب ہندوستانی آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔بانوسرتاج کا یہ مقصد ہیں کی وہ چاہتی ہیں کی نئی نسل

انھیں جان کر سمجھ کر ان کے کارناموں سے واقف ہو کر ان کی مثال سامنے رکھے اور ملک کے لئے جینا اور ملک لے لئے مرنا سیکھے۔

چڑھا کے پھول عقیدت کے ان کی یادوں کو
کہ جن کی ذات تھی وجہ حصول آزادی
خلوصِ دل سے سبھی کو یہ عہد کرتا ہے
پڑا جو وقت، لگادیں گے جاں کی بازی
بدلتے وقت کی قدروں کا یہ تقاضہ ہے
کہ ان کے کام سے واقف ہو یہ نئی نسلیں

بانوسرتاج کی ایک اور کتاب ہیں ۔جس میں انہوں نے اکتالس اوّل خواتین ذکر کیا ہیں جنھوں نے ترقی کی نئی راہے ہموار کی اور ملک ہندوستان میں اپنے اپنے ہنر سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔

تارابائی شندے یہ خواتین کے حقوق کے لئے لڑنے والی اوّل ادیبہ ہیں۔شریمتی چوکیلا ایرّ ۱۲ مارچ ۲۰۰۱ کو خارجہ سیکریڑی کا عہدہ سنبھالا اس اہم عہدے پر فائز ہونے والی وہ ہندوستان کی اوّل خاتون ہیں۔لیکن چند خواتین کے نام جو اوّل شرف رکھتی ہیں۔

شانئ وِلین، چوکیلا ایرّ، ہنسامہتا، میرانائر، نرویمارو، سائنانہوال، انوررادھاپال، بھانواٹھیا، سدھا چندرن، وِشاکھا ودیسائی غیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔''ہندوستان کی اکیاون اوّل خواتین'' کتاب میں بھی ان ہی جانی پہچانی خواتینوں کا ذکر ملتا ہیں۔

۲۸ صفحہ پر مشتمل کتاب ہیں۔جس میں بانوسرتاج زمانہ قدیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

علما فلسفی مذہبی رہنما ادیب عورتوں کے بارے میں اپنے تجربے ،اپنے مشاہدے اوراپنے علم سے مثبت اور معنی خیالات ظاہر کرتے ہیں ہندو پرُانوں میں کہا گیا ہے۔شراب کی تین قسمیں ہیں مگر سب سے زیادہ نشہ عورت میں ہے۔زہر کی سات اقسام ہیں۔مگر سب سے زیادہ زہریلی عورت ہے۔

رومن عورت کو محضہ جاندار سمجھتے تھے۔عرب میں اسلام کے ظہور سے قبل عورت جات سے نفرت کی جاتی تھی۔لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی انھیں زمین میں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔جیسی عالم اور فلسفی 'کنفیدشس' نے عورت کو ناپاک اور سبز قدم قرار دیا۔یونانی میں عورت کو شیطان کہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ سانپ کے کاٹے کا علاج ممکن ہے۔مگر عورت کے شر کا علاج ناممکن ہے۔عورت کو گناہوں کی بیٹی اور سلامتی کی دشمن ماننے والوں کی تعداد چاہے جتنی ہو عورت کی تعظیم کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضہؓ کا فرمان ہے۔نیک عورت سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی نعمت نہیں۔جرمن فلا سفر عورتوں کو خدا کا بے مثال تحفہ مانتا ہے۔تو روبندوناتھ ٹیگور مانتے ہیں۔کہ عورت جب تک زندہ رہتی ہے محبت اور ہمدردی کا سر چشمہ ہوتی ہے۔کتنی مثالیں دی جائیں کتنے اقوال پیش کئے جائے سچ تو یہ ہے کہ بیٹی ، بیوی ماں ہر روپ میں عورت عظیم ہے۔بانو سرتاج نے عورت کی تعریف اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے کئی خواتین کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہیں۔

بانو سرتاج نے ہر مسلہ پر اپنے قلم کے زوہر دیکھائے ہیں کی دیگر کاوشات کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا اس میں ایک اہم موضوع پر بھی اپنی گہری تصنیف کے زوہر دیکھائے ہیں۔وہ ادبِ اطفال ہیں انہوں نے ادبِ اطفال پر بہت کام کیا اور آج تک کر رہی ہیں۔

''دنیا کارٹون اور کامک کیریکٹرس کی!'' بانو سرتاج کی تصانیف ہے۔جسے بانو سرتاج نے ادبی جامع پہنایا ہیں۔ان کی اس کتاب میں کارٹون کی پوری دُنیا جیتی جاگتی نظر آتی ہیں۔مصنفہ نے

اس کتاب کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہیں ۔حصہ ّدوم میں پریوں کی کہانیاں ،تصویری کہانیاں ، کہانی کامکس کی ،کارٹون کی کہانی ،اینی میشن کی جادوئی دنیا، سائنس کیا ہے؟ جسے اپنی تصانیف میں شامل کئے ہیں۔

بانوسرتاج نے ’’کارٹون اور کامکِ کیر یکٹرس کا ذکر کیا ہے اس میں اسپائڈر مین (spiderman) کامکس ہیرو ہے۔اس کے پاس اسپائڈر مکڑی کی اسپڈ ہے ۔دیوار پر چپکنے کی قوّت ہے۔جالا بنا کر دشمنوں کو پھنسا لینے کا ہنر ہےاسی لئے اسےاسپائڈر مین کہاں جاتا ہے۔

’’گوفی والٹ ڈزنی کے مکّی ماوس یونیورس کا ایک نایاب کیریکٹرس ہے۔چاچا چودھری کی ٹیم کے ممبر بنّی چاچی،چھجوّ چودھری،تاؤجی،سالو،ٹنگو ماسٹر،فولادی سنگھ،ڈیگ ڈک ٹرک،راکا اورکویر سنگھ ہیں۔

شکتی مان، ہندوستانی ٹیلی وژن کا سپر ہیرو ہے۔ بیٹ مین (batman)اپنی عقل کے بل بوتے پر وہ مشکل سے مشکل مسلہ چٹکی بجاتے حل کر لیتا ہے۔الہ دین (alladin)مشہور زمانہ کا ایک کردار ہے۔موگلی (mogli) پر دودرجن سے زیادہ فلمیں اورآدھا درجن سے زیادہ کامکس شائع ہوئے ہے۔ٹام اینڈ جیری کی جوڑی نٹ کھٹ اورفنٹوش جوڈی ہے۔میسی کارٹون کیریکٹرمیسی ایک چوہا ہے۔جوجو (jojo) ڈزنی سرکس کا مقبول ترین کارٹون کیریکٹرس ہے۔جوجواپنے کرکدار کے زریعے باتوں باتوں میں کھیل کھیل میں بچوں کو پڑھائی کی طرف رغب کرتا ہے۔بانوسرتاج نے ایسے ہی کئی اورا کارٹون سے بھرے کردار کے نام سےہمیں واقف کرایہ ہیں۔

جسے:۔نوڈی دَلِٹل ٹوائے مین ٹارزن، ہرکیولس، پورکی پک،ٹام اینڈ جیری،جیکی چین وغیرہ کے نام قابلِ تعریف ہیں۔وہی دوسری طرف بانوسرتاج کی ایک اور کتاب’’اردوادبِ اطفال (نظم) میں سائنس‘ تصنیف کی جس میں بچوں کونظم اورنثر کے زریعے سائنس کیا ہے۔اوراس کی

ہماری زندگی میں کیا اہمیت ہیں۔

بتایا ہے۔مصنفہ اپنے پیش لفظ لکھتی ہیں۔سائنس انگریزی زبان کا لفظ ہے۔جو لاطینی زبان کے سائنٹا (scienta) لفظ سے ماخوذ ہے۔سائنس سے مراد علم ہے۔انسان ازل سے علم کی جستجوں کرتا رہا ہے۔

سائنس کیا کیا رنگ دکھاتیں

وہ سب ہو جو ہو نہ پائے

کئی شاعر اپنی نظم کے ذریعے سائنس اور اس کے کرامات کو نظم کے بند میں ڈھلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان میں نظام شمسی،عبدلاحد ساز اور ڈاکٹر مرزا حسن ناضؔر نے بے حد خوبصورت انداز میں سورج کے نو سّیاروں سے ادبِ اطفال کی پہچان کرائی۔

خان حسین عاقب نے اُوزون پر ایک اچھی نظم لکھی ہے۔جس میں اُوزن کو بچا کر اسے انمول تحفہ مانکر صحیح استعمال کرنے کی اپیل کی ہے۔امان الحق بالا پوری نے انٹرنیٹ کے بارے میں تھوڑے میں بھی بہت کچھ کہا ہیں۔

جس طرح گھر کا ہے رشتہ گیٹ سے

ربطہ دنیا کا ہے انٹرنیٹ سے

یہ کوئی جادو ہے اپنی طرز کا

ہے بچھا اک جال کمپیوٹر کا

ٹیلی وژن۔حیدر بیانی اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں۔

روز انوکھی بات بتائیں ٹی وی جی

جادو جیسا کھیل دکھائیں ٹی وی جی

دور کی چیزیں پاس میں لائی ٹی وی جی
دنیا بھر کی سیر کرائیں ٹی وی جی

بانو سرتاج کی لوک کہانیوں کی بات کرے تو وہ خود لکھتی ہیں ۔میں آج بھی لوک کہانیاں (اپنے ملک کی غیر ملکوں کی) پڑھتی اور جمع کرتی ہوں ۔انہیں مقامی رنگ دے کر تم تک پہنچاتی ہوں ۔پہلیاں بنانا، پہلیاں پوچھنا اور بوجھانا مجھے ہمیشہ سے مرغوب رہا ہے ۔میں آج بھی بچّوں سے بڑوں سے، بی ایڈ کے طلبہ سے پہلیاں پوچھتی رہتی ہوں بوجھو بچو! میں نے اپنے اندر کی بچّی کو آج بھی زندہ رکھا ہے ۔اوراسی بچّی نے مجھ سے یہ نئی نرالی کہانیاں لکھوائی ہیں جو میری سات برس کی تلاش اور چھان بین کا ثمرہ ہے ۔

ان کہانیوں میں دو خاص باتیں ہیں ۔یہ تمام کی تمام لوک کہانیاں یا حکایتیں ہیں اور دوسری بات تقریباً تمام کہانیاں پہلیوں پر مبنی ہیں ۔ساتھ ہی بانو سرتاج کا یہ بھی کہنا ہیں ایک راز کی بات سنو! میں نے پہلیاں بنانے ہی سے لکھنے کا آغاز کیا تھا ۔میری پہلی تخلیق (بچّوں کے لئے) دو پہلیاں ہی تھی ۔

بانو سرتاج پہلیوں کا آغاز اسی طرح کرتی ہیں ۔

سوال ۔ا ۔دو دوست تھے پہلے دوست نے دوسرے دوست سے ایک کتاب دو دِنوں کے لئے عاریتاً حاصل کی ۔وعدہ کیا کہ حفاظت سے واپس کرئے گا ۔دو روز بعد جب دوسرا دوست کتاب واپس لینے کے لئے ۔پہنچا تو پہلے نے کہہ دیا کتاب گم ہوگئی ۔"

پہلے دوست نے کتاب بھلے ہی نہ دی ہو، اس نے اپنے دوست کو ایک دوسری چیز ضرور دی ۔
بتاؤ کیا دیا؟

جواب۔۔دھوکا

سوال ۔۲۔ایک خاندان میں چھ بھائی بہن ہیں۔

پاشاہ سے چھوٹے دو بھائی ہیں اور تین چھوٹی بہنیں ہیں ۔دو بھائی بانو سے بڑے ہیں ۔دو بہنیں چھوٹی ہیں ۔ایک چھوٹا بھائی ہے ۔بابا سے ایک بہن چھوٹی ہے ۔بڑے دو بھائی ہیں ۔بہنیں دو بڑی ہیں ۔سرکار سے ایک بھائی بڑا ہے ۔تین چھوٹی بہنیں ہیں ۔ایک بہن بڑی ہے ۔دو بھائی بڑے ہیں اور ایک بہن چھوٹی ہے۔منّی سے بڑے تین بھائی ہیں ۔بڑی دو بہنیں ہیں ۔اس خاندان میں صرف ایک فرد ایسا ہے۔ جسے بڑے بھائی بھی ہیں چھوٹے بھائی بھی ،بڑی بہن بھی ہیں ،چھوٹی بہن بھی!

جواب۔۔بُوبُو

بانو سرتاج کی یہ دونوں پہلیاں ماہنامہ مسرّت (ایڈیٹر ضیاء الرحمٰن غوثی) کے ۱۹۶۸ء کے کسی شمارے میں شائع ہوئی تھی ۔بانو سرتاج کی لوکہانیوں کی مختصر سی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن کا ہم جائزہ لے گئے ۔جو انہوں نے بچوں کے لئے لکھی ۔''ایک کی گیارہ کہانیاں'' ۴۰ صفحہ پر مشتمل ہیں ۔جو کہ بانو سرتاج نے کئی عنوان کے تحت اسے لکھا اور پیش کیا۔ایک کٹوری بوندیں،ایک چیز،ایک لاجواب ثبوت،کھوج لیا ہیروں کا ایک ہار،ایک فکر فضول کی،ایک انوکھے تاج کی کہانی،ایک اٹ پٹا قانون، ایک مونگ پھلی کے وزن کا کمال،ایک جادوگر مہمان،ایک نرالی شرطہ،دادا پوتی کا ایک ایک جھوٹ قابلِ تعریف کہانیاں ہیں ۔جہاں ہم چند کہانیوں کا جائزہ لے گئے ۔

''ایک کٹوری بوندیں''راجہ مہیپ سنگھ کے پردھان منتری کوتک پال ذہن حاضر جواب اور نہایت شگفتہ مزاح شخص تھے ۔راجہ ان کی صحبت میں خوش رہتے ان کی صلاحیتوں کی بناء پر ان کی قدر کرتے دوسرے وزیر اس بات پر جلتے کڑھتے کہ راجہ انہیں سب پر فوقیت دیتے ہیں ۔وہ اعتراض

کرتے تو راجہ ہنس کر ٹال دیتے ۔ایک روز دربار میں اس سال ہونے والی بارش اور فصلوں کی حالت کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔کوتُک پال نے کہا''مہاراج !اس سال بارش اطمینان بخش ہوئی ہے۔کھیتوں میں چہار سو فصلیں لہلہا رہی ہیں۔''ایک وزیر جوان سے سب سے زیادہ پرخاش رکھتے تھے۔فوراً بول اٹھے: گول مول باتیں نہ کیجیے سیدھے سیدھے مہاراج کو بتائے اس سال کتنی بارش ہوئی اور ہماری ریاست کو پانی کی کتنی بوندیں ملی؟

راجہ نے سوچا یہی وقت ہے۔وزیر سارنگ دیو کو تُک پال کی ذہانت سے واقف کرانے کا۔ انہوں نے تُک پال سے کہا: سارنگ دیو صحیح کہتے ہیں صحیح صحیح حساب دیجئے۔''

''جو آپ کا حکم !مگر جواب دینے کے لئے مجھے ایک مدد گار اور پندرہ روز کا وقت دیجئے۔''راجہ نے وقت دے دیا۔مدد گار بھی دینے کا وعدہ کیا۔کوتُک پال نے گھر پہنچ کر ضروری تیاری کی اور دوسرے روز علی الصبح گھوڑے پر سوار ہو کر نکل گئے۔وہ ریاست کی ہر جھیل، ہر تالاب پر گئے اور وہاں کے نگہبان افسروں سے معلومات حاصل کی کہ بارش کا موسم شروع ہونے سے پہلے کتنا پانی تھا اور بارش کے بعد کتنا بڑھ گیا۔سوھلویں روز وہ ایک موٹا سا بہی کھاتا سمبھالے دربار میں حاضر ہو گئے۔۔۔راجہ کو تعظیم دے کر کہا۔آپ کے حکم کے مطابق اعداد و شمار لے کر حاضر ہوا ہوں آپ نے مدد گار دینے کا وعدہ کیا تھا۔اس کی مجھے اب ضرورت ہے۔''

''ضرور! راجہ نے کہا:۔آپ ہی کسی کا انتخاب کر لیجئے۔''دوست سارنگ دیو ہی کو میں زحمت دوں گا۔

سارنگ جی یہاں میرے نزدیک آجایئے۔۔اور مہاراج ایک کٹوری منگوا دیجئے۔

کٹوری آئی تو کوتک پال نے سارنگ دیو کو بلا کر اپنے نزدیک کھڑا کر لیا اور کٹوری ان کے

ہاتھ میں دے دی۔ بولے میں گلاس سے ایک ایک بوند پانی کٹوری میں ڈال رہاہوں آپ گنتے جایئے اور بتایئے کہ کتنی بوندوں میں کٹوری بھر جاتی ہے۔'' سارنگ دیودل ہی دل میں خاک ہوگئے مگر مجبوراًانہیں کٹوری تھامنی پڑی ۳۴۸ بوندوں میں کٹوری بھرگئی۔

کوتک پال نے طویل سانس لے کہا: ۔مہاراج! میرا کام ختم ہوا۔اب میرامددگار باقی کام کرے گا۔میں نے تحقیقات کر لی ہے۔ ہمارے راجیہ میں ایک ندی، پانچ جھیلیں اور دوسواٹھارہ تالاب ہیں۔سروے کے مطابق مانسون کے دوران ندی،تالابوں اورجھیلوں میں جتنا پانی بڑھا ہے اس کی تفصیل میرے بہی کھاتے میں درج ہے۔ اب میرے مددگار سارنگ دیو جی کٹوری سے بوندیں ماپ لیں۔'' سارنگ دیوبھڑک کر بولے کیااحمقانہ باتیں کررہے ہو؟ بھلاکٹوری سے پانی ماپنا ممکن ہے؟' کیوں نہیں، کیوں نہیں۔آپ ندی،تالابوں،جھلیوں کاپانی کٹوری سے ناپ لیں۔۔پھر جتنی کٹوری پانی بڑھایہ ہے معلوم ہوجانے پراسے ۳۴۸ سے ضرب دے دیں اس سال کتنی بوندیں پانی کی ریاست کوملیں یہ آپ کومعلوم ہوجائے گا۔''

سارنگ دیو نے غصہّ سے کٹوری نیچے پٹک کرکہا میرادماغ خراب ہواہے جومیں یہ سب کیوں کروں؟ کوتک پال کی بجائے راجہ نے جواب دیا'' آپ یہ سب اس لئے کریں گے سارنگ دیوکہ آپ ہی نے کوتک پال سے بوندوں کا حساب مانگا تھا۔اب یاتوبوندوں کی گنتی کیجئے یا کوتک پال سے معافی طلب کیجیے۔سارنگ دیو نے کوتک پال سے معافی مانگ لی اور پھرکبھی انہیں نیچا دکھانے اورزلیل لرنے کی کوشش نہ کرنے کاوعدہ کیا۔

''ایک لاجواب ثبوت'' پرانے زمانے کی بات ہے۔ایک راجہ تھے جوشکار کے بے حد شوقین تھے۔سلطنت کا کام دیکھنے کے بعد وہ اپنا زیادہ تر وقت شکار کرنے میں بتاتے بعض اوقات تو مہنیوں شکارگاہ سے نہ لوٹتے۔سلطنت کے کام وزیروں پرچھوڑدیتے۔مہارانی انہیں اکثر سمجھاتی مگر

راجہ پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ راجہ کی ایک اور بات جو مہارانی کو پسند نہیں تھی وہ ان کی ڈینگیں مارنے کی عادت تھی۔ راجہ اپنے آپ کو ماہر نشانہ باز تو مانتے تھے، خود کو سب سے بڑا شکاری اور تیس مار خاں سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ شکار سے لوٹے تو لگے ڈینگیں ہانکنے لگے کہ میں نے ایک تیر سے اسے مار گرایا دوسرے تیر سے دوسرے کو میرا ایک بھی تیر خالی نہیں گیا۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ مہارانی نے چھیڑ کر کہا :۔آخر اس میں کمال کیا ہے! آپ بچپن سے تیر اندازی کی مشق کر رہے ہیں۔ نشانہ اچھا ہوگا ہی۔''

''کیا کہا آپ نے مہارانی یہ صرف مشق کا کمال ہے۔ ہماری صلاحیت کچھ نہیں؟ میں نے کیا کہا؟ یہی نا کہ آپ کی مشق اچھی ہے۔ اس لئے نشانہ اچھاّ ہے۔ آپ اچھےّ شکاری ہیں؟ مہارانی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''پھر وہی بات! آپ ہماری قابلیت سے انکار کر رہی ہیں۔'' راجہ کا غصہّ بڑھتا جا رہا تھا۔ اور آپ ہماری بات سمجھ نہیں رہے ہیں۔'' مہارانی نے بے باک ہو کر کہا آپ کا نشانہ اچھاّ ہے۔ شکاری ہیں اس سے کسی کو انکار نہیں۔ میں نے صرف یہ کہا ہے۔ کہ مشق ہی سے انسان مکمل اور ماہر بنتا ہے۔'' مہارانی کی بے باکی راجہ کو پسند نہیں آئی۔۔ انہوں نے مہارانی کو محل سے نکل جانے کا حکم دیا۔ غیرت مند مہارانی نے راجہ سے معافی طلب کی نہ اپنے مائکے خبر دی، ایک وفادار ما ملازم کو ساتھ لے کر محل سے چلی گئیں۔ شہر سے دور جنگل میں ایک چھوٹا سا مکان بنالیا۔ عام عورتوں جیسا سادہ لباس پہنتی اور وہاں رہنے لگی۔ ایک گائے انہوں نے خرید لی۔ ملازم ان کی خبر گیری کے لئے کافی تھا۔ مہارانی ہمہ وقت یہی سوچتی رہتیں کہ آخر انہوں نے غلط کیا کہا جو راجہ نے انہیں اتنی سخت سزا دی۔ ذلتّ کا احساس انہیں چین سے نہ رہنے دیتا۔ وہ عزم کرتیں کہ ایک نہ ایک روز وہ اپنی بات کا ثبوت مہاراج کو پیش کر کے رہیں گی۔ چند دنوں بعد گائے نے بچھڑا دیا۔ بچھڑے کو سنبھالتے سنبھالتے اچانک انہیں ایک خیال آیا۔ انہوں نے بچھڑے کو پشت پر اٹھایا اور سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر پہنچ گیں اور پشت پر اٹھا ئے اٹھائے ہی نیچے آئیں۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اب یہ ان کا روز کا معمول ہو گیا۔ دن

میں ایک یا دو مرتبہ وہ بچھڑے کو پشت پر اٹھا کر اوپر جانے، نیچے آنے لگیں۔ بعض اوقات تو وہ دن میں کئی مرتبہ ایسا کرتی۔ بچھڑا آہستہ آہستہ بڑا ہونے لگا مگر مہارانی کے معمول میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ ایک روز مالا زم نے خبر دی کہ مہاراج قریب کے جنگل میں شکار کھیل رہے ہیں۔ مہارانی نے کہا تم جا کر مہاراج کو دعوت دو۔ کہنا میری مالکن نے آپ کو جل پان کرنے کے لئے بلایا ہے۔ مگر خبردار انہیں میرے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ بہتر ہوگا کہ تم بھی اپنی پوشاک میں تبدیلی کر لو سر پر بڑی سی پگڑی باندھ لو ورنہ سپاہی تمہیں شناخت کر لیں گے۔ راجہ آئے مہارانی نے لمبہ سا گھونگھٹ نکال کر ان کا استقبال کیا۔ انہیں بہترین بھوجن کرایا اور آرام کرنے کی درخواست کی پھر وہ سیدھی آنگھن میں گئیں۔ بچھڑے کو اپنی پشت پر اٹھا یہ جواب بیل بن چکا تھا۔ اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئی پھر فوراً ہی اتر آئیں۔ بیل کو کھوٹے سے باندھا اور راجہ کے سامنے سے گزر کر اندر چلی گئی۔ راجہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے، منہ کھولے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت مہارانی اندر سے آ کر ان کے نزدیک کھڑی ہوئی اور ہاتھ جوڑ کر بولیں کہے مہاراج اور کیا خدمت کروں آپ کی؟ راجہ بولے: یہ کیسے ممکن ہے۔؟

کیا کیسے ممکن ہے مہاراج؟ مہارانی نے گھونگھٹ کی آڑ سے پوچھا۔

''ایک نازک بدن عورت اتنے بڑے بیل کو پشت پر اٹھا کر سیڑھیوں سے چھت پر جاتی ہے وہاں سے نیچے اتر آتی ہے۔''

مہارانی نے جواب دیا:۔ ''جب وہ ایک دن کا تھا تب سے میں اسے اٹھا رہی ہوں۔ مجھے وہ آج بھی ایک دن کے بچے جیسا لگتا ہے۔ مشق ہو تو سب کچھ ممکن ہے مہاراج! اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔''

''تم کون ہو؟ ہمیں یاد آ رہا ہے یہ الفاظ ہم پہلے بھی سن چکے ہیں۔''

مہارانی نے گھونگھٹ ہٹا کر کہا: ۔کیا آپ اب بھی مشق کی اہمیت سے انکار کریں گے؟نہیں ہر گز نہیں مہارانی ہم انکار نہیں کریں گے تسلیم کریں گے ۔تم نے جولا جواب ثبوت پیش کیا ہے وہ تمہارے قول کی صداقت کے لئے کافی ہے ۔ہم تم سے معافی مانگتے ہیں ۔'' راجہ مہارانی کو باعزّت محل واپس لے گئے ۔مشکل وقت میں مہارانی کا ساتھ دینے والے وفادار ملازم کو بھی انہوں نے مالا مال کر دیا۔

(پنجابی لوک کہانی)اس طرح آگے بھی ایسی ہی دلچسپ لوکہانیاں ہمیں پڑھنے کوملتی ہیں ۔' 'اپنی قسمت اپنے ہاتھ'' ۶۴صفحہ پر مشتمل کتاب ہیں۔کئی عنوان کے تحطہ بانوسرتاج نے اس میں کہانیوں کو پیش کیا ہیں ۔اس کتاب میں بانوسرتاج بچوں کے لئے برہمنوں ، پنڈتوں کی کہانیوں کو پیش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں ۔ڈاکٹر بانولکھتی ہیں یہ سب لوک کہانیاں ہیں بودھ کہانیاں ہیں،تاریخی واقعات ہیں ۔ہم نے تو صرف اتنا کیا ہے کہ انہیں آپ کے لئے آسان اور دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے۔میرا بائی ہندی کی مشہور شاعرہ ہیں۔ان کا درج ذیل دوہا بہت مشہور ہے۔

پوتھی پڑھی جگ موا پنڈت بھیا نہ کوئی
ڈھائی اکشر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئی

یعنی پوتھی (کتاب) پڑھنے سے آج کوئی پنڈت یا عالم نہیں بنا۔ پریم کے ڈھائی حروف پڑھنے والا پنڈت ہوتا ہے۔

محبت کی زبان جاننے والا محبت آمیز سلوک کرنے والا محبتوں کی سوغات بانٹنے والا سچا پنڈت ہے۔صحیح معنوں میں عالم ہے۔

حروف اوّل میں ''ناشر'' بانوسرتاج کی نئی کہانیوں کا خزانہ کتابی شکل میں پیش کرتے ہوئے

لکھتے ہیں۔ تمام کہانیوں کی پیاری پیاری باتیں اور نصیحت ہیرے جواہرات میں تولنے کے لائق ہیں۔ محترمہ بانو سرتاج نے ان کہانیوں میں بڑے دلکشی انداز میں بہت ساری کام کی باتیں بیان کی ہیں۔ ایسے ایسے عقل مندی کے قصےّ تحریر کئے ہیں جنہیں پڑھ کر نہ صرف دل خوش ہوتا ہے بلکہ عقل بھی حیران رہ جاتی ہے۔ کہانیوں کا اختصار ان کا حسن ہے۔ برہمنوں راجاؤں، وزیروں اور دیوی دیوی دیوتاؤں کی زبانی ایسی ایسی پرلطف، مزے دار اور علم وحکمت کی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کے پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ ہر قصےّ میں مختلف انداز میں انسان کو ہمیشہ محنت کرنے، مصیبتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے علم حاصل کرنے کے علاوہ محبت، خلوص اور ہمدری کا سبق سکھایا گیا ہے۔ بانو سرتاج صاحبہ بچوں کی فطرت اور ان کی پسند سے اچھی طرح واقف ہیں اسی لئے ان کی لکھی ہوئی کہانیاں بچے شوق سے پڑھتے ہیں۔ زبان اور بیان پر بانو سرتاج صاحبہ کو بڑی قدرت حاصل ہے۔ آسان آسان لفظوں میں دانائی اور حکمت کے نکتے بچوں کو بانو سرتاج نے اپنی لوک کہانیاں ان عنوان کے تحت شائع کی۔

پونگا پنڈت، عقل مند برہمن، کھڑ بڑ کھڑ بڑ کھودت ہے، اچھے دن، گھے گھے گھوّیا، ان پڑھ برہمن، ڈھپور شنکھ برہمن کا فرض، بال بال بچے برہمن، کھوکھلا گیان، کیلاش پربت کا برہمن، غریبی کا پردہ، گھاس پھوس کی دعوت، اپنی قسمت اپنے ہاتھ!، لالچ بری بلا ہے! کھٹی میٹھی ان کہانیوں میں مزہ بھی ہے غذا بھی ہے کہانی کو پڑھ کر لطف بھی آتا ہیں اور کچھ سیکھنے کو بھی ملتا ہے۔

''دو کی بارہ کہانیاں'' کتاب ۴۰ صفحہ پر مشتمل ہیں۔ جس میں انہوں نے الٹی سیدھی دو باتیں، دو طرح کا پانی، زرنگار کی دو شرطیں دو ہاتھ خوشبوں، امتحان دو صلاحیتوں کا، دو پہلیاں، شہزادی کی دو فرمائیش، دو عجیب چیزیں، ہاں نا کے دو سوال، دو پہلیاں ایک جواب، راجہ کی دو غلطیاں، دو بھائیوں کی کہانی جیسی لوک کہانیاں شامل ہیں۔

''تین کی تیرہ کہانیاں'' کتاب جو بچوں کے لئے دلچسپ کا سامان مہیہ کراتی ہیں۔۴۸صفحہ پر مشتمل ہے۔تین کی تیرہ کہانیاں میں تین پرلہی سے ہر مضوع کا انتخاب کیا گیا ہیں۔ابوحنیفہ کے تین جواب، تین پہلیاں، عقل نے دلائے تین انعام، تین سوال سنیاسی سے، تین پہلیوں نے کیا انصاف تین سچّے جھوٹ، چرواہے کے تین جواب، تین جادوگر نیا تین سوال، تین جواب برالے، مشک آہو کے تین سوال جسے لوکہانیاں ہے۔لوک کہانیوں لکھنے سے پہلے بانوسرتاج خود اپنے آپ سے سوال کرتی ہیں وہ خود چھوٹی تھی تب کیا پڑھنا پسند کرتی تھی۔اوران کا خود کا جواب ہوتا لوک کہانیاں۔ بانوسرتاج کو پہلیاں بنانا، پہلیاں پوچھنا اور بوجھنا ہمیشہ سے مرخوب رہا ہے۔ان کی کتاب'' چار کی چودہ کہانیاں''۵۶صفحہ پر مشتمل ہیں۔جس میں بانوسرتاج نے پہلوں کے روپ میں چار کوموضوع بنا تے ہوئے ان کے عنوان کو اس طرح پیش کیا ہیں۔'اللہ کی چار عنایتیں، عجیب وغریب چار نام' چار نصیحتیں، چار زجمع چار باتیں، مزدوری کے چار روپے، چار چیزیں، چار بہوؤں کی کہانی، راجہ کے چار سوال، چار احمق، چار اندھے، غلط جوابوں والے چار سوال، چار قسم کے آدمی، چار پائے چار راز' چار سوال، جی کا جنجال جسے لوک کہانیوں کو لکھا ہیں۔

''پانچ کی پندرہ کہانیاں''۶۲صفحہ پر مشتمل ہیں۔جس میں انہوں نے بڑھیا اور مٹر کے پانچ دانے، پانچ خوشیاں چھوٹی چھوٹی، پانچ مفید چیزیں، پانچ سوالوں نے کیا کمال، پانچواں انعام، پانچ چوراور ایک بچہّ، پانچ عیبوں والی دلہن، پانچ مٹھی ہیرے، پانچ دوستوں کی کہانی، حماقت کی پانچویں نشانی، بولی ایک مطلب پانچ، پانچ انمول تحفے، پانچ بےوقوف پنڈت، ناریل کے پانچ کرشمے لکھ کر بچوں کی ذہن کی آبیاری کی ہیں۔

بانوسرتاج نے ایسی بھی لوک کہانیاں لکھی ہیں۔ایک زمانہ ایسا بھی تھا جاب اس دُنیا میں غلام رکھنے کا رواج تھا۔انسان انسان کے غلام ہوتے تھے۔جانوروں کی طرح ان کی بھی خرید وفرخت ہوتی تھی۔غلام کے جسم ہی پرنہیں ان کے مال پر بھی آقا کا حق ہوتا تھا۔اور یہی آقا اور غلام کی کہانی

بانوسرتاج نے اپنی اس کتاب 'اچھا غلام بُرا غلام' میں پیش کی ہیں۔ جسے بچّے پڑھ کر کچھ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسے

☆ محنت اور لگن سے معاشرہ میں اپنا مقام بنانے کے گُر سکھلاتی ہیں۔
☆ انسان دوستی کی قدر و قیمت سے واقف کراتی ہیں، اور خوبصورت زندگی جینے کے آداب سیکھنے کے لئے آمادہ کرتی ہیں۔

ان کی کہانیاں اسلام طرز زندگی کی روشن مثالیں ہیں۔ بانوسرتاج نے ان عنوان کے تحت اپنی لوک کہانیوں کو لکھا ہیں۔ مثلاً مہربان آقا، اچھا غلام برا غلام، ایک انوکھی شرطہ، غلاموں کے غلام، سچائی کا انعام، کہانی کا انعام، کہانی کا غلام، بددیانتی کا انجام، بھوکا کتّا اور غلام، ہلکا بھاری بوجھ، غلام سردار، محمود اور ایاز، عقل مند غلام، خرچ کئے تین روپے، ضمیر کی آواز یہ کتاب ۵۵ صفحہ پر مشتمل کتاب ہیں۔ مصنفہ نے ایسی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ جب ایک وقت تھا کی بچّے نانی، دادی کے یہاں جاتے اور کہانیاں سننا اور سنانا پسند کرتے تھے۔ ایسی ہی بانوسرتاج کی کتاب ''بڑھیا عقل کی پڑیا'' ہے۔ جس میں انہوں نے بڑی ہی مزے دار کہانیاں بچوں کے لئے پیش کی ہیں۔ دو کا پہاڑا، مگر مچھ کا شکار، بینے کا رشتہ دار، تین کا ایک وردان، محنت کی اہمیت، اپنا بادشاہ، ایک کے ستّر، مسئلہ کا حل، پاپوں کی سوداگر، کھانے کے آداب، سچائی کی طاقت، پیاز کی بو، زمین کی قیمت، انڈا کس کا؟، جمنا کا پُل، چُور پکڑ گیا! کہانیاں لکھی۔

ہم جانتے ہیں بانوسرتاج بچوں کو ہر طرح سے نصیحت بھری کہانیوں نظموں سے پُر لطف کرتی ہیں۔ ساتھ ہی انہیں ہنسنے پر بھی مضبور کر دیتی ہیں۔ ایسی ان کی ایک کتاب ڈھبّوں پیسے کی کرامت لوک کہانیاں ہیں۔ جس میں انہوں نے سیدھے سادے دیہاتیوں کی کہانیاں، چالاک، چتر شہریوں کی کہانیاں، عقل کے کرشموں کا بیان کیا ہے۔ اور ان میں تو خلیفہ، گورنر، راجہ، نائی یہاں تک کہ ساس

بہوں کی کھلونوں کی، بھٹیارن کی ڈھبو پیسے کی بھی کہانیاں موضود ہیں۔

بانوسرتاج کا کہنا ہے ہم ہنسنا، ہنسانا پسند کرتے ہیں۔جس طرح روزانہ ایک سیب ڈاکٹر کو دور رکھتا ہے۔اسی طرح ہنسی کے چند پل ہمیں خوش وخرم رکھتے ہیں۔بچوں کے رسائل میں سب سے پہلے ہم لطیفے پڑھتے ہیں۔ہم بچوں کے لئے لکھنا عبادت کرنے کے برابر سمجھتے ہیں۔ایمانداری سے دل لگا کر لکھتے ہے۔اور واقعی میں یہ صحیح بھی ہیں بانوسرتاج کی تصانیف میں یہ سب نظر آتا ہیں۔

''بیچ والا بیچ کا'' کتاب کے بارے میں ناشر لکھتے ہیں۔اس نہایت مزے دار کہانی کی کتاب کی شروعات ذہین انسانوں سے ہوتی ہے۔ان کی ذہانت اور عقل مندی کے قصےّ پڑھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ایک سے بڑھ کر ایک کہانیاں اس کتاب میں ہیں۔جنہیں پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے، من کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، دماغ روشن ہو جاتا ہے۔ایسے ایسے پیچدہ مسائل، ایسے ایسے الجھے سوالات جنہیں حل کرنا دوبھر بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔انہیں ''عقل کے پتلے'' چٹکی بجاتے حل کر دیتے ہیں۔

سارے قصےّ اتنے پرلطف ہیں کہ بار بار پڑھنے سے بھی طبیب سیر نہیں ہوتی۔وہی اپنی بات کے تحت بانوسرتاج اس کتاب کے بارے میں لکھتی ہیں۔''بیچ والا بیچ کا''اس عنوان سے کتاب میں ایک کہانی شامل ہے۔کُل کہانیاں ۱۵ ہیں۔بٹوارہ یا تقسیم کہانیوں کی بنیاد ہے۔چاکلیٹ، ٹافی، آئس کریم، پنسل کا پیوں کی تقسیم سے ہم سب واقف ہیں۔اس کتاب میں بطخوں، ہاتھی، گھوڑوں کی جائداد، اشرفیوں، مچھلیوں، روپیوں یہاں تک کہ روٹیوں کی تقسیم کے بارے میں بھی پڑھ کر لطف اٹھایا جاتا ہیں۔ یہ سب کہانیاں قدیم زمانے سے ایک نسل سے دوسری نسل تک چلی آنے والی کہانیاں ہیں۔انہیں لوک کہانیاں کہتے ہیں۔مذہبی کتابوں سے اخز شدہ حکایات ہیں جنہیں زمانے کی ضرورت کے مطابق دوبارہ لکھ کر بانوسرتاج نے پیش کیا ہے۔ذہانت اللہ کا عطیہ ہے۔تعلیم یافتہ

،غیر تعلیم یافتہ ،امیر غریب ،مرد عورت ، چور کوتوال ،کسان زمین دار،مزدور مالک سب کے پاس کم زیادہ ہوتی ہے۔اس کا برمحل استعمال اہم ہوتا ہے۔ان کہانیوں میں زہانت کے کمال دیکھنے کو ملتے ہیں۔

بطخوں کے حصّے ،بیچ والا بیچ کا ،روٹیوں کی قیمت ،بغیر کاٹے بٹ گئے گھوڑے، برابر کے ٹکڑے، جائداد کا بٹوارہ، دوباپ دو بیٹے ،انصاف کی بات ، دوگنا انعام ، ہاتھی ایک داویدار چار ، تقسیم کا سلیقہ آلوؤں کی گنتی عنوان کے تحت بچوں کے لئے لکھا ہیں۔

بانو سرتاج لکھتی ہیں بچے اتنی ہی تیزی سے نئی باتیں سیکھتے ہیں جتنی تیزی سے بھوکے کبوتر دانہ چگتے ہیں۔بچوں کو نئی اور اہم معلومات بہم پہنچانا بچوں کے ادیب کا کام ہے۔بچپن سے بڑا گر کوئی اسکول نہیں ہے۔تو کسی بچے کا اس کا بچپن نہ چھینا جائے اس کا خیال رکھنا بچوں کے ادیب کی ذمہ داری ہے۔تجسس سے بڑا کوئی استاد نہیں ہے تو تجسس رفع کرنے کا کارِ نیک بچوں کے لئے لکھنے والوں کو کرنا چاہیے۔سب کچھ جاننے کی چاہ میں بچےّ کتنا کچھ سیکھ پاتے ہیں۔اس پر نظر رکھنا بچوں کے ادیب کا فرض ہے۔بچوں کو ادب کے زریعے صحت مند تفریح مہیا کرانا بچوں کے ادیب کا سب سے اہم کام،سب سے اہم ذمہ دای اور سب سے اہم فرض ہے۔

ظ ۔انساری صاحب کا قول ہے ''مجھ سے پوچھو تو بچوں کا ادب وہی اچھا ادب ہے جسے بڑے بوڑھے دونوں پڑھیں تو مذا لیں ، جسے تہوار کی برفی اور جلیبی ،مزے کا مزا اور غزا کی غزا۔۔۔ہم ان سے فیصدی متفق ہیں۔''بانو سرتاج بچوں کے لئے کہانیاں لکھتے وقت چاہے وہ طبع زاد ہو یا لوک کہانیاں خیال رکھتی ہیں کی بچےّ ان کا لطف اٹھا سکے۔''کچھ تم بولو کچھ ہم'' لوک کہانیاں سیریز کی بارہویں کتاب ہے۔اس میں کل نو لوک کہانیاں شامل ہیں۔ان کہانیوں کے کردار تُگ بندی میں باتیں کرتے ہیں۔بچےّ ان کہانیوں کو پسند کرتے ہیں۔جن میں چرندے، پرندے، پیڑ پودے، بادل

ہو کھیل کھلونے ان سے باتیں کریں ان کے ساتھ کھیلیں کو دیں بانو سرتاج نے بچوں کی پسند کا خیال رکھا ہے۔ان کہانیوں کے کرداروں کے مکالموں میں آہنگ اور موسیقی ہے، وہ شاعر نہیں، تک بندی کرتے ہیں۔ جوان کے دل میں آتا ہے لے اور تال میں بول دیتے ہیں۔ چرند پرند کے ساتھ بے جان چیزیں جیسے اروی شاخ، پتھر مچھیرے کا جال، کپڑے کا تھان، ندی کا پانی شامل ہیں جو بات کرتے ہیں ۔ان سب کے علاوہ کہانی پن تو ہے ہی جو کہانی کا لازمی جز ہے ۔تانا بانا بُنان ،تجسس ،دلچسپی مزاح وغیرہ کے ستارے اس میں ٹانگنا مکالموں کے موتی پرونا، آسان زبان کی چمکیلی جھالر سے سجانا اور بچوں کو پیش کرنا مشکل تو ہے مگر دل کو بہت سکون دیتا ہے۔ چلا چلا میں یہ چلا، کچھ تم بولو کچھ ہم، اب کا ہے کے سو، ناراض مجھ سے ہو گئے کیا؟ کان کھول کر بات سن!، چڑ گاؤں گی لاکھ ٹکا جی !، بڑھیا اور مٹر کے پانچ دانے ،سوال جواب کا ناٹک ، نیکی اور پوچھ پوچھ جیسی کہانیاں بانو سرتاج نے بچوں کے لئے پیش کی ہیں۔''ایسے مالا انصاف'' میں بانو سرتاج نے ہندوستان کے بادشاہوں کے گاؤں کی پنچایتوں ،شہر کی عدالتوں میں مظلوم کے ساتھ کس طرح انصاف کیا جاتا تھا،فریادی کی داد کتنی جلد ہوتی تھی۔ یہ باتیں ان کی اس کتاب کو پڑھ کر حاصل ہوتی ہیں۔ساٹھ ہزار واپس ،مٹی نے سبق پڑھایا، مار صاحب کا انصاف ،انصاف کا راستہ، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پتھر کی گواہی، واپس ملا کنواں ، نئے نئے سکےّ پرانے سکےّ راجہ نے ڈھونڈا چور، اچھا بادشاہ، اچھی سزا، نہلے پہ دہلا ،نڈر چکیّ وال ،کھلا راز تھیلی کا ،ایسے ملا انصاف ،ایمانداری کا انعام جیسی کہانیاں لکھی۔مختصر یہ کہ کہانیاں انصاف کی بالادستی کی کہانیاں ہیں۔

باب پنجم

اُردو ادب میں بانو سرتاج کا مرتبہ

اُردوادب میں بانوسرتاج کا مرتبہ

بانوسرتاج جس طرح ادب کی خدمات کررہی ہے اس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی ۔ملک کی تمام ریاستوں ،جن میں اُردوزبان ادب باخلوص ادبِ اطفال میں فکری صلاحیتوں کے گل بوٹے کھلا نے والے قلم کار ہیں ۔ان میں اتنی رنگارنگی پائی جاتی ہیں جتنی کہ ڈاکٹر بانوسرتاج صاحبہ کی نگارشات میں ملتی ہیں ۔بانوسرتاج نے نئی نسل میں اُردوزبان کی جڑیں مضبوط کرنے کا جو بیڑا اٹھایا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ۔بانوسرتاج کی شاعری جو کم ہے لیکن بچوں کے لئے خوب لکھا ہے اور لکھ رہی ہیں ۔ان کی افسانہ نگاری کردار نگاری ،ڈرامہ نگاری ،طنز ومزاح تحقیق وغیرہ ادب میں کوئی صنف شائد ہی چھوٹی ہوگی جن پر انہوں نے قلم نہ اٹھایا ہوگا اور اپنی پہچان نہ بنائی ہو۔بانوسرتاج کو اُردوادب میں ایک چمکتا ہوا کہکشاں کہنا غلت نہ ہوگا بانوسرتاج نے ۱۱۰ کتابوں سے زائد کتابیں کی تخلیق کی ہے ۔جس میں ۵۷ کتابیں اُردو ۵۳ ہندی میں ہیں ۔یہ وہ ادبی تخلیق کار ہیں جن کی رگوں میں بیسوی اور اکیسویں صدی کی سیاسی تقافتی ،معاشی ،تہذیبی اور ادبی فضاخوں بن کے دوڑ رہی ہے ۔اُردوادب کی دنیاء میں اس قدر بازوق ،باشعور ،باصلاحیت سنجیدہ اور تجربہ کار فنکار ادب سے خالی خالی نہیں ہیں ۔

بانوسرتاج ۱۹۹۱ سے باقاعدگی سے بچّوں کے لئے لکھ رہی ہیں ۔بانوسرتاج نے بچوں کے لئے کہانیاں ،نظمیں اور ناول لکھے ۔دوسری زبانوں کے بہترین ادب کو اُردو میں منتقل کیا۔لوک کہانیوں کے ذخیرہ کا کام آج بھی جاری ہے ۔باتصویر معلوماتی مضامین ،تحقیقی مضامین بھی لکھے ہے ۔

اور واقعی بانوسرتاج ادبی سیاست سے دور بے غرض ہوکر خاموشی سے اپنا کام کرتی رہیں ۔ اُردوادب اطفال کا پرچم ایسا لہرایا کہ ''ادبِ اطفال اور بانوسرتاج ایک دوجے کے ہوگئے ۔جیسے میرا

میں کرشن کی محبت اسی طرح بانوسرتاج میں بچوں کی محبت کا جنون کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ بانوسرتاج ہر زبان ہندی، انگریزی، مراٹھی سے واقف ہوتے ہوئے بھی اُردو میں ادب کے گیسوئے سوار رہی ہے۔کئی تہذیبوں، کئی علاقائی اور جغرافیائی ماحول سے وابستہ ہیں اوران وجہہ سے ان کی نگارشات میں ہندوستان کی رنگارنگ عظمت جھلکتی ہے۔زماں ومکاں ان کا اپنا ماحول ہے۔اپنی پہلی تخلیق ادبِ اطفال ایک مطالعہ کے پیش لفظ بانوسرتاج لکھتی ہیں ۔''میری پہلی کہانی ماہنامہ کتاب لکھنؤں میں شائع ہوئی...صبا،حیدرآباد کا افسانوی حصہّ اقبال متین دیکھتے تھے۔انہوں نے افسانوں کی نوک پر پلک درست کرنے کے علاوہ وہ مجھے گائیڈنس بھی دیتے تھے۔ایک روز انہوں نے مجھ سے اُن کی کہانیوں کو ہندی میں منتقل کرنے کی خواہش ظاہر کی میں نے تین کہانیاں ہندی میں منتقل کر دی جو ُ منشی پریم چند ُ کے فرزند ُ شری پت رائے ُ جی کی میگزین '' کہانی '' میں شائع ہوئیں پھر میری زندگی کا وہ حسین اور یادگار دن آیا جب مجھے شری پت رائے جی کا خط ملا کہ بانوتمہاری ہندی بہت اچھی ہے تم ہندی ہی میں کہانیاں کیوں نہیں لکھتی؟ میں خوشی سے بے قابو ہوگئی۔سب کو وہ خطہ دکھاتی پھری۔ میں نے ہندی اور اُردو دونوں میں ساتھ لکھنا شروع کیا۔اور شری پت رائے جی نے مجھے چھاپنا شروع کیا۔ابتدا میں مجھے صرف افسانے لکھنے میں دلچسپی تھی ۔ بڑوں کے لئے افسانے اور بچوں کے لئے کہانیاں لکھا کرتی ، میں نے اپنی کہانی سزا انہیں سُنائی ۔ یہ کہانی مینے ظفر سر پر لکھی تھی ۔'' کھولنا '' میگزین میں یہ کہانی اپریل ماہ میں شائع ہوئی تھی ۔ میں نے کہانی کے آخر میں لکھا تھا مجھے آج بھی ظفر سر کی اُس سزا پر ناز ہے ۔ظفر سر کو ڈاک میں شمارہ ملا۔انہوں نے کہانی پڑھی تو فوراً سائیکل اٹھائی ۔ ایک طویل فاصلہ طے کر کے میری باجی کے گھر پہنچے اوران سے کہا (بانوسرتاج) سے کہہ دو کہ مجھے بھی اس پر ناز ہے۔ مجھے بھی اس پر ناز ہے۔

شری پت رائے جی نے کہانی بے حد پسند کی مگر کہا '' بانو '' ایک ساتھ دوناؤں میں پاؤں نہ رکھو۔ بڑوں کے لئے لکھنا بہت آسان ہے،مگر بچوّں کے لئے لکھنا بہت مشکل ۔ بڑوں کے لئے لکھ کر

قلم پر مہارت حاصل کرو اور پھر بچّوں کے لئے لکھو بلکہ ادبِ اطفال کے لئے خود کو وقف کر دو۔!

بانوسرتاج نے اُردو اور ہندی دنوں زبانو میں ساتھ ساتھ کہانیاں لکھنا شروع کیا اور آج تک یہ سنو جاری وساری ہے بچوں کے ادب کے لئے اپنی تمام زندگی بانوسرتاج نے وقف کر دی۔ ادبِ اطفال کے ساتھ ساتھ دیگر موجوعات کا دائرہ بھی بہت بڑا ہے جیسے بانوسرتاج نے بہ خوبی نبھایا ہے۔ بڑوں کے مسائل خاص کر عورتوں کے مسائل پر بے حد سنجیدگی سے کھا ہے۔''بانوسرتاج کا قول ہے''

تم آسماں کی بلندیوں سے
جلد لوٹ آنا ہمیں زمیں کے
مسائل پر بھی بات کرنی ہے

یعنی وہ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں اگر بڑوں کے لئے لکھوں تو واپس میرا قلم بچوں کی دنیا میں آنے کے لئے مچل اُٹھتا ہے۔ اور میں بہ خوش آ بھی جاتی ہوں۔ بانوسرتاج کو ادبی دنیا میں اس محنت کا صلہ بھی ملا انھیں 'ساہتیہ اکادمی ایوارڈ' کے علاوہ متعدر انعامات واکرام سے نوازہ گیا ہے۔ گونا گوں تخلیقی صلاحیتوں کی مالک اس تخلیق کار کے لئے ہندوستانی ہندی فلموں کے قلم کار 'حیدر بیابانی' ایک دوفعہ ایک نظم کہی تھی۔ نظم میں بانوسرتاج کی ذہانت اور قابلیت کی طرف بڑے بلیغے اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً یہ دو اشار

بہت سی خوبیوں سے لیس وہ خاتون ایسی ہے
ذہانت کی علم بردار افلاطون ایسی ہے
ادب اس کا لکھا بچّوں بڑوں کو سب کو بھاتا ہے
اس میں علمیت ایسی کے سب کو رشک آتا ہے۔

(حیدر بیابانی)

بانوسرتاج اپنے افسانوں کے زریعے عالمیں آدم کومتاصر کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔بانوسراج کافی مقبول ترین شخصیت ہیں۔اوران کی مصروفیت کے باوجودبھی وہ ادبِ اطفال کے اس مشکل فن کوبھی بڑی آسانی سے وقت کے پیرائے میں لکھی دیتی ہیں۔جوکی ایک مشکل کام ہیں۔بانوسرتاج خواتین کے مسائل سماجی نابرابری تعلیم کے میدان کی بےعنوان کوقلم کی نوک پر رکھتی ہے۔ بانوسرتاج ایسی باتوں کوموضوع نہیں بناتی جن باتوں کے کہنے سےصرف تخلیق کار کے جو ہر کھلتے ہیں۔اورجن سے ناخوشگواراور بدمزگی کا احساس ہو۔بانوسرتاج شائستگی کوادب کی روح مانتی ہے۔ ادبِ اطفال کے لیے بانوسرتاج نے ڈرامے کوبھی اپنی ضروریات میں شامل کیا اوراس میں بھی کمال حاصل کیا۔بانوسرتاج نے ایسے بھی ڈرامے لکھے جیسے بچّے آسانی سے اسٹیج پر کھیل سکے اوراس کا لطف اٹھاسکے۔انھوں نے کئی ڈراموں کے تراجم کراُردوادب کوروشناس کیا۔بچوں کوحقیقی زندگی سے روبروکرایہ۔

بانوسرتاج نے اُردوادب کوکئی صنف سے مالا مال کیا پھرچاہے وہ ناول ہوافسانہ،ڈرامہ،نظم دیگراصناف ہواپنا کمال دیکھایہ ہیں۔مصنفہ افسانوں کے زریےعورتوں کی بدحالی پرزوردیا۔وقت کتنا ہی کیوں نہ اپنی رفتار سے آگے بڑرہاہوں مگرعورت آج بھی مرد کی گرد سے آزادنہیں ہوئی۔ان کےطنزومزاح سےہمیں مزاحیہ اندازتوملتاہیں مگرطنزمیں بڑاہی تیخاپن اورایک گہری سوچ کی جلک نظرآتی ہیں۔دوسری طرف وہ ناول لکھ کرادبِ اطفال کے لئے ایک نئی راہ کوہموار کرتی ہیں۔انھوں نے اپنے ناول کے زریعےاُردوادبِ اطفال کوایک پلیٹ فارم دیا۔

مگرایک بات ہے جوغوروں فکر کے مانند ہے۔جس طرح ڈاکر بانوسرتاج کودِیگرزبانوں میں انعام واعزازات سےنوازہ جارہاہے۔وہی اُردومیں ان کواندیکھا کیاجارہاہے۔جب کی وہ اُردو ادب کے لئے بھی اتنی ہی حقدار ہے جتناوہ اورزبان ادب سےشہرت حاصل کررہی ہیں۔

ادبِ اطفال کے لئے لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے مگر اس مشکل فن پر وہ بڑی ہی محنت سے لکھ رہی ہیں۔

بچوں کی ہر نفسیات سے اچھی طرح واقف ہے۔انہیں یہ معلوم ہے۔کی بچّے کیا پسند کرتے ہیں۔پھر چاہیئے وہ بچوں کے ناول ہو یہ کارٹون، ڈرامہ، لوک کہانیاں، نظر سبھی کو اپنے قلم سے پیش کر دیتی ہیں۔

محسوب راہی :۔''ایک محقق کی حیثت سے بھی بانو سرتاج کا مقام امتیاز حاصل ہے ۔اس صنف میں خاطر خواہی کا میابی حاصل کر چکی ہیں۔متنوع علمی ،ادبی اور تعلیمی موضوعات پر ان کے علمانہ شان کے حامل تحقیقی مضامین کے دو مجموعے شائع ہو چکے جن سے ان کے لامتنا زوق مطالعہ کی آفاقیت، وسعت، گہرائی و کیرائی اور علمی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔اوّل تو افراط وتفریطہ کے اس دور میں اچھا لکھنے والوں کا فقدان ہے جو کہ انگلیوں پر شمار کی جا سکتا ہے اب یہ انگلیاں بھی قضا وقدر کے ہاتھوں کم ہوتی جا رہی ہیں۔ایسے میں بانو سرتاج کا دم غنیمت ہے کہ انھوں نے فکشن، تحقیق وتنقید' طنز ومزاح اور تعلیم وتدریس کے میدانوں میں کامرانی اور نیک نامی کے جھنڈے نصب کر کے تاریخ مملکت ادب کی خواتین حکمرانوں میں سرفہرست اپنا نام درج کروالیا ہے۔اور اب اپنے قرطاس وقلم کی زرنگاری نیز تخلیقی گہرباری سے بچوں کے ادب کا خزانہ ملا مال کرنے کی طرف متوجہ ہو رہی ہیں۔ بانو سرتاج کے برسہا برس کے تخلیقی تجربات وسیع مطالعہ عمیق تنقیدی بصیرت اور بسیطہ تحقیقی کارگزاریوں بالخصوص تعلیم وتدریس سے ان کی وابستگی ادب اطفال کے گہر پاروں کی چمک دمک کو فزوں تر نے اور انھیں نکھارنے وسنوارنے میں خوب کارگر ثابت ہوتی ہے۔[2]

موجودہ دور میں بچوں کو زیادہ تر کامکس کاٹونس ساتھ ہی سائنسی ادب جیسے کارٹون زیادہ پڑھنا پسند کرتے ہیں۔تو بانو سرتاج نے اس صنف میں بھی اپنے قلم کے ذہر بیکھرے اور بچوں کی پسند کا

خیال کیا۔ ویسے تو ادب اطفال میں بانوسرتاج کا نام محتاج کا تعارف نہیں۔انہوں نے بچوں کے لئے ڈرامے، ناول، کہانیاں، نظمیں لکھیں بانوسرتاج نے اپنی کہانیاں کے ذریعہ بچوں میں قومی یکجہتی اور حب الوطنی کے جزبے کو بچوں کی زبان میں بچوں تک پہنچانے کی اچھی کوشش کی ہے۔ بانوسرتاج نے بچوں کی کہانیوں کو اخلاقی اور صلاحی پہلو کو ہمیشہ پیش پیش رکھا ہے۔ بانوسرتاج کی کہانی انوکھی شرارت اس کی بہترین مثال ہے۔ بانوسرتاج کے لکھنے کا انداز سیدھا سادھا اور بیانیہ ہے اسی لئے ان کی کہانی قاری پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ بانوسرتاج کی نظر ہمیشہ ملک کے ہر مسائل پر رہتی ہیں جیسے بیٹی بچاؤں بیٹی پڑھاؤں اور یہی مسائل بانوسرتاج کی تحریروں میں جانے انجانے درپیش آتے رہتے ہیں۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی چاہے کسی بھی مذہب یہ زات۔ پات کسی بھی زبان یہ علاقے سے ہوں ہر وقت لڑتے رہتے ہیں مگر جب ملک پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ایک ہو جاتے ہیں۔ بانوسرتاج یہ چاہتی ہے کی یہ ضروری نہیں کی ملک پر کوئی مصیبت آئے تو ہی سب ایک ہوں قومی یکجہتی ہر بھارت واسی کی رگوں میں خون کی طرح دوڑنی چاہئے اور وقتاً فوقتاً مناسب موقعے پر اپنے عمل اپنے تخلیقی عمل سے ظاہر ہونی چاہئے ۔ بانوسرتاج کی کہانیاں ، ڈرامے ناول اور نظمیں اس کی مثال ہیں ۔ادبِ اطفال ہوں یہ بڑوں کا ادب ہو اُردو میں ہو یا دیگر زبان میں بانوسرتاج کتنی بارقعی سے تخلیق کرتی ہیں اس کا انداز اان کی تخلیقات سے لگایہ جاسکتا ہیں۔

اور یہی انداز بانوسرتاج کو اس مقام پر لے جاتا ہیں جس کی وہ مستحق ہیں اور اُردو ادب میں انہیں ممتاز بناتا ہے۔ اُردو میں ایسی کون سی صنف ہیں۔جس میں بانوسرتاج اپنے قلم کے زہر نہیں بیگھیرے ہوں۔ پھر چاہے وہ ملک کا مسلا ہوں ملک سے محبت ہوں، یہ کوئی جاتی مسلہ ہوں مثلاً سماج میں خواتین کی جو صورتیں حال ہے اس پر بھی بانوسرتاج اپنی تخلیقات کے زوہر بیکھر رہی ہے ۔اور ساتھ ہی ادبِ اطفال کی خدمات کو بھی انزام دے رہی ہے۔ اور ہر اس صنف میں جیسے بچہ پڑھنا چاہتا ہیں۔ بانوسرتاج ادب کی اوّل شرط اس کا تفریحی ہونا اور ہلکے پھلکے انداز میں نصیحت آمیز ہونا

مانتی ہے۔

آخر میں بانو سرتاج کا ادبی مکالمہ پیش کر رہی ہوں جس سے ان کی اُردو ادبی خدمات کے بارے میں مالومات حاصل کی جاسکے۔مکالمہ نگار۔افتخار امام صدّیقی:۔

سوال: آپ ایک ہمہ اصناف تخلیق کار ہیں،فکشن،طنز ومزاح،بچوں کا ادب،تنقید،تحقیق،شاعری وغیرہ بیک وقت آپ اپنے اس تخلیقی دھنک رنگ کو کس طرح سنبھال پاتی ہیں؟

جواب: ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اگر یہ کچھ ہے اور بہ اعتبارِ کیف کم کچھ ہے تو اس میں لگن،محنت،ریاضت کا دخل ہی نہیں،خاصہ اہم رول ہے۔آپ اسے دھنک رنگ تخلیقی اظہار سے تعبیر کرتے ہیں مگر اسے شخصیت کا مظاہر کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔۔پورے عجز وانکسار کے ساتھ،مسلسل جستجو،خوب سے خوب تر کی تلاش میں سفر کر رہی ہوں۔

خاموش زندگی جو بسر کر رہے ہیں ہم
گہرے سمندروں میں سفر کر رہے ہیں ہم

سوال: سب سے پہلے آپ نے نثر لکھی یا شاعری کی؟

جواب: رجوع اوّلاً شاعری کی طرف ہوئی۔غزلوں کے واسطے سے 'شمع' جیسے مؤقر رسائل میں 'سرتاج بانو شبنم' متعارف بھی ہوئی لیکن دو مصرعوں میں کوئی بات کہنے کے لیے ریاضت،مہارت،زبان پر عبور ہونا اور زبان کا رمز آشنا ہونا ضروری تھا۔میرے اظہار کو نئی وسعتوں،نئے آفاق کی جستجو تھی اور اس کے لیے میں نے نثر کے میڈیم کو زیادہ قریب پایا۔بچّوں کی نظمیں،موضوعاتی نظمیں شاید اسی کا نتیجہ ہیں۔

سوال: بنیادی طور پر آپ کا تخلیقی اظہاریہ کس صنف میں ہے؟

جواب: نثر میں مختصر افسانہ نگاری۔

سوال: مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرنے کی وجوہ کیا ہیں؟

جواب: مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں اور لیکن خدارا اسے جنون/شوقِ تجربہ سے تعبیر نہ کیا جائے۔شخصیت اپنے اظہار کے لیے راستے/وسیلے/واسطے تلاش کر لیتی ہے۔یہ ایک ممکنہ اور معقول وجہ ہے۔

سوال: کیا آپ دوسروں کے لکھے سے مطمئن نہیں ہوتیں؟

جواب: دوسروں کے لکھے سے بے اطمینانی کا کوئی معقول جواز میرے پاس نہیں۔مجھے اس طور کبھی بے اطمینانی کا احساس نہیں ہوا۔اس واسطے کہ میں سوچتی ہوں کہ اظہار کی concrete صورت ،ہیت،شکل، یکساں اور متوقع ہو یہ کوئی ضروری تو نہیں۔۔۔۔۔بلکہ ممکن العمل بھی نہیں......اور پھر اظہار جس بھی واسطے سے اور جس ہیئت میں متشکل ہو،اس میں تحیّر کا عنصر لازماً ہونا چاہیے۔اظہار کی صورت غیر متوقع اور مختلف ہو، یہی اہم ہے۔

سوال: کیا آپ پہلے سے موجود فن پاروں سے ہٹ کر کچھ لکھنے پر یقین رکھتی ہیں؟

جواب: پہلے سے موجود فن پاروں سے ہٹ کر کچھ لکھنے کا خیال ،تخلیق کے عمل میں صریح شعوری کوشش کا دخل ہے(اسے دخل در معقولات نہیں کہا جا سکتا)مخلص فنکار ابتداءً اپنے تعارف، بعد کے دَور میں اپنی شناخت ،اور اس کے بعد اپنی انفرادیت کے حصول کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔سچّا فن کار عملاً انھیں ادوار سے گزر کر کہیں،کبھی کچھ بن پاتا ہے۔

سوال: آپ نے جب افسانہ نگاری شروع کی تھی تب آپ کے معاصرین کون تھے؟اور آپ کس کی تحریروں سے متاثر تھیں؟

جواب: میری افسانہ نگاری کے ابتدائی دَور میں عصمت چغتائی،آمنہ ابوالحسن،واجدہ تبسّم کا غلغلہ تھا۔میں نے آدرش کے بطور کسی کو سامنے نہیں رکھا۔البتہ غیر شعوری طور پر متاثر ہونا،تاثر قبول کرنا الگ بات ہے۔مجھے پریم چند کے بیانیہ کی سادگی،ٹھیٹ اور کھرا لہجہ پسند تھا(پسند ہے)غیر ضروری اور بے وقت بیانیہ کا نہ ہونا اور اختصار،مختصر افسانے کے خصوصی اجزاء میں،اس میں اگر مناسب موقعوں

پر معقول حد تک مکالمہ بھی شامل ہو جائے تو مختصر افسانہ دو آتشہ ہو جاتا ہے۔اُردو میں کم افسانہ نگاروں میں مجھے یہ صنف نظر آئی ،اکثر افسانہ نگار جزئیات کو سمیٹتے ہوئے اپنی علمی وسعت اور گیرائی کی دھاک تو بٹھا دیتے ہیں مگر اس سے افسانے کی فضا بوجھل ہو جاتی ہے۔مختصر افسانے سے اختصار اور تحیرّ کے عنصر کو الگ کر دیں تو وہ مختصر افسانہ نہیں رہتا۔افسانہ،جس میں ابھی کچھ وقت پہلے تک مکالمہ کی برجستگی ، بندش کی چستی اور فنکارانہ چابک دستی وغیرہ اصطلاحیں مستعمل تھیں، کہیں کھوتا جا رہا ہے۔

سوال: افسانہ نگاری میں آپ کا رہنما کون بنا؟

جواب: فرزندِ پریم چند،شری پت رائے جی۔

سوال: اُردو افسانہ،ترقی پسندی سے مابعد جدیدیت تک کے سفر میں،آج ہندوستان کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں کس معیار کا ہے؟

جواب: اُردو زبان وادب کی اپنی رفتار ہے۔۔۔۔وہ روز افزوں ترقی پر ہے۔

سوال: آپ نے اپنے افسانوں کے فن کو کیا نیا تجربہ دیا؟

جواب: افسانے کے فن کو کوئی نیا تجربہ دینے کا ادّعا شاید بڑی بات ہو لیکن میرے افسانوں کی منفرد خصوصیت میری نظر میں اختصار اور اس کا pointed بیانیہ ہے۔

سوال: کیا آپ کسی موضوع کے انتخاب کے بعد بہت جلدی ہی اُس میں گم ہو کر ایک ہی نشت میں افسانے کو کہانی بنا دیتی ہیں؟

جواب: موضوع کا انتخاب اگر چہ جلد، بہت جلد،کبھی لمحہ بھر میں ہو جاتا ہے لیکن اس میں گُم ہو کر کہانی بنانے کا عمل فوری نہیں ہوتا۔کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔کبھی کچھ زیادہ ہی وقت لگتا ہے لیکن بعد میں کہانی ایک ہی نشست میں مکمّل ہو جاتی ہے۔

سوال: کیا ترقی پسند بیانیہ افسانہ واپس آ گیا ہے؟

جواب: ترقی پسند بیانیہ اپنے مخصوص اُسلوب، چونکانے والے عنصر اور abrupt end کے ساتھ

اب واپس آنے والا نہیں ہے۔اس لیے کہ ترقی پسندی،اشتراکیت،بھوک،افلاس،استحصال وغیرہ مخصوص موضوعات بھی اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہے۔پھر ترقی پسند افسانے کی واپسی کا خیر مقدم کوئی کیسے کرے گا؟

سوال: کیا جدیدیت کے رجحان نے اُردو افسانے کو کہانی کے قاری سے دُور کر دیا تھا؟

جواب: یقیناً۔یہ حقیقت ہے کہ اُردو افسانے اور اُس کے قاری کے درمیان بڑی وسیع و عمیق خلیج حائل ہو چکی ہے۔اس کے مختلف اسباب ہیں۔جدیت کا رجحان بھی ایک ہے۔رجحان سے زیادہ اس کا treatment غالباً اس کے لیے زیادہ ذمہ دار ہے۔

سوال: کیا کوئی موضوع اگر علامتوں میں ہے تو وہ اچھے شعر کی طرح ہزار رنگ معنی اپنے بطن میں رکھتا ہے؟ یا اگر اس کو بیانیہ کا تخلیقی رنگ دے دیا جائے تو وہ اپنی پہلی قرأت ہی میں مکمّل ہو جاتا ہے؟

جواب: اچھے شعر کا اختصار اور اس کی معنوی فضا بڑی وسیع اور سحر آگیں ہوتی ہے، تاہم مختصر افسانہ کا بیانیہ، اس کا اختصار اور معنویت اپنی الگ انفرادیت کی حامل ہوتی ہے۔افسانہ خواہ کتنا ہی مختصر ہو، شعر کی طرح بار بار پڑھے جانے کی چیز نہیں۔(افسانہ چیزے دیگر یست) جب کسی اچھے شعر کی معنوی فضا کو سپاٹ، طویل، بوجھل بیانیہ سے آباد کرنے کی سعی ہو تو ایسا بیانیہ بے وقت کی رگنی ہوتا ہے۔سعی نامقبول ہوتی ہے۔

سوال: آپ نے عموماً کن موضوعات کو قلم کی نوک پر رکھا؟

جواب: خواتین کے مسائل، سماجی نابرابری، تعلیم کے میدان کی بے عنوانیاں وغیرہ۔

سوال: کیا وہ موضوعات جو فرسودہ ہو چکے ہیں ان کو بھی آپ نے مکرّر تخلیق کیا؟

جواب: ایسے کئی موضوعات ہیں جو فرسودہ ہو چکے ہیں۔زمانہ اور ادوار کے سیاق وسباق موضوعات کی اہمیت پر نظر انداز ہوتے ہیں۔کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ فرسودہ موضوعات پر جمی زمانہ کی گرد کو جھاڑ پونچھ کر اسے نئے سیاق وسباق اور تناظر میں نئے انداز سے پیش کرنے سے ان کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔عورت کا استحصال ہر زمانے میں ہوتا آیا ہے۔اس کی شکلیں مختلف رہی ہیں

یہ موضوع فرسودہ نہیں ہوا، نہ ہوگا۔اس موضوع کو نئے دور کے قاری کے روبرو ایک نئے انداز میں، اُسی کی زبان میں اُسی کے دَور کی زبان میں رکھنا ہوتا ہے۔

سوال: کیا 'اَن کہی' کی آپ قائل ہیں؟

جواب: جی ہاں! جن باتوں کے کہنے سے صرف تخلیق کار کے جوہر کھلتے ہیں اور جن سے ناخوشگواری اور بدمزگی کا احساس ہو، ایسی باتوں کو موضوع بنانا مناسب نہیں۔

سوال: کیا آپ نے منٹو آرٹ کے تحت بھی کوئی افسانہ لکھا ہے؟

جواب: منٹو آرٹ، اب اُردو کلاسکس کا حصہّ بن چکا ہے۔آزادی سے قبل اور اُس کے بعد کے ادوار کے قاری کے روبروان موضوعات پر منٹو کے اسلوب میں treatment کا معقول جواز تھا، لیکن ظلم، ناانصافی اور استحصال کی شکلیں رُوپ بدل چکے، اس لیے اب منٹو آرٹ کے دہرائے جانے کا جواز نہیں

سوال: کیا آپ ادب میں جنس کو ممنوع قرار دیتی ہیں؟

جواب: جنس کو ممنوع قرار دینا نہ دینا ....اس بحث میں پڑنا ہی معقولیت نہیں۔ ہزار رنگ زندگی کا ایک رنگ جنس سے بھی ہم رشتہ ہے۔پھر دوسرے ذرائع اظہار میں جنس کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اب ادب میں ایمائیت، اشاریت، ابہام وکنایہ میں پیش کرنے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟ شائستگی ادب کی روح ہونی چاہیے۔

سوال: کیا جنس انسان کی جبلّی فطرت میں ہے؟

جواب: بے شک ہے۔تخلیق کار کو اسے موضوع بنا کر صرف معقول حد تک اہمیت دینا ہے اس سے آگے بڑھنا، مملکتِ ادب سے باہر نکلنا ہے۔

سوال: اگر جنس انسان کی جبلّی فطرت میں ہے تو اس سے گریز کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: کہا جاچکا ہے کہ جنس انسان کی جبلّی فطرت میں ہے۔آج کے ادب میں اگر اس سے گریز پایا جاتا ہے تو میری نظر میں یہ ذمہّ دارانہ اور معقول طرزِ عمل ہے۔(اس ردِ عمل کا خاطر خواہ جواز ہے

۔اس موضوع پر لکھنے لکھانے کی تحریک دینے ،اصرار کرنے کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔)

سوال: منٹواور عصمت کے بعد جنس کے موضوع پر کن افسانہ نگاروں نے افسانے قلم بند کیے ہیں؟

جواب: واجدہ تبسّم نے سعی کی تھی، دھماکے کر ڈالے تھے لیکن ان کا اوران کی افسانہ نگاری کا جوحشر ہوا اُسے دُنیا نے دیکھا۔منٹواور عصمت کے بعد اس موضوع پر توجہ تر کم دی گئی تو اس کی مختلف وجوہ ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا کا بھی اہم رول ہے۔

سوال: آپ کا وہ کون سا افسانہ ہے جسے آپ نے خود بھی از حد پسند کیا تھا؟

جواب: ''بھیک''

سوال: آپ کا وہ کون سا افسانہ ہے جس کی کہانی کو قاری نے سب سے زیادہ پسند کیا؟

جواب: 'تین بوڑھے'۔

سوال: آپ کو وہ معتبر نقّاد کیوں نہیں ملے جو اُردو افسانے کے پارکھی ہیں؟

جواب: اس سوال پر no comment کہہ کر گزر جانے کی اجازت شاید آپ نہ دیں۔میں صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں کسی گروپ، کسی خیمے، کسی کیمپ سے وابستہ نہیں۔یہ ایک فن ہے اور میں اقرار کرتی ہوں کہ اس میں میری اہلیت صفر کے برابر ہے۔'اُن کا جو فرض ہے وہ اہلِ سیاست جانیں''۔

سوال: کیا آپ شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارگ،قمر رئیس وغیرہ کی تنقید نگاری جو کہ فکشن پر ہے مطمئن ہیں؟اگر ہیں تو کیوں؟

جواب: شمس الرحمٰن فارقہ ،گوپی چندنارگ اورقمر رئیس صاحبان کی تنقید نگاری میرے نزدیک معتبر ہے۔

لیکن تبصرہ نگاری ،کتابوں کے فلیپ لکھنے اور تصنیفات کے اشتہارات کے لیے آراء دینے کی مجبوریاں۔معاذ اللہ! جو کچھ سامنے آرہا ہے وہ اپنی بے وزنی کا احساس بھی ساتھ لاتا ہے۔

سوال: جدیدیت کے دَور میں جوافسانے لکھے گئے ،اُس کی شرح بھی لکھی جانے لگی تھی ،کیا آپ کہانی کی تشریح کی قائل ہیں؟

جواب: کہانی کی تشریح کا خیال ہی رُوح فرسا ہے ۔جدید دَور میں جدیدت کا قائل ،جدید تجریدی مصوّری کے نمونے ،رقص وسرود میں تجریدیت کوتو ہضم کر لیتا ہےلیکن تحریر میں تجریدیت اسے قبض میں مبتلا کر دیتی ہے ۔جس سے آسانی سے جان نہیں چھوٹتی ۔وہ کہانی ہی کیا جس کو سمجھانا پڑے ۔ جوتفہیم وتشریح کی متقاضی ہو۔

سوال: آپ کے وہ پسندیدہ افسانے جودوسروں کے تحریر کردہ ہیں کون سے ہیں؟

جواب :'بوڑھی کا کی' 'بیٹوں والی وِدھوا' (پریم چند)'پریتو' (کرشن چند)،'رضوآپا' (قاضی عبدالستار)،'سمجھوتہ' (اقبال متین)،'پوسٹر' پرندہ پکڑنے والی گاڑی'(غیاث احمد گدّی)'دوشالہ' (جیلانی بانو)،'ہدّ وکاہاتھی'(ذکیہ مشہدی)،'آسیب'(احمد ندیم قاسمی)۔

سوال:قرّ ہ العین حیدر، عالمی اُردونسائی ادب کی نابغہ فکشن نگار ہیں،ان کے بعد آپ کسے پسند کرتی ہیں؟

جواب: جیلانی بانواور رضیہ فصیح احمد۔

سوال:عینی آپا کے کون سے افسانے آپ کو پسند ہیں؟

جواب: 'اگلے جنم موہے بیٹا نہ کیجو'۔

سوال: اُن کے کون سے ناول آپ کو پسند ہیں؟

جواب: 'آگ کا دریا'۔

سوال: کیا اُردو افسانے پرکوئی خالص ادبی رسالہ ہونا چاہیے۔

جواب: بے شک ۔یہ کل بھی ایک ضرورت تھی ،آج بھی ہے..........لیکن اس ضرورت کی تکمیل نہ کل ممکن تھی ،نہ آج ممکن ہے۔اس کے لیے قاری کہاں سے لائیں گے آپ؟

سوال: اُردو کے وہ کون سے افسانہ نگار ہیں جونقاّ ددوں کی سردمہری کا شکار ہوئے؟

جواب: اقبال متین، الیاس فرحت، سلام بن رزّاق وغیرہ۔

سوال: کیا پاکستان میں اُردو افسانہ، ہندوستان سے بہتر تخلیق ہو رہا ہے؟

جواب: جی ہاں۔ کچھ درجہ ہی سہی لیکن پاکستان میں اُردو افسانہ ہندوستان سے بہتر تخلیق ہو رہا ہے۔

سوال: کیا اُردو کی نئی بستیوں کا معاصر اُردو افسانہ، ہندو پاک کے افسانوں سے آگے ہے؟

جواب: اُردو کی نئی بستوں میں معاصر اُردو افسانہ کے موضوعات بھی مخصوص اور منفرد ہیں۔اس لیے وہاں بہتر افسانے تخلیق ہو رہے ہیں۔ ہندو پاک کے افسانوں سے ان کا موازنہ معقولیت کا جواز نہیں رکھتا۔

سوال: کیا آپ کبھی کہانی کی ابتدا کے لیے پریشان ہوئی ہیں۔تب آپ کیا کرتی ہیں؟

جواب: اکثر ہوتی ہوں.......کرتی یہ ہوں کہ جب تک مطمئن نہ ہو جاؤں قلم ہاتھ میں لیتی ہی نہیں ہوں۔

سوال: وہ کون سی کہانی ہے جس نے آپ کو خاصا پریشان کیا؟

جواب: 'ایک گھونٹ زہر' اس میں ایک جملہ تھا ''راون سیتا کو گھر سے اُٹھا کر نہیں لے گیا تھا....... اُس نے مریادا ریکھا پار کی تھی۔'' وکیلوں کے ایک گروہ اور خواتین انجمنوں نے مجھ سے کہا کہ'' آپ خواتین کو پھر سے پردے میں بھیجنا چاہتی ہیں.......انھیں باہر نکلنے سے روکنا چاہتی ہوں۔'' میرا جواب تھا: ''میں خواتین کے لیے مریادا ریکھا کے حق میں ہوں، رہی آزادی کی بات تو میری ہر تحریر آزادیٔ نسواں کے حق میں ہے۔''

سوال: کیا افسانے کو کہانی کرنے کے لیے فنکار کو کردار اپنی مرضی سے تخلیق کرنا چاہیے یا کردار کو از خود آگے بڑھنا چاہیے؟

جواب: کہانی کے تانے بانے میں ابتداءً کردار تو فنکار خود اپنی مرضی سے تخلیق کرتا ہے۔ کہانی کے پلاٹ، مکاں وزماں اور منظر نامہ کی طرح یہ بھی ضروری ہے البتہ بعد کے مرحلوں میں کردار از خود آگے بڑھتے ہیں۔ کردار زخود کہانی بناتے ہیں۔افسانہ نگار ذریعہ بن جاتا ہے۔

سوال: کیا آپ نے موت کو بھی کہانی کیا ہے؟

جواب: اب تک تو نہیں

سوال: آپ کا تخلیقی سفر ابھی جاری ہے، آئندہ کس طرح کے افسانے تخلیق کرنا چاہتی ہیں؟

جواب: میرا میدانِ کار عملاً بے حد وسیع ہے۔ مصروفیات نے حد و بے حساب اور اتنی ہی متنوّع ہیں۔ نثر و نظم کے مختلف شعبوں میں، مختلف اصناف پر تحقیقی وتنقیدی کام ساتھ چلتے ہیں۔ ایک یادگار افسانے کی تخلیق کا خواب ضرور دیکھا ہے لیکن اس کے لیے بے خوابی کی شکار نہیں ہوئی ہوں۔ اب تک تخلیق کردہ افسانوں میں کم از کم دو کے بارے میں کہہ سکتی ہوں کہ ان پر اطمینان ہے۔ کوئی جلدی نہیں۔

سوال: آپ نے کوئی ناول یا ناولٹ بھی لکھا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

جواب: نہیں لکھا۔ وجہ صرف مختلف ومتنوّع اور مسلسل مصروفیت۔ ناول یا ناولٹ لکھنے کے لیے جس نوع کی یکسوئی اور تحمل درکار ہے میں اس کی متحمل نہ ہوسکی۔

سوال: کیا آپ کا کوئی افسانہ ناولٹ یا ناول بنتے بنتے رہ گیا تھا اور کون سا؟

جواب: 'شارٹ کٹ' 'تیسرے راستے کے مسافر' 'گہرے سمندر کا سفر' 'کیل پر ٹنگا بچپن' میرے طویل افسانے ہیں۔ 'ایکلا چلورے' افسانے کو میں ناولٹ بنانا چاہتی تھی........مگر رہ گیا یہ افسانہ پہلے ہندی 'دھرم یگ' میں شائع ہوا، بعد ازاں اُردو میں۔

سوال: آپ کے فن پر سب سے زیادہ سخت تنقید کس نے کی؟

جواب: کسی نے بھی نہیں۔ تنقید ہی نہیں کی گئی۔

سوال: آپ کے نقاد آپ سے جو چاہ رہے تھے، کیا آپ نے اُن کے مطابق افسانے لکھے؟

جواب: مجھ پر لکھا ہی نہ کے برابر گیا۔ تنقید نگاروں کے لیے میری تخلیقات کم ہی موضوع بحث بنی۔ مجھ پر لکھی گئی تحریروں میں مجھ سے توقعات کے ضمن میں کم ہی لکھا گیا۔

سوال: کیا افسانہ کہانی کے پیرائے میں ڈرامہ تجسّس سے مملو ہونا چاہیے؟

جواب: یقیناً،افسانہ کہانی کے پیرایوں میں ڈرامائی تجسسّ سے مملو ہونا چاہیے۔

سوال : کیا پرانے موضوعات کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہے ؟ جیسے آج کل پرانے فلمی گیتوں کا Remake آرہا ہے۔

جواب: Remake کے لیے ادب میں اور خصوصاً اُردو ادب میں کسی بھی صنف کے لیے کوئی جواز معقولیت نہیں رکھتا۔Remake کا خیال خواہ کتنی ہی جدّت لیے ہوئے ہو،ادب میں بے ہودگی کے مترادف ہے، بے تُکا،فضول۔

سوال: کیا اُردو افسانہ ہندوستان کی دیگر زبانوں کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے؟

جواب: بلا شبہ، بے جھجک اُردو افسانہ ہندوستان کی دیگر زبانوں کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے ۔اُردو افسانے کی زبان جو بجائے خود ایک کلچر،ایک تہذتب کی زبان ہے ۔اس کا معیار ووقار فوراً توجہّ مبذول کرلیتا ہے.....جیسے کرشن چندر کا افسانہ'مہالکشمی کا پُل' 'منٹو کا افسانہ' کھول دو'۔'پوسٹر'(غیاث احمد گدّی)'چوتھی کا جوڑا'(عصمت چغتائی)وغیرہ۔

سوال: کیا معاصر اُردو افسانہ عالمی افسانوں کے ساتھ فخر سے رکھا جاسکتا ہے؟

جواب: رکھا جاسکتا ہے۔ پریم چند کا افسانہ'کفن' قاضی عبدالستّار کا'پیتل کا گھنٹہ'سیدّ محمد اشرف کا' ڈار سے بچھڑے'.................

سوال: کیا آپ اپنی سوانح لکھنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟

جواب: سوانح لکھوا کر، مرتّب کروا کر، دھما کہ دار اجراء کروانے، ٹھیکے سے کام کروانے کو ادیب کی شان اور منصب کی منافی گردانتی ہوں۔خواہش تو ہے،تاہم وقت نکالنا ممکن نہیں۔

سوال: کیا آپ نے ڈرامے لکھے ہیں؟ وہ کون سے ہیں؟

جواب: اُردو میں کم لکھے ہیں، ہندی میں بہت زیادہ......خصوصاً بچّوں کے لیے یک بابی ڈرامے۔

سوال: کیا آپ کا کوئی ڈرامہ اسٹیج بھی ہوا ہے؟

جواب : 'ایک بیمار سوانار' 'میڈم میری' 'مجھے شکایت ہے' ڈرامے اسکولوں ،کالجوں میں اسٹیج

کیے گئے۔

سوال: کیا آپ کا کوئی افسانہ بھی اسٹیج ہوا ہے

جواب: نہیں،لیکن آچاریہ چتر سین شاستری کی ایک کہانی 'دُکھوا میں کاسے کہوں' کوڈرامے کی شکل دے کر میں نے کئی مرتبہ اسٹیج پر پیش کیا ہے۔

سوال: کیا آپ نے فلموں کے لیے کہانی لکھنے کی سعی کی تھی؟

جواب: میں نے سعی نہیں کی لیکن 'دھرم یُگ' کا دہلی' 'سشما' میگزینوں سے میری کہانیاں لے کراُن پر سیریل کEpisodeاور ٹی وی فلم بنائی گئی ....(تیسرے راستے کے مسافر،گڑیا اور تین بوڑھے۔)

سوال: جدید اُردو ڈرامہ اوراسٹیج کمزور کیوں ہے؟

جواب: جدید اُردو ڈرامہ اوراسٹیج باشعور ناظرین کی سرپرستی سے محروم ہے۔رسمی تعاون،سرپرستی اور حکومت یااداروں کی محدود مالی امداد سے ڈرامہ فروغ نہیں پارہا ہے۔

سوال: اُردوافسانے کے قاری اورافسانہ نگاروں کے لیےکوئی پیغام!

جواب: صرف ایک بات -۔زبان وادب کی قدر کیجیے۔شوق کے ساتھ صحیح ذوق کی پرداخت اورترقی کے لیے توجہّ اور محنت کی ضرورت ہے۔زبان وادب کے واسطے سے مکمّل انسان کی شخصیت کی تکمیل میں مدد ملتی ہے۔

(حصّہ ب)

سوال: آپ نے افسانے کے ساتھ طنز ومزاح کی طرف بھی توجہّ کی۔اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے: 'المِلحُ فِی الکلام، کالمِلحُ فِی الطّعَام یعنی کلام میں مزاح کو وہی اہمیت حاصل ہے جو کھانے میں نمک کو ہے۔واقعی حِس مزاح ایک نعمت ہے۔ربّ العزّ ت کی عنایتِ خاص ہے۔جو اس نعمت سے محروم ہے،بدقسمت ہے۔طنز ومزاح میں دلچسپی اور تخلیق میں عملاً اپنی تحریروں کے واسطے سے شامل ہونا،اپنی شخصیت کی تکمیل کی طرف اقدام ہے۔

سوال: آپ نے کیسے اور کب محسوس کیا کہ آپ طنز ومزاح بھی لکھ سکتی ہیں؟

جواب: زندگی میں مشاہدے اور تجربے کے دوران جب بھی کوئی ناہمواری یا بے اعتدالی دیکھی (خصوصاً تعلیمی میدان میں) تو لب پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی:

کوئی مصلحت روک دیتی ہے ورنہ
بدل دیں زمانے کو جی چاہتا ہے

محسوس ہوا کہ اعلیٰ ظرف اسی طور محظوظ ومسرور ہوا کرتے ہیں، چنانچہ انھیں بے اعتدالیوں سے لطف اندوز ہونے اور ان پر لکھنے کا خیال آیا۔

سوال: عالمی معاصر طنز ومزاح نگار خواتین کی کمی کیوں ہے؟

جواب: اپنی ذمہ داریوں سے کبھی عہدہ برآ نہ ہو پانے والی خواتین کو غالباً اس طرف توجّہ دینے کا خیال ہی نہ آیا....... یا انھوں نے زندگی کو اس رُخ سے، اس زاویے سے نہیں دیکھا........ یا انھوں نے اس صنف کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا۔

سوال: آپ کے خیال میں آپ کی معاصرین طنز ومزاح نگار خواتین میں سے اچھی تحریریں کس کی ہیں؟

جواب: فوری طور پر صرف شفیقہ فرحت کا نام آتا ہے یا پھر حبیب ضیاء کا۔

سوال: طنز ومزاح میں سے آپ کسے زیادہ پسند کرتی ہیں؟

جواب: مزاح کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔

سوال: عموماً طنز ومزاح نگار حضرات بات سے بات نکالتے چلے جاتے ہیں۔ ’پیاز کے چھلکوں کی طرح‘ آخر میں ہوتا کچھ نہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟

جواب: قطعی مختلف خیال ہے......مشتاق احمد یوسفی، کرنل محمد خاں، ابنِ انشاء، مشفق خواجہ وغیرہم کی تحریریں بڑی شاندار ہیں۔ عالمی سطح پر کسی بھی زبان کے ادب کے بالمقابل ان کی تحریروں کو رکھا جا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں فکر تونسوی اور ابنِ صفی کی تحریروں میں بھی طنز ومزاح کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔

☆ یک موضوعی اُردو رسائل میں 'شگوفہ' کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہے، کیا ایسا ایک آدھ رسالہ اور نکلنا چاہیے؟

جواب: 'شگوفہ' کو تاریخی اہمیت حاصل ہے اور یہ کافی ہے۔ کسی دوسرے رسالے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

سوال: کیا آپ طنز ومزاح کے اسلوب میں کوئی ناول لکھنا پسند کریں گی؟

جواب: بڑا کامل ہے، صبر آزما کام ہے لیکن اگر کبھی ناول لکھا تو وہ طنز ومزاح کے اسلوب ہی میں ہوگا۔

سوال: ماضی کے طنز ومزاح نگار قلم کاروں نے جو کردار تخلیق کیے تھے وہ آج بھی زندہ ہیں، اب ایسے کردار کیوں تخلیق نہیں ہو رہے ہیں؟

جواب: یہ صحیح ہے کہ ماضی کے طنز ومزاح نگاروں نے چچا چھکّن، خوجی، حاجی بغلول، خانم جیسے لافانی کردار تخلیق کیے مگر اب ایسے کردار تخلیق نہیں ہو رہے ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں، مشتاق احمد یوسفی کی زرگزشت کا مرکزی کردار، مشفق خواجہ کا 'خامہ بگوش' وغیرہ زندہ جاوید کردار ہیں بلکہ اگلے وقتوں کے لوگوں کے کرداروں سے مختلف، زیادہ توانا اور حقیقت پسندانہ کردار ہیں۔

سوال: اعتدال اور پھکّڑ پن سے عاری طنز ومزاح کم تخلیق ہو رہا ہے۔ اس کا سبب؟

جواب: شائستہ اور شستہ مزاح کے نمونے کم ہی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ غالباً ٹریٹمیٹ اور فنکاروں کا عجز ہے۔ عموماً طنز ومزاح بات سے بات نکالنے، فقرے بازی اور لطیفے گوئی سے کم ہی آگے بڑھا ہے۔ ویسے چند اچھے نمونے اور مثالیں تو بہر حال مل ہی جائیں گی۔

سوال: طنزیہ ومزاحیہ شاعری کا وہ معیار نہیں رہا جو دلاور فگار، غلام احمد فرقت کاکوروی، رضا نقوی واہی وغیرہ کے یہاں تھا۔ کیا آپ اس سے اتفاق کرتی ہیں؟

جواب: یقیناً۔ ان کے بعد کوئی قابلِ ذکر نام نہیں ملتا لیکن جنوبی ہند میں سلیمان خطیب کی دکنی زبان میں کی گئی شاعری کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: مزاحیہ قلم نگاروں میں مشفق خواجہ برانڈ قلم نگار اب خال خال ہی رہ گئے ہیں، کیا خیال ہے؟

جواب: مزاحیہ قلم نگاروں میں مشفق خواجہ کہ ہمسری کا تصوّر بھی محال ہے۔ وہ اپنے طرز کے بانی بھی تھے۔اور خاتم بھی۔مزاحیہ قلم نگاری اوروں نے بھی کی ہے، کررہے ہیں مگر وہ خانہ پری کے ذیل میں آتی ہے۔

سوال: کسی پر خاکہ لکھنے کے لیے کن امور کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے؟

جواب: خاکہ نگاری کے لیے تعلقاتس اور رسمی پاسداریوں سے بلند ہونا از بس ضروری ہے۔تحریر کی شگفتگی اور شائستگی لازمی عناصر ہوتے ہیں۔ابتذال اور پھکڑّ پن کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

سوال: کیا آپ نے بھی خاکے لکھے ہیں؟

جواب: خالصتاً خاکہ نگاری کی طرف توجہ نہیں دی۔(ہندی میں البتہ لکھے ہیں)

سوال: کیا اُردو شاعرات نے طنزیہ ومزاحیہ شاعری کی ہے؟ یا کر رہی ہیں؟ چند ایک نام اور مثالیں دیجیے۔

جواب: اس طرح کی کوئی با قاعدہ کوشش اور باضابطہ تخلیق نظر سے نہیں گزری۔

سوال: طنز و مزاح نگاری میں آپ کن امور کا خاص طور پر خیال رکھتی ہیں؟

جواب: سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھتی ہوں کہ مزاح شائستہ ہو،طنز اپنی حد میں رہے۔ طنز و مزاح نگاری فرمائشی نہ ہو۔کوئی نئی بات ہو، کہنے کے لیے واقعی کچھ ہو اور بیانیہ کے لیے کوئی دلچسپ پیرایہ ذہن میں ہو تو قلم اُٹھایا جائے۔

سوال: معاصر طنز و مزاح نگاروں میں آپ کن سے متاثر ہیں؟

جواب: مشتاق احمد یوسفی، کرنک محمد خاں،ابنِ انشاء، مشفق خواجہ اور یوسف ناظم۔

سوال: نئی نسل کے طنز وزاح نگاورں میں کن سے مستقبل روشن ہوگا؟

جواب: کوئی قابلِ ذکر نام نہیں۔

سوال: مشاہیر قلم کاروں کے ادبی لطائف میں جو طنز و مزاح کی چاشنی ملتی ہے وہ اب ہمارے قلم کاروں کے ہاں خال خال ہے۔ایسا کیوں ہے؟

جواب: تیز رفتار سائنسی سوچ، کاروباری اندازِ فکر وغیرہ عوامل نے انسان کے فکری نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ یہ عوامل ہماری سوچ پر، ہمارے ذوق پر اثر انداز ہوئے ہیں۔اس سے ماحول کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں سے لطف اندوز ہونے کی حِس بھی متاثر ہوئی ہے۔مسکرانے کی وہ ادا رخصت ہوئی، ہنسنے کا وہ انداز عنقا ہوا۔خالی کھوکھلی ہنسی اور پھیکی مسکراہٹیں اعلیٰ ادب کی تخلیق سے قاصر ہوتی ہیں۔

سوال: اپنے کچھ ایسے لطائف سنایئے جو آپ سے منسوب کر دیے گئے ہیں۔

جواب: ایک روز ہم نے اسٹاف روم میں حج بیت اللہ کا اپنا قصد ظاہر کیا۔ایک سینئر لکچرر بولے: ''کیوں؟ سوچو ہے پورے ہو گئے کیا؟ ہم نے سنجیدگی سے کہا: ''نہیں، ایک باقی ہے۔آپ کو واپس آ کر کھائیں گے۔''

سوال: ادبی لطائف میں سے اپنی پسند کا لطیفہ سنایئے۔

جواب: کسی یونیورسٹی کا ایک نوجوان لکچرر، جس نے حال ہی میں ڈاکٹریٹ کی تھی جب ادیبوں کی ایک محفل میں کسی ادبی بحث میں ناکام رہ کر اپنی علمیت کا پول خود ہی کھول چکا تو بسمل سعیدی نے فی البدیہہ یہ شعر کہہ کر اُس کی نزر کر دیا:

تعلیم تیرے جوہرِ ذاتی کو کھا گئی
آبِ حیات پی کے تجھے موت آ گئی

کچھ وقت اور فرصت ملے تو ایسے کئی لطائف پیش کیے جا سکتے ہیں۔

سوال: 'ترا ممنون ہوں' میں آپ کے جو مضامین شامل ہیں وہ انشائیہ سے زیادہ قریب ہیں۔آپ نے انشایئے ہی کیوں نہیں لکھے؟

جواب: کوئی مزاح نگار، خواہ کتنا ہی اوریجنل ہو، راست مزاحیہ تحریروں کی طرف مشکل ہی سے آتا ہے۔اسے مزاحیہ انشائیوں کے واسطے سے خالص مزاح کی طرف رجوع ہوتا دیکھا گیا ہے۔میں اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔

سوال: طنز و مزاح اور انشائیہ میں جو فرق ہے اسے آپ نے ملحوظ رکھا؟

جواب: اس اظہارِ خیال ہو چکا۔ مزاحیہ انشائیوں سے سفر کا آغاز، پھر مزاحیہ مضامین اور بعد میں خالص انشائیے۔

سوال: انشائیہ کی صنف کو پاکستان میں وزیرآغا نے فروغ دیا۔ ہندوستان میں اُس کو فروغ نہیں ملا جو طنز و مزاح نگار دے سکتے تھا؟ ایسا کیوں؟

جواب: وزیرآغا واقعی انشائیہ کے صنف کے امام ٹھہرے۔ ہندوستان میں کم ہی فنکار اس صنعت کی ہیئت، عناصر، تقاضوں کو سمجھے۔ انھوں نے طنز و مزاح نگاری کو ثانوی حیثیت دی۔ یوروپی زبانوں کے مشہور قلم کار جہاں طنز و مزاح نگاری کی طرف مکمّل توجہّ دے کر اسے پروان چڑھا سکے اور Essay جیسی صنف کے ہم پلہّ انشائیہ کو بھی فروغ دے سکے وہاں ہمارے یہاں کل وقتی ادیب کا تصوّر عنقا ہے........ غالبًا اسی وجہ سے طنز و مزاح نگاری کے ساتھ مکمّل انصاف نہ ہوسکا۔ انشائیہ جیسی صنف کی پرداخت اور نشو و نما کے لیے فضا سازگار نہ ہوسکی۔

سوال: طنز و مزاح اور انشائیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: خالص مزاحیہ، نثری مضمون اور تحریر جو تفریحِ طبع کی خاطر لکھی گئی اور جس میں زندگی، حالات کی ناہمواریوں، بے اعتدالیوں کی طرف توجہ مبذول کرتے ہوئے، چبھتے ہوئے انداز میں صورتِ حال میں اصلاح کی طرف دھیان دلایا جائے طنز و مزاح کی تحریر کی مثال ہوگی جبکہ اسی تحریر میں واقعاتی، لمحاتی ہنگامی کیفیات، حالات و کوائف کم اور فکری عنصر زیادہ ہو، بات طنز و مزاح کے پیرائے میں کہی گئی ہو لیکن جو بعد میں سنجیدگی سے مسائل و معاملات پر غور و فکر کرنے کی طرف توجہ مبذول کرے، انشائیہ کے ذیل میں شمار ہوگی۔

سوال: کیا آپ نے طنزیہ شاعری بھی کی ہے؟

جواب: جی نہیں۔

(حصہّ ج)

سوال : 'بچوں کا ادب' تخلیق کرنے کی طرف آپ کس طرح مائل ہوئیں؟

جواب: مدّت سے درس وتدریس سے جڑی ہوئی ہوں ۔کم عمر کے، بڑی عمر کے بچّوں ،لڑکے لڑکیوں کوقریب سے دیکھنے ،انھیں سمجھنے کا موقع ملا۔بچّوں ہی کونہیں ان کے اساتذہ کوبھی درس دیتی رہی ہوں اورآخرش اس نتیجہ پر پہنچی کی کم عمریانوعمر بچّوں کوسمجھانا،سکھانا اصل چیلنج ہے۔اس مسئلہ پراور اس کے مؤثرحل کے لیے تدابیرغوروفکر کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ ان کے لیے خالص اوران کے مزاج کے موافق ادب تخلیق کرنے کی سعی کی جائے جوان کے لیے دلچسپی اورتفریح کا سامان بھی مہیا کرے،ان کے علم میں اضافہ کا موجب بھی بنے تو بہتر....بس لکھنا شروع کردیا بچّوں کے لیے۔

سوال: وہ کون سی تحریر یا شخصیت ہے جس نے آپ کواس خاص اورنازک صنف کی طرف متوجہّ کیا؟

جواب: میری والدہ...وہ بچپن میں ہماری ہرغلط بات کوٹھیک کرنے کے لیےکوئی نہ کوئی کہانی سنایا کرتیں۔ ہماری تعریف کرنی ہوتی یا ہماری حوصلہ افزائی کرنی ہوتی تب بھی کسی بڑی شخصیت کے بارے میں بتاتیں اورکہتیں کہ اچھا کام کرکےتم بھی ایسا ہی نام کما سکوگی .....ان ہی سے میں نے سیکھا کہ بچّوں کو کہانیوں کےذریعے بہت کچھ سکھایا جاسکتا ہے۔

سوال: بچّوں کے لیےادب تخلیق کرتے وقت آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟

جواب: بچّوں کا ادب تخلیق کرتے وقت ان کی طبعی عمر،ذہنی عمر،ان کی دلچسپیاں،ان کے مشغلے دھیان میں رکھتی ہوں ۔ان کے جزبات واحساسات اوراُمنگوں وغیرہ کا اندازہ کرکے ان کے لیے کیا،کتنا کب،کس طرح دینے کی ضرورت ہےاس کا خیال کرکے لکھتی ہوں۔

سوال: ادبِ اطفال کواہم قلم کاروں نے اپنافن نہیں بنایا جبکہ ماضی میں اقبالؔ،سیمابؔ وغیرہ کےشعری مجموعوں میں بچّوں کے لیےنظمیں موجود ہیں،ان کے علاوہ شفیع الدین نیرّ ،اسماعیل میرٹھی وغیرہ نے بچّوں کے لیےنظمیں لکھی تھیں۔کیا آپ کوان بزرگوں سے تحریک ملی؟

جواب: ادبِ اطفال کی ضرورت واہمیت کوکوئی باشعوراورذمہ دار فنکارنظرانداز نہیں کرسکتا۔اقبال اور

سیمابؔ تو دانشوروں میں تھے۔دونوں کے پاس ایک مخصوص فکری نظام تھا۔دونوں بھلا اس اہم ضرورت کو کیوں کر نظر انداز کر سکتے تھے۔شفیع الدین نیرّ اور اسماعیل میرٹھی جیسے اصحاب کی فکر اور دُور اندیشی کی تعریف کرتے ہی بنتی ہے۔یہ دونوں اصحاب نہ صرف قادر الکام شاعر تھے بلکہ کامیاب معلّم اور مدرّس کے تمام اوصاف سے متصف تھے۔ان بزرگوں سے بچّوں سے بات کرنے اور ان تک اپنی بات پہنچانے کا ہنر سیکھنے کو ملا۔

سوال: نثر کے ساتھ آپ نے بچّوں کے لیے نظمیں تخلیق کی ہیں۔اس کی کوئی خاص وجہ؟

جواب: جہاں ضرورت محسوس کی کہ اس بات کو ایک چھوٹی سی نظم میں پیش کیا جا سکتا ہے وہاں نظم کہی نظموں کی اشاعت کی طرف توجہّ البتہ بعد میں کی۔

سوال: ماضی میں بچّوں کے رسائل 'کھلونا'، 'پھلواری'، 'نونہال'، 'غنچہ وغیرہ شائع ہوتے تھے۔اب ہندوستان میں 'اُمنگ'، 'پیامِ تعلیم'، 'گل بوٹے' اور پاکستان میں 'نونہال' وغیرہ شائع ہو رہے ہیں۔کیا مزید رسائل کی ضرورت ہے؟

جواب: ماضی میں جو رسائل شائع ہوتے تھے ان کی خدمات اور اہمیت کا صحیح اندازہ بعد کی نسل کو نہیں۔ آج جو رسائل شائع ہو رہے ہیں غنیمت ہیں۔نئے رسائل کی ضرورت پر غور کرنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کی سعی کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔مدرسوں، مکتبوں، اسکولوں میں لائبریری کا نظم ہونا، الماریوں کے تالے کھلنا تا کہ یہ سب کچھ ان بچّوں تک پہنچے جن کے لیے تیاّر کیا گیا ہے۔

سوال: اُردو میں بچّوں کے لیے کارٹونی ادب کو فروغ نہیں ملا۔اس کی وجہ؟

جواب: اُردو میں بچّوں کے لیے کارٹونی ادب کو فروغ نہ ملنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ بڑوں کے ذریعے اسے صحیح طریقے سے متعارف نہیں کیا جاتا۔کارٹونی ادب کی اہمیت صرف نوعمر بچّوں کے لیے ہے۔ بڑوے بچّوں کی کارٹونی ادب میں دلچسپی ان کی صلاحیتوں و توانائیوں اور وقت کا ضیاع ہے۔

سوال: اُردو میں بچّوں کے لیے رسائل میں کارٹونی سلسلے ہیں لیکن علاحدہ سے کوئی کارٹونی سلسلہ شائع نہیں ہوتا۔کیا اس کی ضرورت ہے؟

جواب: بچّوں کے رسائل میں جو کارٹونی سلسلے اس وقت دیے جا رہے ہیں، کافی ہیں۔ علاحدہ سے ایسے کسی کارٹونی سلسلے کی ضرورت میں محسوس نہیں کرتی۔

سوال: اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں 'بچّوں کا ادب' بھرپور انداز میں منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ؟

جواب: اسکولی نصابات کا ہم مرکزیت سے Ccncentric ہونا ضروری ہے۔ موجودہ نصابات کے مشمولات اور منتخبات میں منطقی تسلسل کی تلاش بے سود ہے۔

سوال: کیا اسکولی نصابات سے آپ مطمئن ہیں؟

جواب: نہیں۔

سوال: درس و تدریس میں آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟

جواب: پڑھاتے وقت جن امور کا خیال رکھنا ہوتا ہے ان میں دو باتیں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اوّلاً جو درس دیا جانا ہے وہ سابقہ درس سے منطقی طور پر مربوط ہے یا نہیں اور آگے دیے جانے والے درس کا مکمّل منصوبہ ہمارے ذہن میں ہے یا نہیں۔ دوم سوچی سمجھی، شعوری کوشش کامیاب اور مؤثّر تدریس کے لیے ضروری ہے۔

سوال: کیا بچّوں کو نصابات کے علاوہ معاون کتب سے متعارف کرانا چاہیے؟

جواب: یقیناً۔ معاون کتب میں دلچسپی پیدا ہو اس سمت میں شروع سے ہی بچّوں کو راغب کرنا ضروری ہے۔ تا کہ کچھ وقت کے بعد وہ معاون کتب اور پھر ان کے واسطے سے لائبریری کے ساتھ دوستی کے رشتے میں بندھ جائیں۔

سوال: بچّوں کی نفسیات کا مطالعہ ہی بچّوں کے لیے ادب کی تخلیق کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

جواب: بالکل صحیح ہے..... بچّوں کی نفسیات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

سوال: ایک بچّے کی نفسیات دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: یہ ایک آفاقی حقیقت ہے۔اس سے اختلاف ممکن نہیں۔

سوال: بچّوں کے لیے کس طرح کا نصاب ہونا چاہیے؟

جواب: بچّوں کے ادیب اور معلّم / مدرّس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچّوں کی سوچ ،فکر، حرکت وسکنات اور دلچسپیوں میں عمومیت کھوجے ،عمومی عناصر اخذ کر کے ان کی بنیاد پر بچّوں کے لیے درسی تجربے ترتیب دے۔

سوال: اگر آپ کو بچّوں کے لیے کوئی نصاب مرتّب کرنے کے لیے کہا جائے تو آپ کی ترجیحات وانتخاب کیا ہوگا؟ (نثر و نظم دونوں اصناف میں)

جواب: بچّوں کے طے کردہ نصاب طویل مدّتی ہوں ، ہر مرحلے پر نصاب کے لیے مشمولات / منتخبات طے کیے جائیں۔'ہم مرکزیت' کو اوّلیت دی جائے۔آسان سے مشکل، سادہ سے پیچیدہ کی طرف رُخ ہو۔ بزرگ استاد شعرا کا کلام (نظمیں) اور بزرگ مصنفوں کی نثر کے نموں نے ابتدائی مرحلے میں ہرگز متعارف نہ کیے جائیں۔ضرورت کے تحت بچّوں کے رسائل سے انتخاب کیا جائے۔

(حصہ دّ)

سوال: آپ نے شاعری بھی کی ہے۔اس صنف کی طرف کس طرح مراجعت کی؟

جواب: اس صنف کی طرف راغب ہونے کی کوئی خاص وجہ نہیں۔مہارشٹر کا برار علاقہ بے شک بڑا مردم خیز رہا ہے۔لیکن یہ تاریخ ہے کہ میرا جس ضلع سے تعلق ہے وہاں کوئی ادبی ماحول نہ تھا،شعری روایت عنقا تھی۔اپنے طور پر جو کرنا تھا کرتی رہی۔شعر کہے تو مولانا ابومحمد امام الدین آسؔی رام نگری کو دِکھائے۔ انھوں نے اصلاح دی اور احساس دلایا کہ تم شعر کہہ سکتی ہو،تو کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔

سوال: کیا آپ نے باقاعدہ عروض کا گیان حاصل کیا ہے؟

جواب: باقاعدہ تو نہیں۔ضرورت بھر گیان حاصل کیا۔

سوال: کیا کوئی شعری مجموعہ شائع کرانے کا ارادہ ہے؟

جواب: شاعری میں دلچسپی اور شعر کہنے کی مدّت بہت مختصر رہی۔اتنا کچھ نہیں کہا کہ شعری مجموعہ

ترتیب دیا جا سکے۔البتہ بچّوں کی نظموں کا مجموعی عنقریب شائع ہورہا ہے۔اُردو اور ہندی میں ایک ساتھ۔

سوال: عالمی اُردوشاعرات میں آپ کی پسندیدہ شاعرات اوراُن کے منیخب اشعارکون سے ہیں؟

جواب: عالمی اُردوشاعرات میں پروین شاکر،زہرہ نگاہ کی شاعری مجھے پسند ہے۔منتخب اشعار کی فہر ست طولانی ہوگی۔

سوال: اپنے چند منتخب اشعار لکھیں:

جواب: دین پیارا ہے ہم کو دُنیا سے اپنے اپنے حساب ہوتے ہیں

جو بڑھاپے کا آسرا نہ بنیں ایسے بچّوں پہ باپ روتے ہیں

سر پر اُس کا سایہ ہے ہی چلنے بھر کو زمیں چاہیے

نہ پائی جنھوں نے محبت کبھی وہ راہِ تشدّد پہ چلتے رہے

سوال: عالمی معاصر اُردوشاعری سے آپ مطمئن ہیں؟

جواب:عالمی شاعری کیفیت کے اعتبار سے خاصی ہے۔مطمئن نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

(حصہ رّ)

سوال: آپ نے اُردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبانوں میں بھی لکھا اور ترجمہ کیا ہے۔کیا ان دوزبانوں میں آپ کی تخلیقات کتابی صورت میں شائع ہوئی ہیں؟

جواب: انگریزی اور ہندی زبانوں میں لکھا ہے۔انگریزی میں اخبارات میں لکھا ہے۔علمی وتعلیمی مسائل وموضوعات پر متعدّد مضامین شائع ہوئے ہیں۔ان کو کتابی شکل دینے کا خیال ذہن میں نہیں آیا اس لیے کہ وہ ریسرچ جرنلس میں لائبریوں میں محفوظ ہیں۔ہندی میں تخلیقات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔جم کر لکھا ہے۔کتابیں شائع ہوئی ہیں۔کم وبیش تمام اہم اور مؤقر رسائل میں کہانیاں شائع ہوئی ہیں۔ادھر کچھ رسالوں سے تحقیقی مضامین شائع ہورہے ہیں۔افسانوں کے چار مجموعے، یک بابی ڈراموں کے پانچ،طنز ومزاح کے دو، کہانیوں (بچّوں کی) کے دو، تحقیقی وتنقیدی مضامین کے دو مجموعے۔اس

طرح ایک طویل فہرست ہے، جن پر متعدّ اداروں کی جانب سے، مرکزی حکومت کی جانب سے انعامات سے نوازا جاچکا ہے۔

سوال: اُردو سے مراٹھی اور اُردو سے انگریزی میں ترجمہ کرنے میں آپ کے مشکل ترین مرحلے کیا تھے؟ آپ نے کس طرح ان پر قابو حاصل کیا؟

جواب: میں نے زیادہ تر ترجمے مراٹھی سے اُردو، ہندی، ہندی سے اُردو، انگریزی سے اُردو میں کیے ہیں۔ ان میں زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

سوال: اُردو کے علاوہ جن دیگر زبانوں میں آپ نے لکھا تو وہ رسائل اور کتابیں کون سی ہیں؟

جواب: ہندی میں 'دھرم یُگ' 'ہندوستان' 'ساریکا' 'واگرتھ' 'اِندرپرستھ بھارتی '،'وپاشا'، 'اتر پردیش'،' آج کل'،'تلسی پر بھا' ' واما'،'منورما' 'ہنس'،'اسپات بھاشا بھارتی '،'پراگ'،'نندن' ، ' بالوایٹکا'،'بال ہنس'،'بال بھاتی '،'بال پر ہری'،'بچوّں کا دیش'،'پرینا'،'دیوپُتر'،'نسینہہ '،'اچھے بچےّ'،'پتر کارسمن' وغیرہ رسائل میں میری کہانیاں اور مضامین باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں۔

سوال: اُردو قاری اور ہندی کے قارئین میں آپ کو کیا فرق محسوس ہوا؟

جواب: اُردو ہو یا ہندی اگریزی، قارئین کے ردِّ عمل اور interaction سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں کوئی تخصیص مناسب نہ ہوگی۔

سوال: سب سے زیادہ کس زبان نے آپ کی تحریروں کو پزیرائی دی؟

جواب: ہندی زبان نے تحریروں کو پذیرائی دی، قدر افزائی ہوئی۔ انعامات واعزازات سے نوازا گیا۔ اہم تبصروں، تذکروں میں ذکر ہوا۔

سوال: کیا ہندی اور انگریزی سے معاوضہ بھی ملتا ہے؟

جواب: جی ہاں۔ دنوں زبانوں میں تحریروں کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔

سوال: کیا اُردو والوں کو ہندی اور انگریزی میں بھی اپنی کتابیں شائع کروانی چاہیے؟

جواب: اگر ہندی اور انگریزی زبانیں اچھی طرح جانتے ہوں تو ہی شائع کروانا چاہیے۔ محض ترجمہ

کروا کر رسم الخط تبدیل کر کے شائع کرانے میں کوئی مطلب نہیں۔اس سے پہلے اُردو، ہندی کے میل جول کے لیے سازگار فضا کی تعمیر میں کوشاں ہونا چاہیے۔

(حصّہ س)

سوال: اُردو کی درس وتدریس کے دوران آپ کے تجربات ومشاہدات کیا رہے؟

جواب: بدقسمتی سے مجھے اُردو اسکولوں یا کالجوں میں اُردو پڑھانے کے مواقع نہیں ملے۔اس لیے اس ضمن میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔

سوال: کیا اُردو رسم الخط سائنٹفک ہے؟

جواب: بے شک ہے مگر کسی بھی زندہ اور ترقّی یافتہ یا ترقّی پذیر زبان کا رسم الخط کتنا ہی علمی یا سائنٹفک ہو، نقائص سے پاک نہیں ہوتا، اُردو بھی اُس سے مستثنیٰ نہیں۔

سوال: کیا اُردو ہندی تنازعہ سیاسی ہے؟

جواب: خالصتاً سیاسی ہے...اور وہ بھی کوئی معمولی نہیں، مکّارانہ، متعفّن سیاسی تنازعہ ہے۔

سوال: کیا ہندوستان میں اُردو کا مستقبل محفوظ نہیں ہے؟

جواب: نہیں ہے۔

سوال: کیا آپ نے دُوردرشن کا اُردو چینل دیکھا ہے؟ اس کے پروگرام آپ کو کیسے لگے؟ ان میں کس طرح کی تبدیلی ہونی چاہیے؟

جواب: مصروفیات کے سبب اس طرح کبھی نہیں دیکھا کہ رائے دے سکوں۔

سوال: کیا اُردو والوں کا اپنا نجی 'اُردو چینل' ہونا چاہیے؟

جواب: جی ہاں۔مگر چینل شروع ہونے پر جتنی محنت کی جاتی ہے اُس سے زیادہ اس چینل کے تعارف اور اس کو مقبول عام بنانے کے لیے ہونی چاہئیں۔

سوال: کیا کسی عالمی اُردو فنونِ لطیفہ اور ادب چینل کی ضرورت ہے تا کہ فائن آرٹس پر خصوصی توجّہ دی جا سکے؟

جواب: اس ضمن میں اتنا ہی کہوں گی کہ اگر عالمی اُردو چینل ہو تو اس میں صرف اُردو زبان وادب ہی پر پروگرام ہوں۔ فائن آرٹس کے ساتھ اسے گڈ مڈ نہ کیا جائے۔

سوال: کیا مختلف channels کے سیریلس سے آپ مطمئن ہیں؟

جواب: قطعی نہیں۔ یہ سیریلس کمرشیل زیادہ ہیں۔ اشتہارات کی مجبوری انھیں کسی طرح بھی اصل سے قریب نہیں ہونے دیتی۔ یہ سیریلس ہندوستانی تہذیب کے نام پر دھبہّ ہیں۔

سوال: ہندی فلموں کی زبان ہندی ہے یا اُردو؟

جواب: ہندی فلموں کی زبان پہلے بھی اُردو تھی، آج بھی اُردو ہے۔ لیکن اُردو کو نہ ماننے، اُس کا 'ہندی کرن' کرنے کی شعوری کوششوں کے نتیجے میں ایک مغلوبہ زبان فلموں میں عام ہو چلی ہے۔

سوال: کیا ہندی فلموں کی زبان 'ہندوستانی' ہونی چاہیے؟

جواب: میرے حمایت یا مخالفت میں رائے دینے سے کیا ہوگا؟ جو بھی ہو واضح طور پر ہوتا کہ اس کی روشنی میں اُردو والے کوئی صحت مند/ تعمیری منصوبہ تیاّر کر کے اس پر عمل کر سکیں۔

سوال: اُردو چینل کی زبان اُردو یا ہندوستانی، کون سی ہونی چاہیے؟

جواب: اُردو چینل کی زبان اُردو ہونی چاہیے۔ ٹیلی کاسٹر بھی اُردو والے ہی ہوں۔

سوال: کیا اُردو کے تمام مسائل کے لیے کوئی 'عالمی اُردو مرکز' ضروری ہے؟

جواب: ہاں۔

سوال: ہندی فلموں میں بیشتر مکالمے اُردو میں ہوتے ہیں تب پھر انھیں ہندی کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب، اس کے پسِ پشت حکمتِ عملی یا سوچ سے ہم سب واقف ہیں۔

سوال: اُردو کی درس وتدریس کے لیے آپ کے ذہن میں کیا خاکے ہیں؟

جواب: اُردو درس وتدریس کے معیار کو درست کرنے، اس میں اضافہ کرنے کے لیے صرف باتیں نہ کی جائیں عملاً کچھ کیا جائے۔ ایک مخصوص مدّت کے لیے منصوبہ بنایا جائے۔ نتیجہ خیز اقدامات اور سرگرمیوں کا منصوبہ بنا کر اس پر عمل آوری کا نظام الاوقات طے کیا جائے۔ وقفہ وقفہ سے کسی بیرونی ایجنسی سے عمل

آوری کا جائزہ لیا جائیں۔ معینہ مدّت کے بعد باقاعدہ اعلان کیا جائے کہ اس طرح کے ایک معینہ پروگرام عمل آوری کے بعد مقاصد کا حصول ہو چکا ہے۔ ایک منصوبہ ختم ہونے کے بعد فوراً دوسرا منصوبہ ہو۔ ہر مرحلہ پر اس کا باضابطہ اعلان ہو۔ بات عوام کے علم میں ہوتا کہ کوئی بھی شخص ان میارات کے مطابق کارکردگی دیکھ کر اتفاق یا اختلاف کرنے کے موقف میں ہو۔

سوال: کیا ہندی والے اُردو سیکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں؟

جواب: ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ دراصل ایک خلیج درمیان میں ہے۔ سیاسی لوگوں کی طرف سے غلط فہمیاں پیدا اور بڑھائی جارہی ہیں۔ اس خلیج کو پاٹنا بہت ضروری ہے۔ مصالحتی نہیں مفاہمتی فضا کی تمیر بہت ضروری ہے۔ باہمی رشتے اعتماد کی بنیادوں پر مضبوط ہوں۔ دونوں طبقوں کی سوچ مثبت اور تعمیری ہو۔ ذہن تحفظات اور تعصّبات سے پاک ہوں تو کچھ ہوسکتا ہے۔

سوال: کیا اُردو غزل پوری دُنیا کے ادب پر حکمت کر رہی ہے؟

جواب: اُردو غزل کی مقبولیت اور اس کی چھاپ کی حدود کی شناخت اور تعیّن تقریباً ناممکن العمل ہے۔ ''پوری دُنیا کے ادب پر حکمت کر رہی ہے'' کہنا مشکل ہے وقتیکہ متعالقہ ذمہ داروں کے معقول جائزے اس کی شہادت نہ دیں۔

سوال: کیا ہندوستان میں اُردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ ملنا چاہیے؟

جواب: اُردو بہرطور اس کی حقدار ہے۔ اُردو کو اس کا یہ حق ملنا ہی چاہیے۔ اس تنازعے کو طول دینا یا ٹھنڈے بستے میں ڈال رکھنا بڑی غلطی ہوگی۔ اس لیے کہ دس سال بعد صورت اس سے بھی ابتر اور پست ہوگی۔ اس وقت اُردو والوں کو یہ احساس دلایا جاسکے گا کہ ان کا مطالبہ غیر معقول اور غیر منطقی ہے۔

سوال: اُردو غزل، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات ہر جگہ موجود ہے۔ کیا کوئی زبان اس کا نعم البدل ہوسکتی ہے؟

جواب: جی نہیں۔ اس کا تصور بھی محال ہے۔

(حصہ وّ)

سوال: آپ کے فن پاروں کا اوّلین قاری اور سامع کون ہوتا ہے؟

جواب: میرے میاں قاضی عبدالاحد صاحب۔

سوال: کیا آپ کے نصف بہتر کی حوصلہ افزائی نے آپ کے فن کو جلا بخشی ہے؟

جواب: بے شک، ان کی حوصلہ افزائی ہی سے میں کچھ بن سکی ہوں۔

سوال: کیا وہ آپ کے فن پاروں پر تنقید بھی کرتے ہیں یا صرف تعریف و توصیف کرتے ہیں؟

جواب: فن پاروں پر تنقید، تعریف و توصیف وہ نہیں کرتے۔ ان کے بقول یہ اُن کا کام نہیں۔ تاہم وہ ''اچھا لکھ رہی ہے، کیے جاؤ'' کہہ کر حوصلہ بڑھاتے ہیں، میرے لیے وہ بہت اہم ہے۔

سوال: کیا آپ کے خاندان میں کوئی ادیب یا شاعر ہوا ہے؟

جواب: اچھا، صاف ستھرا ذوق تو سبھی رکھتے ہیں۔ باضابطہ شاعر یا ادیب کوئی نہیں۔

سوال: آپ کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟

جواب: خاندان کا ہر فرد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ والدہ ڈاکٹر تھیں، والد ڈپٹی کلکٹر۔

سوال: کیا آپ ریڈیو، کے لیے بھی لکھتی ہیں؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اب تک آپ نے جو لکھا ہے اس سے مطمئن ہیں؟

جواب: اطمینان کا وہ لمحہ اب تک نہیں مل پایا۔ خوب تر کی جستجو ہے۔

سوال: مستقبل کے خاکے کیا ہیں؟

جواب: بچہ مزدوروں پر ایک ناول لکھنا۔ اور بہت کچھ۔ اگر زندگی وفا کرے تو بہت سے خاکے رنگوں کے انتظار میں ہیں۔

سوال: لکھنے کی کے لیے آپ کس طرح کا قلم اور کاغذ پسند کرتی ہیں؟

جواب: اچھا کاغذ اور سیاہی والا قلم پسند کرتی ہوں۔

سوال: لکھنے کی نشست اور ماحول کیسا پسند کرتی ہیں؟

جواب: میز کُرسی پر بیٹھ کر لکھتی ہوں۔ تنہائی میں زیادہ اچھا لکھ سکتی ہوں۔

سوال: لکھنے کے بعد دوسری تیسری نگاہ ڈالتی ہیں یا اُسی کو فائنل سمجھ لیتی ہیں؟

جواب: دوسری تیسری مرتبہ ضرور دیکھتی ہوں۔

سوال: کیا آپ خدا پر یقین رکھتی ہیں؟

جواب: بلاشبہ یقین رکھتی ہوں۔

سوال: کیا مذہب سے ادب کا رشتہ منقطع کر کے لکھنا چاہیے؟

جواب: یہ سوچ بجائے خود ناقص ہے۔ مذہب، ذہنی اور روحانی اور عروج کے حصول کے لیے ایک اقداری نظام ایک لائحہ عمل دیتا ہے۔اس کے بغیر روحانی ترقی ممکن نہیں۔اس تعلّق اور رشتہ کو منقطع کرنے کا تصّور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سوال: کیا پوری اُردو دنیا پر ''ادب مافیا'' غالب ہے؟

جواب: جی ہاں

سوال: اُردو کی کوئی بھی کتاب پانچ سو کی تعداد سے زیادہ کیوں نہیں شائع ہوتی؟

جواب: اُردو والوں کو قارئین کی تعداد بڑھانے کی فکر بعد میں کرنی ہوگی پہلے تو قارئین کی تلاش، شناخت، رابطہ قائم کرنے کی سبیل اور اس رشتے کے استحکام کے اطوار پر غور کرنا ہوگا ورنہ یہ پانچ سو کا پیاں جو پانچ سال کے بعد بھی فرخت نہیں ہوتیں، دس سال میں فروخت ہوں گی یا تعدادِاشاعت ۲۵۰ پر لے آنا ہونا ہوگا۔

سوال: کیا آپ آزادی نسواں کا مفہوم مذہبی، اخلاقی، سماجی آزادی سے لیتی ہیں؟

جواب: قطعی نہیں۔آزادی کا تصور بغیر پابندیوں کے ممکن نہیں۔اخلاقی، سماجی، مذہبی پابندیوں کے درمیان آزادی، صحیح معنوں میں آزادی ہے۔

سوال: کیا روشن خیالی اُردو خواتین قلم کاروں کے لیے ضروری ہے؟

جواب: روشن خیالی اور ترقی پسندی ضروری ہے آزادی خیالی نہیں۔

سوال: پوری دنیا میں عورت کا جو استحصال ہو رہا ہے کیا اس کا علاج ممکن ہے؟

جواب: کیوں نہیں۔ارادہ کرلیا جائے تو ممکن ہے۔مرد کی سوچ mentality بدلے تو یہ مسئلہ،مسئلہ نہ رہے۔

سوال: کیا عورت واقعی مظلوم ہے یا ڈرامہ کرتی ہے؟

جواب: عورت واقعی مظلوم ہے۔اس کا استحصال ہر جگہ ہر مرحلے پر ہوتا ہے۔مرد ان حقائق کی پردہ پوشی کرنے کے لیے اسے ڈرامہ پر محمول کرتا رہتا ہے۔

سوال: آپ کو پوری اُردو دنیا کا صدر بنا دیا جائے تو آپ سب سے پہلے کیا کام کریں گی۔

جواب: میں خواب دیکھتی ہوں نہ ایسے تصورات کا سہارا لیتی ہوں جو کبھی حقیقت کا رُوپ لینے کے اہل نہ ہوں۔

سوال: کیا عالمی اُردو شاعرات کے مشاعرے ضروری ہیں؟

جواب: شاعرات کے مشاعرے ہی ضروری نہیں ہیں۔ویسے مشاعرے آج جس مشکل میں ہو رہے ہیں وہ شعرا کے ہوں یا شاعرات کے،محدود سطح پر ہوں یا عالمی سطح پر،ان کا ہونا نہ ہونا ادب پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

سوال: کیا علمی اُردو نسائی ادب میں جعلی قلم کار اُردو ادب میں در آئی ہیں؟ اُن کی روک تھام کیسے ممکن ہے؟

جواب: بہت بڑی تعداد میں جعلی قلم کار اُردو ادب میں در آئی ہیں۔کسی محاذ سے ان کی روک تھام نہیں۔

سوال: کیا عالمی اُردو قلم کار خواتین کا اپنا کوئی 'ادبی چینل' ہونا چاہیے جس میں دیگر زبانوں کی قلم کار خواتین بھی شریک ہو سکیں۔

جواب: ایسے کسی تصور پر باضابطہ طریقے سے کچھ کام کر کے اس کے خط و خال واضح ہوں،مثبت و منفی پہلوؤں پر بات ہو،کوئی معقول بات سامنے آئے تو کوئی رائے دی جا سکتی ہے۔

سوال: رسالہ شاعر نے علمی خواتین پر گوشے شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے کیا یہ کوئی علیحدہ کمپارٹمنٹ بنانے کا عمل ہے؟

جواب: رسالہ شاعر کی اس طرح کی کسی کوشش اور اقدام کو مشتبہ قرار دینا درست نہیں۔ یہ اُردو دنیا کے علم واطلاع کے لیے گوشے ہیں۔ عالمی سطح پر کتنا کام ہو چکا ہے اس کا علم شاعر کے ذریعے ہی ہوا ہے۔

سوال: کیا آپ کو اعلیٰ انعامات اور اعزازات کی توقع ہے؟

جواب: اعلیٰ ترین (پریسیڈنٹ ایواڈ) انعامات، اعزازات سے نوازی جا چکی ہوں۔ کسی نئے انعام کا اعلان ہوتا ہے، خبر ملتی ہے تو طبیعت کو یگ گونہ اطمینان ہوتا ہے۔ طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ نشہ نہیں ہوتا۔

سوال: آپ صرف اپنے لیے لکھتی ہیں یا دوسروں کے لیے بھی لکھتی ہیں؟

جواب: قلمکار، فنکار تخلیق کے واسطے سے اپنے خیالات، جزبات، احساسات، مشاہدات و تجربات اور وں کے ساتھ share کرتا ہے یہ فنکار کی ضرورت ہے اور تخلیقی عمل کی تکمیل بھی۔

سوال: کیا آپ عشق پر یقین رکھتی ہیں؟

جواب: کیوں نہیں؟ اللہ رب العزت کی بخشی ہوئی نعمت ہے عشق، انسانوں کے لیے۔

سوال: کیا آپ موسیقی پسند کرتی ہیں؟ اگر ہاں تو کس طرح کی؟

جواب: بہت زیادہ پسند کرتی ہوں۔ کلاسیکل موسیقی خاص طور سے۔ میں خود ہارمونیم بجالیتی ہوں۔ کلاسیکی موسیقی سیکھی ہے میں نے۔

سوال: کس طرح کی فلمیں آپ کی ترجیحات ہوتی ہیں؟

جواب: آج فلموں میں، فلمی موسیقی میں کیا رہ گیا ہے کہ انھیں دیکھا جائے۔ فلمیں دیکھنا میں نے ترک کر دیا ہے۔

سوال: کیا کبھی حرف ولفظ آپ کو اپنے رقیب محسوس ہوئے ہیں؟

جواب: کبھی نہیں۔ فرصت کے اوقات میں حرف ولفظ کی اصل پر غور کرنا، معنوی تہوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنا۔ مزید گہرائی میں اُترنا، یہ سب کچھ بجائے خود بڑا سکون بخش ہے۔

سوال: کیا آپ مردوں سے دوستی کرنا پسند کرتی ہیں؟

جواب: تصوّراً اور عملاً دوستی دنوں ناقابلِ قبول ہیں۔

سوال: کیا کسی لڑکی کو دوست کہا جا سکتا ہے؟

جواب: کیوں نہیں، بشرطیکہ ظرف وذوق تربیت یافتہ ہو۔

سوال: کیا 'حجاب' عورتوں کے لیے عذاب ہے؟

جواب: بالکل نہیں۔ یہ خالی روشن خیالی اور ماڈرن طبقہ کی آزادیٔ فکر کی لفاظی ہے۔

سوال: آپ کسی خوش خبری کو کس طرح وصول کرتی ہوں؟

جواب: پورے تحمل اور وقار کے ساتھ وصول کرتی ہوں۔

سوال: آپ جب غمزدہ ہوتی ہیں تب کیا کرتی ہیں؟

جواب: قطعی خاموشی اختیار کر لیتی ہوں۔ تنہا ہو جانا پسند کرتی ہوں۔

سوال: کیا بزرگوں کے اقوال اور سوانح، کسی قلم کار کو حرارت دے سکتے ہیں؟

جواب: بے شک

سوال: کیا آپ کو کبھی گھٹن کا احساس ہوتاہے؟

جواب: کبھی کبھار ایسا ہوا ہے لیکن ایسی کسی کیفیت کی اسیر میں کبھی نہیں ہوئی۔

سوال: کیا آپ سیاست پسند کرتی ہیں؟ اب تک کہاں کہاں کا سفر کیا؟

جواب: پسند کرتی ہوں۔ تعلیمی کانفرنسوں، اور ہندی ساہتیہ سمّیلنوں کے ذریعے ہندوستان کی بہت سی ریاستوں میں گھوم چکی ہوں۔ سیاست اور نئی جگہوں کی سیر مجھے پسند ہے۔

سوال: آپ جذباتی ہیں یا معتدل مزاج؟

جواب: دنوں

سوال: آپ کس طرح کی کتابوں کا مطالعہ زیادہ دلچسپی سے کرتی ہیں؟

جواب: افسانوں کے مجموعوں کا۔ بچّوں کی کہانیوں اور بچّوں کے رسائل کا۔

سوال: آپ کے پسندیدہ ادبی رسائل کون کون سے ہیں؟

جواب: آج کل 'شاعر' ایوان اُردو.... نیا دور، بزم فکر وفن، کتاب نما،

سوال: کیا آپ شاعر کے معیار و مزاج سے مطمئن ہیں؟

جواب: مطمئن ہوں۔

سوال: کیا شاعر اپنی ایک صدی بھی مکمل کرے گا؟

جواب: انشاءاللہ مکمل کرے گا اور نہایت تزک و احتشام سے مکمل کرے گا۔

سوال: شاعر کے ادبی سلوگن آپ کیسے لگتے ہیں؟

جواب: ان میں تخلقیت ہے، جدت ہے، معنویت ہے اس لیے اچھے لگتے ہیں۔

سوال: شاعر کو مزید بہتر بنانے کے لیے آپ کیا تجاویز رکھیں گی؟

جواب: شاعر کے صفحات کی تعداد بڑھائی جائے اوسط درجے کے قارئین کے لیے بھی کچھ صفحات رکھیں۔ ان کے اشتراک سے صفحے ترتیب دیے جائیں۔ ان کی طرف سے مضامین منگوائیں۔ وہ جیسے بھی ہوں۔ زبان و بیان کی خامیوں کو آپ دور کریں۔ علامہ سیمابؔ کی اصلاحوں میں سے زبان و بیان کے نکات کی وضاحت ہو اور قارئین کی تربیت بھی۔ علامہ سیماب کے خطبات کے اقتباس والی جدّت یا اسی نوع کی کوئی چیز۔ یہ اوسط قاری ہی کے لیے نہیں، باشعور قارئین کی تزئین خیالی کے لیے بھی بڑی مفید ثابت ہوگی۔ ۳؎

حواشی :

۱ ۔ ادبِ اطفال ایک مطالعہ، مصنفہ۔ڈاکٹر بانو سرتاج سنِ اشاعت ۔۲۰۱۵،ص نمبر۱۰۔۱۱

۲ ۔ رسائل شاعر، مارچ ۲۰۱۴،ص نمبر:۔۳۴

۳ ۔ کتاب مآل، مصنفہ ڈاکٹر بانو سرتاج، سنِ اشاعت ۲۰۰۷ء مطبع: ایم۔آر۔آفسیٹ پرنٹرز، دہلی۔۲
ص نمبر:۱۴۸۔۱۷۶

کتابیات

کتابیات

(اُردو)

۱۔دائروں کے قیدی،افسانے،دہلی،ڈاکٹر بانو سرتاج،انعام یافتہ۔۔۔۱۹۹۲ء

۲۔اس کے لئے،افسانے،لتالی آنیٹ پریس،پونہ،ڈاکٹر بانو سرتاج، انعام یافتہ۔۔۔۔۔۔۱۹۹۴ء

۳۔ذراسی کمی،افسانے،نئی دہلی۔۲،ڈاکٹر بانو سرتاج،انعام یافتہ۔۔۔۲۰۰۱ء

۴۔اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا میزان،افسانے،نئی دہلی۔۲،ڈاکٹر بانو سرتاج،انعام یافتہ۔۔۲۰۰۹ء

۵۔قومی یکجہتی اور اُردو شاعری،تحقیقی مقالے،کیشو ر پرکاشن،الہ آباد،ڈاکٹر بانو سرتاج،
انعامیافتہ،۔۔۔۲۰۰۴ء

۶۔ماحَصَل،تحقیقی مقالے،نئی دہلی۔۲، ڈاکٹر بانو سرتاج، انعام یافتہ،۔۔۔۲۰۰۵ء

۷۔مآل،مضامین،نئی دہلی۔۲،ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۲۰۰۷ء

۸۔ترا ممنوں ہوں،طنز ومزاح،نئی دہلی، ڈاکٹر بانو سرتاج،انعام یافتہ۔۔۔۲۰۰۴ء

۹۔خطرے کا الارام،طنز ومزاح،نئی دہلی، ڈاکٹر بانو سرتاج،انعام یافتہ۔۔۔۲۰۱۱ء

۱۰۔ایک بیمار سوانار،بڑوں کے لئے ڈرامے،نئی دہلی،ڈاکٹر بانو سرتاج،انعام یافتہ۔۔دسمبر۱۹۹۲ء

۱۱۔ہندوستان کی ۱۵۱ اوّل خواتین مختلف شعبہ حیات میں،تاریخ،نئی دہلی۔۲،،ڈاکٹر بانو سرتاج، انعام
یافتہ۔۔۲۰۱۰ء

۱۲۔ہندوستان کی ۱۴۱ اوّل خواتین،مختلف شعبہ حیات میں،تاریخ،ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۱۱ء

۱۳۔ہندوستان کی جنگِ آزادی میں خواتین کا حصّہ،تاریخ نئی دہلی،ڈاکٹر بانو سرتاج ۔۔۔۲۰۱۱ء

۱۴۔ہندوستان کی مسلم اوّل خواتین،(مختلف شعبۂ حیات میں)،مالیگاؤں،ڈاکٹر

بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۱۱ء

۱۵۔جنگل میں منگل، بچوں کے لئے ناول،شارپ آفسیٹ پریس مالیگاؤں،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔اوّل ۱۹۹۷،دوّم ۲۰۱۰ء

۱۶۔پکیا اور پری چھم، بچوں کے لئے ناول،ایم۔آر۔آفسیٹ پرنٹرز،نئی دہلی ۔۲،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۲۰۱۲ء

۱۷۔سر نغمے میاں کی ککڑوں کو، بچوں کے لئے نظمیں،نئی دہلی،ڈاکٹر بانوسرتاج ۔۔۔۲۰۰۲ء

۱۸۔بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،نئی دہلی ۔۲،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔ ۲۰۱۲ء

۱۹۔بچوّں کے لئے دلچسپ یک بابی ڈرامے (حصّہ سوّم) مالیگاؤں،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۱۵ء

۲۰۔گھر واپسی کا طویل سفر، (ترجمہ شدہ ڈرمے) نئی دہلی ۔۲،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۱۴ء

۲۱۔ٹکلم ٹولا کھی کا گولا، بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔ ۲۰۰۶ء

۲۲۔جب جاگے تبھی سویرا، بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۰۸ء

۲۳۔ہندی مراٹھی ڈرامے، بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۰۸ء

۲۴۔چناؤ کا چکرّ، بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۰۸ء

۲۵۔شرط منظور ہے، بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۲۰۰۹ء

۲۶۔مزاحیہ ڈرامے، بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۰۹ء

۲۷۔شواجی کا انعام بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔ ۲۰۱۰ء

۲۸۔انوکھی بی بی کی سرائے، بچوں کے لئے یک بابی ڈرامے،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔ ۲۰۱۱ء

۲۹۔آئی برسات آئی، بچوں کے لئے ڈرامے، مالیگاؤں،ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۲۰۰۵ء

۳۰۔ ہندی مراٹھی ڈرامے (حصہ اوّل)، مالیہ گاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۰۸ء

۳۱۔ممی نابولی ! ،بچوں کے لئے کہانیاں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۰۶ء

۳۲۔ بہادر بلیؔ عرف شیر کی خالہ، بچوں کے لئے ڈرامے، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۱۶ء

۳۳۔ بڑا مزا اس ملاپ میں ہے!، بچوں کے لئے کہانیاں، نئی دہلی، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔ ۲۰۰۶ء

۳۴۔گھمنڈی کا سرنیچا، بچوں کے لئے کہانیاں، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۱۰ء

۳۵۔کہانی میں کہانی، پیڑوں کی کہانی، ماحولیات مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۱۱ء

۳۶۔ ہندوستان کی جنگِ آزادی میں خواتین کا حصّہ، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۰۶ء

۳۷۔بول دیا ہاں!، بچوں کے لئے کہانیاں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔ ۲۰۱۲ء

۳۸۔ دنیا کارٹون اور کامک کیریکٹرس کی!، سائنس، نئی دہلی ۔۲، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۲۰۱۳ء

۳۹۔ ہندوستان کی جانباز خواتین، نئی دہلی ۔۲، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۱۳ء

۴۰۔ادبِ اطفال ایک مطالعہ، دہلی ۔۲، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۔۲۰۱۵ء

۴۱۔اُردو ادبِ اطفال (نظم) میں سائنس، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج۔۔۔۲۰۱۷ء

۴۲۔ ماحول کے محافظ (ماحولیات)، مالیگاوں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۱۶ء

۴۳۔ایک کی گیارہ کہانیاں (حصّہ اوّل) لوک کہانیاں، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۱۳

۴۴۔دو کی بارہ کہانیاں (حصّہ اوّل) مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۱۳

۴۵، تین کی تیرہ کہانیاں، (حصّہ اوّل) مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۱۳

۴۶۔ چار کی چودہ کہانیاں (حصّہ اوّل) مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۱۳

۴۷۔ پانچ کی پندرہ کہانیاں (حصّہ اوّل) مالیگاؤں، ڈاکٹر بانوسرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۱۳

۴۸۔ بڑھیا عقل کی پڑیا، (لوک کہانیاں سیریز۔۶)، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۱۶

۴۹۔ اپنی قسمت اپنے ہاتھ (لوک کہانیاں سیریز۔۸)، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۱۶

۵۰۔ پیچ والا، بیچ کا، (لوک کہانیاں سیریز۔۱۰)، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۱۷

۵۱۔ ڈھبّو پیسے کی کرامات (لوک کہانیاں سیریز۔۱۱)، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۱۷

۵۲۔ کچھ تم بولو! کچھ ہم!، (لوک کہانیاں سیریز۔۱۲)، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۱۷

۵۳۔ اچھّا غُلام، بُرا غُلام (لوک کہانیاں سیریز۔۹)، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۱۶

۵۴۔ شواجی کا انعام (تاریخی واقعات پر مبنی یک بابی ڈرامے) مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج۔۲۰۱۰

۵۵۔ چناؤ کا چکّر (یک بابی ڈرامے)، مالیگاؤں، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۰۸ء

۵۶۔ مجھے شکایت ہے، بچّوں کے لئے یک بابی ڈرامے، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۱۹۹۶ء

۵۷۔ وطن کے لئے بچّوں کے لئے یک بابی ڈرامے، ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۲۰۰۵ء

۵۸۔ اُردو کی دَرسی کُتب میں حبُّ الوطنی، نئی دہلی، ڈاکٹر خوشحال زیدی،۔۔۔۔۔۔۔۱۹۹۹ء

(ہندی)

۱۔ ایک گھونٹ زہر، (افسانے) ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۱۹۸۷ء

۲۔ بھیک اور دوسری کہانیاں، (افسانے) ڈاکٹر بانو سرتاج، ۔۔۔۔۱۹۹۲ء

۳۔ میں آبھاری ہوں، (طنز و مزاح) ڈاکٹر بانو سرتاج، ۔۔۔۱۹۹۳ء

۴۔ تیسرے راستے کے مسافر ، (افسانے) ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۱۹۹۵ء

۵۔ حِنا کے رنگ (افسانے) ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۱۹۹۶ء

۶۔ راشٹریہ ایکتا اور اُردو شاعری (مضامین) ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۰۱ء

۷۔تو کیا نام نہ ہوگا؟ (طنز ومزاح)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۔۲۰۰۲ء

۸۔سوتنتر تا سنگرام میں مہلاؤں کا یوگ دان (مضامین)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۰۲ء

۹۔نٹ کھٹ بندر (دوسرا ایڈیشن) (بچوں کے لئے نظمیں)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۱۹۹۹ء

۱۰۔سچّے کا بول بالا (بچوں کے لئے ڈرامے)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۔۱۹۹۶ء

۱۱۔شیر کی دہاڑ (بچوں کے لئے ڈرامے)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۔۱۹۹۸ء

۱۲۔پیار بانٹتے چلو (بچوں کے لئے کہانیاں)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۱۹۹۸ء

۱۳۔جنگل میں منگل (دوسرا ایڈیشن) بچوں کے لئے ناول ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۰۱ء

۱۴۔کہانی میں کہانی (بچوں کے لئے کہانیاں)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۰۱ء

۱۵۔ایک سے بڑھ کر ایک (بچوں کے لئے ڈرامے)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۲۰۰۲ء

۱۶۔سچّائی کی کہانی (بچوں کے لئے ڈرامے)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۲۰۰۲ء

۱۷۔تیس بال ایکانکی (بچوں کے لئے ڈرامے)ڈاکٹر بانو سرتاج،۔۔۔۔۔۲۰۰۴ء

رسائل واخبارات:

۱۔ماہنامہ ''جامعہ''،اگست،۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۲۹ء

۲۔ماہنامہ ''شاعر'' (قومی یک جہتی نمبر)،۔۔۱۹۷۴ء

۳۔ماہنامہ ''زبان وادب'' پٹنہ،ستمبر۔۔۔۔۔۱۹۸۳ء

۴۔ماہنامہ ''قومی زبان'' جمیل الدین عالؔی،کراچی اپریل ۱۹۷۶ستمبر۔۔۔۔۱۹۸۵ء

۵۔ماہنامہ ''ماہِ نو'' کشور ناہید لاہور،نومبر۔۔۔۱۹۷۹ء

۶۔ ماہنامہ ''سب رس'' حیدرآباد، نومبر۔۔۔۔۱۹۷۷ء

۷۔ ماہنامہ ''تیرنگِ خیال'' راولپنڈی، سالنامہ۔۔۔۔۱۹۷۶ء

انعامات واعزازات:۔

۱۔ سمتا اوّھین نیاس ممبئی کے منعقدہ مضمون نویسی کے مقابلہ میں دوسرا انعام۔۱۹۸۲ء

۲۔ لکھنؤ دُوردرشن سے ''رات اور دِن کیسے بنتے ہیں؟ پروگرام نشر ہوا؟ ۱۹۸۲ء:

۳۔ ساریکا سروُ بھاشا کتھا پرتی یوگتا'' میں کہانی ''پاگل خانہ'' کو انعام۔۱۹۸۳ء:

۴۔ 'شمع' دہلی میں شائع شدہ کہانی ''جواب'' پر ویڈیو فلم ''گڑیا'' ممبئی ۱۹۸۴ء:

۵۔ ''وہیز دانو'' ماہنامے کے منیِ کہانی مقابلے میں ''سمادھان'' کہانی کو انعام۔

۶۔ چلڈرنس بک ٹرسٹ دہلی سے ''عید کا چاند'' اور ''موسم کتنے'' بچّوں کی نظموں پر انعام۔۱۹۹۲ء:

۷۔ مہاراشٹر راجیہ ہندی ساہتیہ اکادمی، ممبئی نے ''بھیک اور دوسری کہانیاں'' افسانوں کے مجموعہ پر منشی پریم چند''

انعام........۱۹۹۳

۸۔ کرانتی کاری جنتا'' مراٹھی ماہنامے کے ''دیوالی نمبر'' میں 'ترجمہ شدہ کہانیوں کے مقابلے میں ''بھیک'' کہانی کو دوسرا انعام۔۔۱۹۹۴ء

۹۔ ''راشٹریہ سہارا'' ہفتہ وار کے افسانہ نویسی کے مقابلے میں ''تیاگ'' افسانے کو اوّل انعام۔۱۹۹۵ء

۱۰۔ بھارتیہ بال کلیان سنستھان، کانپور نے ادبِ اطفال کی خدمت کے اعتراف میں نقد رقم اور مومنٹو دے کر عزّت افزائی

کی..........۱۹۹۶ء

۱۱۔راشٹریہ سہارا'' کے افسانہ نویسی مقابلے میں '' گہوارہ محبت'' افسانے کو اوّل انعام۔۔۔۔۱۹۹۶ء

۱۲۔دَ لِت ساہتیہ اکادمی'' بھساول نے ''سلوچنی لیکھیکا'' انعام۔۔۔۔۔۔۱۹۹۶ء:

۱۳۔''پُنے فرینڈس سرکل'' نے مراٹھی وِڈمبن گیت (پیروڈی) مقابلے میں ''وِڈمبن شری'' انعام سے نوازا۔۔۔۔۱۹۹۷ء

۱۴۔''سرسیدّ ادبی سنگم'' سوپارہ، مہاراشٹر نے ''ایک پیارا سوانار'' یک بابی ڈراموں کے مجموعے کو اوّل انعام دیا۔۔۱۹۹۷ء

۱۵۔جیمنی اکادمی، پانی پت کے منعقدہ غزل مقابلے میں ''محبت کے موسم بدلتے رہے'' تخلیق کو انعام۔۱۹۹۷ء

۱۶۔''جنگل میں منگل'' ناول (بچوّں کا) کو مہاراشٹر اُردو اکادمی کا اوّل انعام۔۔۔۔۔۔۔۱۹۹۸ء:

۱۷۔ناگری بال ساہتیہ سنستھان، بلیا کا اعزاز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۹۸ء:

۱۸۔راشٹریہ کوی پنڈت سوہن لال دِویدی بال ساہتیہ سمیتی، آکولہ (راجستھان) کا اعزاز ''پیار بانٹتے چلو'' مجموعہ پر۔۔۔۱۹۹۸ء

۱۹۔راشٹریہ بال سنستھان، دہرادون کا ''سرِ وشریشٹھ بال ساہتیہ پرسکار'' ''شیر کی دہاڑ'' مجموعہ پر دَ لتِ ساہتیہ اکادمی بھساول کا ''سروُ وتم ناگرِک پرسکار۔۔۔۔۔۔۲۰۰۰ء:

۲۰۔جمینی اکادمی، پانی پت کا ''ڈاکٹر لکشمی نارائن دُوبے پرسکار'' ادبِ اطفال کے لئے ۔۔۔۔۔۔۲۰۰۱ء

۲۱۔مہاراشٹر راجیہ اُردو اکادمی کا انعام ''ذراسی کمی'' افسانوں کے مجمعے پر۔۔۔۔۔۔۲۰۰۲ء:

۲۲۔مرکزی حکومت ہند کا بھارتیندو ہریش چندر قومی ایکتا انعام ''راشٹریہ ایکتا اور اُردو شاعری''

کتاب پر۔۔۲۰۰۲ء:

۲۳۔پنجاب،مہاراشٹر ساہتیہ سنسکرتی کااوّل ''نانک سنگھ پرسکار''ادب کی مجموعی خدمت کے لئے۔۔۔۲۰۰۳ء:

۲۴۔''پریرک ویکتتو''انعام،راشٹر بھاشاہندی کے فروغ کے لیے کیے گئے کاموں پر۔۔۔۔۔۲۰۰۳ء:

۲۵۔''تیس ۳۰ ایکانکی''ڈاکٹر رتن لال شرماپرسکار۔۔۔۔۔۔۲۰۰۵ء:

۲۶۔تیس ۳۰ ایکانکی''کتاب پر سیتاپور ہندی سبھا کا پرسکار۔۔۲۰۰۵ء

۲۷۔تیس ۳۰ ایکانکی''کتاب پر امبیکا پرساد دِوّیہ پرسکار۔۔۔۔۲۰۰۶ء:

۲۸۔بہاداُردو اکادمی کا انعام ''جنگل میں منگل''پر۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۰۶ء:

۲۹۔اتر پردیش اُردو اکادمی کا انعام ''ماحصل''پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۰۰۵ء:

ISSN 2456-7140

ماہنامہ تلنگانہ حیدرآباد

جنوری 2020ء

سنکرانتی مبارک

[illegible]

قرار رکھنے میں کامیاب ہیں۔ ادب اطفال کی بھی وہ خصوصیات ہیں جن سے
متاثر ہو کر بچے ادب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دس سال بچے کے
لئے کیسی اور کس سطح کی زبان، رجحان، خیال، فکر اور فنی لوازم کا اہتمام کیا جائے
ڈاکٹر بانو سرتاج اس سے پوری طرح واقف ہیں۔ مثلاً ان کی نظمیں عید کا
چاند، نٹ کھٹ بندر، جانے ایسا ہوتا کیوں ہے، اچھے بابا، آزادی، کالی
کوئل، پری رانی، ہریالا توتا، [illegible] وغیرہ میں بچوں کے معصوم
ذہن کی آبیاری بہترین طریقے سے کی گئی ہے۔ اسی طرح ۷ تا ۱۲ سال بچوں
کے لئے لوک کہانیاں ایک کی گیارہ کہانیاں، دو کی بارہ کہانیاں، تین کی تیرہ
کہانیاں ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آئیں۔ ان کا مشہور ناول "جنگل میں
منگل" دلچسپ ناول ہے ان کی تخلیق کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے
بچوں میں قومی ایک جہتی، حب الوطنی، انسان دوستی، فرض شناسی کے جذبے
کو عام کرنے کی کامیاب سعی کی جاتی ہے۔ جہاں تک بچوں کی نفسیات کا
معاملہ ہے ڈاکٹر بانو سرتاج کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے
کہ بچوں کی پسند ناپسند اور بچوں کی زبان، معصومیت بھی بچوں کا وہ نٹ کھٹ
پن چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے انتہائی خوشی کا احساس، ضد، کسی چیز کو پانے کے
لئے بے قابو ہونا، کسی جانور کو دیکھ کر اس سے ملنے کی، اس سے بولنے کی، اس
جانور کو دوست بنانے کی تمنا اور خواہش میں چھوٹے چھوٹے ننھے ہاتھوں
سے تالیاں بجاتے ہوئے جھوم اٹھنا، چاند کو پانے کی تمنا، ستاروں کو چھونے کی
خواہش، آسمانوں پر اڑنے کا ارمان، یعنی بچوں کی نفسیات سے روبرو ہونا
اور جاننا ضروری ہے اس لئے کہ بچوں کے لئے ادب ایسی نرالی زبان میں
تخلیق ہو سکے جو بچوں کی ذہنی سطح سے مطابقت رکھے بلکہ ایسے ادب کے
مطالعے سے بچوں کے ذہنی شعور کو جگانے میں بھی مدد مل سکے۔ یہی سب

[illegible]

بانو سرتاج کا انداز سلیس اور بیان بے حد سادہ ہوتا ہے اسی لئے ان کی کہانی ذہن
دل پر اثر کرتی ہے۔ [illegible]
جاتے ہیں اور بڑے بھی پڑھیں تو وہ بھی ان کے قلم کے اس ہنر سے متاثر ہو کر
اپنے اندر پوشیدہ معصومیت اور بچپن کو محسوس کرتے [illegible] بغیر نہیں رہ سکتے
۔ بانو سرتاج نے ماخوذ روایتی کہانیاں بھی لکھیں اور طبع زاد بھی۔ کہانیوں میں
بانو سرتاج نے بچوں کے لئے دلچسپی اور تفریح کے ساتھ کردار نگاری کو مخصوص توجہ
دی ہے۔ سچ کی فتح، نیکی کی جیت، اپنے فرض کی ادائیگی، خدا کا شکر، بزرگوں کا
احترام، استادوں کی دی ہوئی تعلیم، بچوں کے حقوق ان کے مسائل یہ سب
بانو سرتاج کی کہانی کے موضوعات ہیں پیارا بچپن ننھا فرشتہ، گھمنڈی کا سر نیچا
بھی نا بولی اصولی کی باتیں ان کی ایسی ہی نمائندہ کہانیاں ہیں جن کے عنوانات
سے ان کی دلچسپی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دور جدید میں وہ ایسی ادیب ہیں جو
بیک وقت اردو، ہندی اور مراٹھی میں برابر لکھ رہی ہیں۔ غرض بانو سرتاج اردو
ادب اطفال کی دنیا میں وہ ممتاز مقام رکھتی ہیں جن کی نثر سادہ اور سلیس ہے
رواں ہے موزوں ہے سادہ سلیس غیر پیچیدہ اور روزمرہ کی زبان لکھنے کی صلا
حیت رکھتی ہے۔ جو بچوں کی فطرت کی غماز ہیں۔ ان کے ذریعے بچوں کو ایسا
ادب فراہم ہوا ہے جو ان کی ذہنی اور روحانی بالیدگی میں معاون ہے اور انہیں
ملک وقوم کی تعمیر وترقی کے فریضہ کی ادائیگی میں فعال بنانے کی قوت واثر رکھتا
ہے۔ ☆☆☆

خلاصۂ بحث

حضرت سلیمانؑ کے سامنے تین بہترین چیزیں پیش کی گئی۔اقتدادولت اورعلم کہا گیا کسی ایک کو چُن لو۔سلیمانؑ نے علم کو چن لیا اقتدار اور دولت اپنے آپ چلی آئی۔سب جانتے ہیں علم نور ہے اسی نور سے آنے والی نسلوں کے ذہنوں کو روشن کرنا ہر خاص وعام کی زمہ داری ہے۔علم سے جزا ہے۔ادب تربیت،شائستگی،رحم دلی،بہادری شجاعت،سخافت،بزلہ سنجی،انسان پرستی،وطن پرستی، امن وآشتی ادب کئی شاخوں کے ساتھ لازمی اورضروری اور بے حد اہم ہے۔

ایک اچھا ادب اطفال وہی تخلیق کرسکتا ہے جولازمی طور پر بچوں سے لگاؤں رکھے بچوں کے ساتھ آسانی سے رابطہ کرسکے اور بچوں کے ادب کا تارہ بن سکے۔ساتھ ہی بچوں کے شاعریا ادیب کو احساس اور رفیق القاب ہونا ضروری ہے تبھی وہ اپنی بات نہایت ہنرمندی اور آسانی سے بچوں تک پہنچا سکتا ہے۔بچوں کے ادب کی اصناف میں کہانیاں جن میں راجارانی کی کہانیاں جن پری دیوزد کی کہانیاں قدیم اور جدید تک کی کہانیاں جیسے کامکس،ہیرو،پردے پر چلتے پھرتے آسمانوں میں اڑتے یا پھرتے دیواروں پر چلتے ہوئے کرداروں کی کہانیاں شاعری،ڈرامہ،ناول،سائنسی ادب،ترجمے، لطفے ،پہلیاں کارٹون سبھی شامل ہوتے ہیں ۔ایسا ادب بچےّ پسند کرتے ہیں ۔اور یہی سب ڈاکٹر بانوسرتاج کی تخلیق میں ملتا ہیں ۔ان کی تخلیقات کا جائزہ لینے پر مجھے اس بات کا احساس ہوا کی بانوسرتاج نے ادبِ اطفال ہر پہلوں پر ہر صنف میں بڑی بارقی سے ادبِ اطفال کی تخلیق کی اور اُردو ادب میں ایک روشن پہلوں پر کام کیا۔

انہوں نے نہ صرف اُردوادب بلکہ ہرزبان میں ادب اطفال کو نیکھارا ہے۔ڈاکٹر صاحبہ کو اُردو ادب خاص کرادبِ اطفال کی تخلیق کے لیے کئی انعامات سے نواز جاچکا ہیں۔پھر چاہے بڑوں کے لیے ان کے افسانے ہوں یہ پھرادبِ اطفال کی کوئی صنف۔بچوں کا ادب تخلیق کرتے ہوئے کبھی کبھی ادیب کو مکمل کامیابی نہیں ملتی۔اس کی وجہہ یہ ہے کہ بچوں کے قلم کاروں بچوں کی نفسیات سے مکمل واقفیت ضروریہے۔بچوں کا ادب جس قدر آسان سمجھا جاتا ہے۔اسی قدر مشکل کام بھی ہے

۔صرف چندہ خواتین مثلاً لیلا خواجہ ، بانو ،حجاب ، امتیازعلی ،قدسیہ زیدی ،عصمت چغتائی ،اے آر خاتون ،عفت موہانی ،صالحہ عابدحسین جیلانی بانو ،خدیجہ مستور ، بانوسرتاج ،عطیہ پروین جنھوں نے بچوں کے لئے اخلاقی ذہنی درسی سماجی مذاحیہ اورتفریحی کہانیاں قلم بند کی ہیں ۔اور کامیاب بھی رہی ۔ اسی کے ساتھ ساتھ بانوسرتاج نے بڑوں کے لیے خاص کرخواتین کے مسائل پر بھی کام کیا ان کے لیے انہوں نے افسانوں کے زریے ہمارے سماج کوایک پیغام دیا ہیں ۔زمانہ چاہے کتنا ہی بدل جائے مگرعورتوں کی بدحالی کا جوعالم ہے وہ غوروں فکر کا بائث ہیں ۔

بانوسرتاج ادب کی دُنیا افسانے کے دروازے سے داخل ہوئی تھیں خواتین کے مسائل پران کی کہانیاں ،مختلف رسائل میں وقتاً فو قتاً شائع ہوتی رہی ۔ان کے افسانوں کے مجموعے ''زراسی کمی'' اوراپنے ہوتھوں میں تھاما ہوامیزان'' ادبی دنیاں میں نشانات چھوڑے ہوئے ہیں ۔ان کی کہانیاں اگر چہ کے بیانیہ انداز کی ہوتی ہیں مگران کا مشاہدہ اور تجربہ ساتھ ہی کرداروں کی تخلیق کا جو جادو ہے وہ قاری کے سر چڑھ کر بولتا ہے ۔کہانی کی شروعات اسی انداز سے ہوتی ہے مانوں وہ آپ سے ہم کلام ہیں ۔انداز اس قدر سادہ ہے کہ لگتا ہے ۔وہ کوئی گزرا ہوا واقعہ بیان کر رہی ہوں ۔آج سیکڑوں افراد کہانیاں بیان کر رہے ہیں مگر گنتی کے لوگ ہیں جن کوخداوندتعالہ نے انھیں اس ہنر سے فیض یاب کیا ہے ۔''پھینکی ہوئی عورت'' بدلی ہوئی لڑکی''ننگی ٹاگوں والی عورت' وغیرہ عورتوں کے مسائل پر لکھے یہ افسانے ہمیں اپنے آس پاس کے گھروں کی داستان سناتے ہوئے محسوس ہوتی ہیں ۔ یوتو بانوسرتاج ادبِ اطفال کے زریعے جانی پہچانی جاتی ہیں ۔

بانوسرتاج اُردوفکشن کا یاافسانوی ادب کا ایک بڑا نام ہے ۔بانوسرتاج کی ہمہ جہت شخصیت قابلِ تعریف ہیں ۔ان کی شاید ہی کوئی صنف چھوٹی ہوگی جس پرانہوں نے قلم نہ اٹھایا ہوگا اوراپنی پہچان نہ بنائی ہو۔

جیسا کی ابتداء میں یہ بیان کیا جاچکہ ہیں کی کسی بھی زبان کا ادب اس وقت تک اہمیت کا حامل نہیں جب تک کہ اس میں ادبِ اطفال کا بہترین سرمایہ موجود نہ ہو کیونکہ دنیا و کائنات، ملک وقوم اور معاشرہ کی تہذیب وتمدن کا داروں مدار اگر اقتصادی، ثقافتی معاشی اور سیاسی حالات کے بہتر نظام پر منور ہے تو اس نظام کی باگ ڈور اس ملک وقوم کے افراد کی فکری و ذہنی صلاحیتوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی ہے۔فکری و ذہنی صلاحیتوں کی نمو بچہ کی تربیت میں پوشیدہ ہے تربیت کے بہت سے بہترین عناصر میں کتابوں کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ بچہ نفسیاتی، فکری و ذہنی سطح کو ہموار کرنے اور اس کے ارتقاء اور رہنمائی کے لئے معیاری ادب اس قدر ہی ضروری ہے، جس طر بہترین پیداوار کے لئے پودے کی سینچائی کے زریوں میں سے ایک زریعہ جسے ہم ڈراپ سٹم کہتے ہیں۔ادبِ اطفال کا ایک ایک سبق، ایک ایک کہانی، نظم اور دیگر اصناف بچہ کے ذہن کو اشتیاق، جستجوں، تازگی، زندگی، انکشاف اور جمالیات سے لبریز کرتا ہے۔اسے زندگی کے ان رموز سے آشنا کرواتا ہے جو روزمرہ یا کسی اور زریعے سے ممکن ہی نہیں۔ بچوں کے شعور ادراک اس کے روحانی اور اخلاقی رویوّں کو نمود دینے کا بہترین زریعہ معیارِ ادب ہی ہے۔یہ ایک مشکل فن ہے۔کیونکہ ادبِ اطفال کا تخلق کار اگر پچاس سے (۸۰) اسی برس کی عمر کا بھی ہوگا تو وہ چار سے پندرہ سالہ بچہ کی ذہنیت اور فکری بہاؤ کا سامان اکھٹا کرکے اسے ترتیب دیتا ہے۔مصنوعی انداز سے خاکہ تیار نہ کرکے فطری اور بے ساختگی پن سے اس تخلیق کو جنم دیتا ہے۔جس کا اس کی عمر اس کے شعور ادراک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔حالانکہ دل اس کا بچہ ہوتا ہے۔لیکن سب کا دل بچہ نہیں ہوتا اور نہ ہی تو سب ادبِ اطفال تخلیق نہیں کرسکتے ہیں۔، یہ سب کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔ بچہ کی ذہنی وفکری ارتقاء کی رفتار کو گرفت میں لینا اور اس کے ساتھ اس کی دلچسپی اس کے ذوق اور اس کی جستجو کو برقرار رکھنا ادبِ اطفال کے تخلیق کار کے لئے

بہت بڑا چیلنج ہے۔دورِ حاضر میں ڈاکٹر بانو سرتاج اس چیلنج کو بہ خوبی نبھائے ہے۔اور پچھتر

(۷۵) سال کی عمر کے باوجود مسلسل بہائے جارہی ہیں ۔ بلاشبہ آپ نے اُردو ادب اطفال کو بہتر ین علمی سرمایہ بخشا ہے۔ وہ ایک اعلیٰ فنکار ہیں ۔جنھوں نے اپنی تخلیقات میں بچوں کے ادب کی تمام فکری وذہنی باریکیوں کا خیال رکھا ہے ۔ان کی نفسیات ان کی معصومیت ان کے فکری میلانات ، رجحانات ان کی روحانی وسمانی تربیت کے مابین ایک معلوماتی دنیا سے روبروں کرانے کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے۔

میرے تحقیقی مقالہ کا موضوع بانوسرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ ہے ۔اس کو چھ ابواب میں تقسیم کر کے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ا....اُردو زبان میں ادبِ اطفال کی روایت

۲.... بانوسرتاج کے سوانحی حالات :۔

(i) سوانحی کوائف

(ii) ادبِ اطفال اور بانوسرتاج

۳.... بانوسرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی مطالعہ :۔

i) بانوسرتاج کی افسانہ نگاری

ii) بانوسرتاج بہ حیثیت ناول نگاری

iii) بانوسرتاج کی ڈرامہ نگاری

iv) بانوسرتاج کی نظم نگاری کا تنقیدی جائزہ

v) بانوسرتاج بہ حیثیت محقق

۴.... بانوسرتاج کی دیگر کاوشات

۵.... اُردو ادب میں بانوسرتاج کا مرتبہ

۶.... خلاصۂ بحث

کتابیات

ا...... پہلا باب ۔اُردو زبان میں ادبِ اطفال کی روایت کے ذیرِعنوان ہے ۔قدیم زمانہ سے لیے کر دورِ حاضر تک مرد اور خواتین بچوں کے ادب کی تخلیق کے لیے کس کس مرحلہ سے گزر کر ادبِ اطفال کی شاخوں کو مضبوت کرنے میں اپنا تعاون دیا اس کا ذکر اس ابواب میں بہ خوبی ملتا ہیں ۔آزادی کے بعد سے ادبِ اطفال کی تخلیق کا کام شروع ہونے لگا مکتوب مدرسوں میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہونے لگا ۔۔اور آج تک یہ دور جاری ہیں ۔بچوں کے لیے نظم ڈرامے، ناول چھوٹی چھوٹی کہانیاں جسے بچے پڑھنا پسند کرتے ہیں وہی ادبِ اطفال کی نفسیات اور ان کو کیسا ادب فراہم ہوا اس کا ذکر اس ابواب میں کیا گیا ہیں ۔

۲.... باب دوم ''بانو سرتاج کے سوانحی حالات'' ہے اس کو دو ذیلی حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلے حصہّ کا عنوان ''سوانحی کوائف'' ہے جس کے تحت ان کی سنِ پیدایش ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء بمقام (پانڈھر کوڑا) ضلع ایوت محل مہاراشٹرا ہے ۔پھر ان کے والد مرحوم سید شاہ محمد ابراہیم حسامی الا فاروقی فریدی (ڈپٹی کلرک ایوت محل) اور والدہ مرحومہ ڈاکٹر میمونہ خاتون شاہ میڈیکل آفسر (ایوت محل) کے سلسلۂ نسب پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔اس کے بعد ڈاکٹر بانو سرتاج کی ابتدائی تعلیم سے پی ۔ایچ ڈی کرنے تک کے حالات اور واقعات تفصیلی حقائق رقم کیے گئے ہیں مذید ان کی ادبی کاوشاتوں کا زکر بھی اس باب میں کیا گیا ہے ۔دوسرے حصہّ: ادبِ اطفال اور بانو سرتاج ہے اس کے تحت بانو سرتاج نے ادبِ اطفال کے لیے کیا کوششے کی اور کن کن مرحلو سے کزر کر اپنے فنِ کمال کی تقمیل کی ۔اس کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے ۔

۳... تیسرے ابواب میں بانو سرتاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہیں ۔اس کو پانچ ذیلی حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

(i) حصہّ اوّل:۔ بانوسرتاج کی افسانہ نگاری

اردو ادب میں بانوسرتاج کے چار افسانے ملتے ہیں۔ ''پہلا دائروں کے قیدی''، ''اس کے لئے''، ''ذراسی کمی''، ''اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا میزان'' ان افسانوں کو اُردو اکادمی مہاراشٹر اانعامات سے بھی نوزاہ جا چکا ہیں۔ بانوسرتاج ادب کی دنیا میں افسانوں کے دروازے سے داخل ہوئی تھی۔ خواتین کے مسائل پر ان کے کہانیاں مختلف رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی ہے۔ان کے افسانوں کے مجموعے ''ذراسی کمی'' اور ''راپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا میزان' ادبی دنیاں میں نشانات چھوڑے ہیں۔ان کی کہانیاں اگر چہ کے بیانیہ انداز کی ہوتی ہیں مگر ان کا مشاہدہ اور تجربہ ساتھ ہی کرداروں کی تخلیق کا جو جادوں ہے وہ قاری کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔کہانی کی شروعات اسی انداز سے ہوتی ہے مانو وہ آپس میں ہم کلام ہیں۔انداز اس قدر سادہ ہے کہ لگتا ہے وہ کوئی گزرا ہوا واقعہ بیان کر رہی ہوں۔

(ii) حصہّ دوم:۔ بانوسرتاج بہ حیثیت ناول نگار

ڈاکٹر بانوسرتاج نے اُردو ادب کو دو اہم ناول دیے جو بچوں میں بھی دلچسپی کو شاداں کرتا ہیں۔ اور بڑے بھی اس کا لطف لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ناول ''جنگل میں منگل'' اور دوسرا ناول ''پکیا اور پری چھم'' یہ دو ناول بانوسرتاج کے کامیاب ناول ہے۔ناول ''جنگل میں منگل'' کے کردار جنگل میں رہ کر زندگی کی رنگینوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں پلاٹ کو بارہ ابواب میں تقسیم کر کے معصوم قارئین کی دلچسپی کو مفید کیا گیا ہے۔ناول کی زبان روزمرہ کی بول چال کی زبان ہے۔ جملے چھوٹے چھوٹے رواں دواں ہے۔مجموعی طور پر اس ناول کو میں بچوں کے ادب میں ایک قیمتی اضافہ تصور کرتی ہوں اور بچوں کا بہترین ناول کرار دیتی ہوں۔

یہی خوبی ان کے دوسرے ناول ''پکیا اور پری چھم'' میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یہ ناول بڑے

بچوں کے لئے ۲۰۱۲ میں شائع کیا گیا۔ دونوں ہی ناول قابلِ تعریف ناول ہیں۔

(iii) حصہّ سوم:۔ بانو سرتاج کی ڈرامہ نگاری

ڈاکٹر بانو سرتاج کئی زبانوں کی مستند ادیبہ ہیں۔ ان کے ڈرامے میں بچوں کی تفریح اور تربیت دونوں کو شامل کیا گیا ہے۔ زبان آسان اور پیرایۂ بیان ایسا ہے ڈرامہ بچے مزے لے کر پڑھ سکتے ہے۔ ان کے ڈرامے دلچسپی اور افادیت سے بھرپور ہیں۔ ڈرامے ''مجھے شکایت ہے'' ''وطن کے لئے'' آئی برسات آئی'' ''جب جاگے تبھی سویرا'' ''شوا جی کا انعام'' وغیرہ کا جائزہ اس باب میں کیا گیا ہیں۔

(iv) حصہّ چہارم:۔ بانو سرتاج کی نظم نگاری کا تنقید جائزہ

ڈاکٹر بانو سرتاج نے بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیوں اور نثری مضامین کے علاوہ دلچسپ، شوخ اور چلبلی نظموں کی تخلیق پر بھی اپنی توجہ دی۔ بچوں کے معیار و مزاح سے ہم آہنگ ان کی پیاری پیاری نظمیں بچوں کے رسائل وذائد میں اکثر توجہ کا باعث بنی ہے۔ اپنی ان نظموں کو یکجا کر کے ''مرغے میاں کی ککڑوں کوں'' عنوان کے تحت زیرِ نظر مجموعہ شائع کر کے بانو سرتاج نونہال قوم وملت کی ایک اور بنیادی ضرورت کی تکمیل کا فریضہ انجام دیا ہیں۔

(v) حصہ پنجم:۔ بانو سرتاج بہ حیثیت محقق

اس ابوب میں ڈاکٹر بانو سرتاج کے تحقیقی مقالہ کو پیش کر ان کا جائزہ لیا گیا ہیں۔ 'ادب ایک مطالعہ اُردو شاعر ی اور قومی یکجہتی ' 'مال' 'ہندوستان میں جنگِ آزادی میں خواتین (تاریخ)'' 'ہندوستان کی جنگِ آزادی میں مسلم خواتین (تاریخ)'' 'ہندوستان کی ۱۴۱ اوّل خواتین

(مختلف شعبہ حیات میں)' حالانکہ یہ تصنیف تاریخی ہے مگر جس کاوش کا مظاہرہ کر کے موصوف نے دنیا کی اہم اور بڑی خواتینوں کا احاطہ کیا ہے وہ کوئی عام ادب نواز نہیں کرسکتا بلکہ یہ کام کوئی محقق ہی کرسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کو موصوف کی تحقیقی کتابوں کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔

(۴)ابواب چہارم ......''بانو سرتاج کی دیگر کاوشات'' ہے اس باب میں بانو سرتاج کی ان تمام تصانیف کا جائزہ لیا گیا ہے جو ادب میں ادبِ اطفال کو اہم معلومات فراہم کرتی ہیں جسے بچہ کچھ اچھی اچھی معلومات کو حاصل کر اپنی زندگی کو بہتر بنا سکے۔مثلاً بچوں کے لیے لوک کہانیاں ایک کی گیارہ ،دو کی بارہ ،تین کی تیرا کہانیاں ،چار کی چودہ کہانیاں ،تیرا ممنوں ہوں ،خطرے کا الا رام ،ممیّ نابولی بچوں کے لیے کہانیاں ،'بڑا مزا اس ملاپ میں ہے !' کہانی میں کہانی پیڑوں کی کہانی (ماحولیات)وغیرہ تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہیں۔

(۵)ابواب پنجم :۔اُردو ادب میں بانو سرتاج کا مرتبہ'' اس عنوان کے تحت بانو سرتاج کی اُردو ادب میں ایک اہم مقام متین کرنے کی سعی کی گئی ہیں ۔ڈاکٹر صاحبہ نے چھوٹے بچوں سے لے کر بڑے بچوں تک کے ادب کو ان کی زندگی جستجو کو اپنی صنف میں جگہ دی اور ادب کو ایک بڑا خزانہ عطا کیا۔اور ادب کے زریے ایک پیغام دیا کی عورتوں کو آزادی نہیں بلکہ آزادی کے نام پر دھکا ملا ہے اور مل رہا ہے ۔وہ ایک ایسی ادیب ہیں ۔جنہوں نے اپنی تخلیقات سے بچوں کے ادب کی تمام فکری وذہنی باریکیوں کا خیال رکھ کر ان کی نفسیات ان کی معصومیت ان کے میلانات رجحانات ان کی روحانی وجسمانی تربیت کے مابین ایک معلومات دنیاں سے روبرو کرانے کا پورا پورا خیال رکھا۔

اس طرح بانو سرتاج نے ادب کی جو خدمات کی اسے کوئی فراہم نہیں کرسکتا۔ڈاکٹر بانو سرتاج اُردو ادب کا وہ ستارہ ہے جو ادبِ اطفال کی تخلیق کے بائث ہمیشہ چمکتی رہے گی۔ جہاں ادبِ اطفال کا ذکر ہوگا وہا بانو سرتاج کا نام سرِ فہرست ہوگا۔